اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

حضورؐ کے سفرِ حج کی تفصیلات
فضیلت شیخینؓ
حضرت عمرؓ کی چھ نصیحتیں
حضرت علیؓ کی شہادت
دو بڑے بد بخت
شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی چند دعائیں
ریاکاری اور اخلاص
۱۲ ربیع الاول اور اس کے تقاضے
مدرسہ کے چار بنیادی اصول
اللہ کی نعمتوں کا استحضار

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

جلد چہارم

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

مکتبہ لدھیانوی

قانونی مشیر اعزازی: ـــ منظور احمد ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

اشاعت اول ـــــ نومبر ۲۰۰۲ء

کمپوزنگ: ـــــــ صدیقی کمپوزرز، ماڈل کالونی کراچی

فون: 0320-4084547,4504007

ناشر: مکتبہ لدھیانوی

18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن کراچی

برائے رابطہ: جامع مسجد باب رحمت

پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی

پوسٹ کوڈ: 74400 فون: 7780337

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی:

ہمارے حضرت اقدس شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ پر حد درجہ اخفاً کا غلبہ تھا۔ انہوں نے زندگی بھر اپنے آپ کو مٹایا اور چھپایا‘ مگر کرشمۂ قدرت دیکھئے کہ انہوں نے جس قدر اپنے آپ کو چھپایا اور مٹایا‘ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا ہی شہرت و ناموری کی معراج پر پہنچایا۔ بلاشبہ: ”من تواضع للہ رفعه اللہ“ کے مصداق جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کی‘ اللہ تعالیٰ نے اسے سربلندی عطا فرمائی۔

یوں تو زندگی بھر حضرت شہیدؒ سے جب بھی آپؒ کے مواعظ کی جمع و ترتیب کی بات کی گئی آپ نے ہمیشہ اس سے انکار فرمایا‘ لیکن آخر میں آپؒ کے فرزند ارجمند برادرم مولانا محمد طیب لدھیانوی صاحب نے اس موضوع پر کام شروع کر دیا تو آپؒ نے ان کی دل داری کرتے ہوئے اس پر نہ صرف خاموشی کا اظہار فرمایا بلکہ اصلاحی مواعظ کی جلد اول کے مسودہ کو از خود اول تا آخر ملاحظہ فرمایا‘ تصحیح فرمائی اور بعض جگہ اضافے بھی فرمائے۔

یہ حضرتؒ کی تواضع اور فنائیت کی برکت ہے کہ جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو اسے علماً‘ طلبہ اور عوام نے خوب خوب پسند فرمایا‘ چنانچہ حضرتؒ کی شہادت کے بعد یکے بعد دیگرے اس سلسلہ کی دوسری اور تیسری جلد منظر عام پر آئی تو اس کی مزید جلدوں کی طباعت کا مطالبہ شدت سے ہونے لگا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے برادرم مولانا محمد اعجاز صاحب' عزیزم حافظ عتیق الرحمٰن صاحب' جناب مولانا نعیم امجد سلیمی صاحب اور برادرم عبداللطیف طاہر صاحب کو' جن کی شبانہ روز کوششوں سے اصلاحی مواعظ کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ جلد درج ذیل مواعظ پر مشتمل ہے:

فضیلت شیخین' حضرت عمرؓ کی چھ نصیحتیں' حضرت علیؓ.....شہادت' فضائل ومناقب' دو بڑے بدبخت' امت کے خیر کے تین زمانے' جہاد میں صحابہ کرامؓ کی مدد کو فرشتوں کا آنا' عقائد میں حق و باطل کا معرکہ' شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی چند دعائیں' امتی ہونے کا حق' اصولِ زندگی' ریاکاری اور اخلاص' عمل کی کھیتی' شب براءت.....اہمیت وفضیلت' ۱۲/ ربیع الاول اور اس کے تقاضے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر حج کی تفصیلات' مدرسہ کے چار بنیادی اصول' اللہ کی نعمتوں کا استحضار۔

بحمداللہ! یہ جلد بھی دوسری جلدوں کی طرح بہت ہی مختصر عرصہ میں مرتب ہوکر قارئین کے ہاتھوں میں ہے' اور تخریج وتحقیق کے اعتبار سے اس میں بھی وہی معیار برقرار رکھا گیا ہے جو پہلی جلدوں کی ترتیب میں روا رکھا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت شہیدؒ کے علوم و معارف کو بیش از بیش شائع کرنے اور پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے اور امت کو ان سے نفع اٹھانے کی سعادت نصیب فرمائے' آمین۔

خاکپائے حضرت شہیدؒ

(مولانا) سعید احمد جلال پوری

۲۱/ رمضان ۱۴۲۳ھ

فہرست مواعظ

فہرست مضامین

١

فضیلت شیخینؓ ۲۷

(۲)

۳

(۴)

۵

امت کی خیر کے تین زمانے ۱۱۱

۸

۱۲

عمل کی کھیتی ۲۶۳

(۱۳)

(۱۴)

(۱۵)

(۱۶)

(۱۷)

فضیلتِ شیخین رضؓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"وَاَخْرَجَ اِبْنُ اَبِیْ عَاصِمٍ وَابْنُ شَاهِیْنَ وَالْـلالْكَائِیُّ فِی السُّنَّةِ وَالْاَصْبَحَانِیُّ فِی الْحُجَّةِ وَابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: خَطَبَنَا عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ، ثُمَّ قَالَ: اِنَّهُ بَلَغَنِیْ اَنَّ نَاسًا یُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ، رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، وَلَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ فِیْ ذَالِكَ لَعَاقَبْتُ فِیْهِ، وَلٰكِنِّیْ اَكْرَهُ الْعَقُوْبَةَ قَبْلَ التَّقَدُّمِ. فَمَنْ قَالَ شَیْئًا مِنْ ذَالِكَ بَعْدَ مَقَامِیْ هٰذَا فَهُوَ مُفْتَرٍ، عَلَیْهِ مَا عَلَی الْمُفْتَرِیْ، خَیْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، ثُمَّ اَحْدَثْنَا بَعْدَهُمْ اَحْدَاثًا یَقْضِیَ اللّٰهُ فِیْهَا مَا یَشَاءُ، كَذَا فِی الْمُنْتَخَبِ.

وَعِنْدَ اَبِیْ نُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَةِ عَنْ زَیْدِ بْنِ وَهْبٍ اَنَّ

سُوَيْدَ بْنِ غَفَلَةَ دَخَلَ عَلٰى عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي اِمَارَتِهٖ، فَقَالَ: يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! اِنِّيْ مَرَرْتُ بِنَفَرٍ يَذْكُرُوْنَ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، بِغَيْرِ الَّذِيْ هُمَا لَهٗ اَهْلٌ. فَنَهَضَ فَرَقِيَ الْمِنْبَرَ، فَقَالَ: وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ! لَا يُحِبُّهُمَا اِلَّا مُؤْمِنٌ فَاضِلٌ، وَلَا يُبْغِضُهُمَا اِلَّا شَقِيٌّ مَارِقٌ، فَحُبُّهُمَا قُرْبَةٌ وَبُغْضُهُمَا مُرُوْقٌ، مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَذْكُرُوْنَ اَخَوَيْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَزِيْرَيْهِ وَصَاحِبَيْهِ وَسَيِّدَيْ قُرَيْشٍ وَاَبَوَيِ الْمُسْلِمِيْنَ؟ فَاَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّنْ يَذْكُرُهُمَا بِسُوْءٍ وَعَلَيْهِ مُعَاقِبٌ. كَذَا فِي الْمُنْتَخَبِ."

"وَاَخْرَجَ اللَّالْكَائِيُّ وَاَبُوْ طَالِبِ الْعُشَارِيُّ وَنَصْرٌ فِي الْحُجَّةِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ قَالَ: قَالَ فَتًى مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ لِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حِيْنَ اِنْصَرَفَ مِنْ صِفِّيْنَ سَمِعْتُكَ تَخْطُبُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! فِي الْجُمُعَةِ تَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْنَا بِمَا اَصْلَحْتَ بِهِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ. فَمَنْ هُمْ؟ فَاغْرَوْرَقَتْ عَيْنَاهُ، ثُمَّ قَالَ: اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اِمَامَا الْهُدٰى، وَشَيْخَا الْاِسْلَامِ، وَالْمُهْتَدٰى بِهِمَا بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَنِ اتَّبَعَهُمَا هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ، وَمَنِ اقْتَدٰى بِهِمَا يَرْشُدُ، وَمَنْ تَمَسَّكَ بِهِمَا فَهُوَ مِنْ حِزْبِ اللهِ وَحِزْبُ اللهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.."

(حیاۃ الصحابۃ ج:۶ ص:۶۹۳، ۶۹۴)

ترجمہ:......''ابن ابی عاصم، ابن شاہین اور لا لکائی نے سنہ میں اور اصبہانی نے حجۃ میں، اور ابن عساکر نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا، پس اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ کچھ لوگ مجھے فضیلت دیتے ہیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر، اگر اس سلسلہ میں میں نے پہلے تنبیہ کردی ہوتی تو اس معاملہ میں میں ایسے لوگوں کو سزا دیتا، لیکن آگاہ کرنے سے قبل سزا دینے کو مناسب نہیں سمجھتا، جو شخص اس قسم کی کوئی بات میرے اس بیان کے بعد کرے گا، وہ مفتری ہے، اور اس کی وہی سزا ہوگی جو مفتری کی سزا ہے۔ پھر فرمایا: تمام انسانوں سے بہتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں، پھر ہم نے ان کے بعد بہت سے کام کئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں فیصلہ کرے گا جو چاہے کرے۔

ابونعیم نے حلیہ میں زید بن وہاب سے نقل کیا ہے کہ حضرت سوید بن غفلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ وہ کوفہ میں امیرالمؤمنین تھے، سوید بن غفلہ نے کہا: اے امیرالمؤمنین! چند لوگوں کے پاس سے میرا گزر ہوا، وہ لوگ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا نامناسب انداز میں تذکرہ کر رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور منبر پر چڑھے اور پھر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑا اور روح کو وجود دیا، نہیں محبت رکھتا ان دونوں سے مگر مؤمن

فاضل، اورنہیں بغض رکھتا ان دونوں سے مگر بدبخت اور دین سے نکلنے والا، سوان دونوں سے محبت رکھنا عبادت ہے اور ان دونوں سے بغض رکھنا دین سے نکلنا ہے۔ کیا حال ہے ان لوگوں کا جو برا تذکرہ کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں بھائیوں کا، آپؐ کے دو وزیروں کا، آپؐ کے دونوں رفیقوں کا، قریش کے دونوں سرداروں کا اور مسلمانوں کے دونوں والدین کا۔ میں اس شخص سے بری ہوں جو ان کا تذکرہ کرتا ہے برائی کے ساتھ اور اس پر میں سزا دینے والا ہوں۔

لالکائی، ابو طالب عشاری اور نصر نے حجہ میں حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ بنو ہاشم کے ایک نوجوان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: اے امیرالمؤمنین! آپ جنگ صفین سے جب سے واپس آئے ہیں تو میں آپ سے سن رہا ہوں کہ آپ جمعہ کے خطبے میں یہ دعا کرتے ہیں: ''اے اللہ! ہماری اصلاح فرما جس چیز کے ساتھ آپ نے اصلاح فرمائی تھی خلفائے راشدین کی۔'' تو یہ کون لوگ ہیں؟ آپؓ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور فرمایا: ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما، دونوں ہدایت کے امام تھے، اسلام کے بزرگ تھے، جن کی اقتدا کی جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس شخص نے ان دونوں کی پیروی کی، اس کو صراط مستقیم کی ہدایت ملی، اور جس شخص نے ان دونوں کی اقتدا کی اس نے بھلائی پائی، اور جس نے ان دونوں سے تمسک کیا پس وہ اللہ کا گروہ ہے، اور اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔''

گزشتہ جمعہ میں البدایہ والنہایہ کے حوالے سے میں نے امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ ذکر کیا تھا:

''خَیْرُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرَ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا).''

(البدایہ والنہایہ ج:۰ ص:۲۷۷)

ترجمہ:......''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر اور افضل حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔''

''ازالۃ الخفا'' میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس خطبے کو نقل کرنے والے اسّی آدمی ہیں۔ گویا تواتر کے ساتھ یہ خطبہ ثابت ہے۔ اسّی آدمی جھوٹ نہیں بول سکتے، اور مختلف کتابوں میں ان حضرات سے مروی ہے، صحیح بخاری میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

محمد بن حنفیہؒ:

اور ان کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہؒ جو اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے عالم اور فاضل تھے اور جن کو بعض لوگوں نے اپنے وقت کا امام مہدی کہا تھا، حالانکہ یہ جھوٹ کہا، کیونکہ امام مہدیؒ تو بعد میں آئیں گے لیکن بہرحال ان کی مہدویت کی دعوت ایک عرصہ تک چلتی رہی، یہ حضرت محمد بن حنفیہؒ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے چھوٹے بھائی ہیں، لیکن دوسری والدہ سے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نہیں تھے۔

محمد بن حنفیہؒ کی وجہ تسمیہ:

حدیث شریف میں ہے کہ:

"عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَرَأَیْتَ اِنْ وُلِدَ لِیْ بَعْدَکَ اُسَمِّیْہِ مُحَمَّدًا؟ .... قَالَ: نَعَمْ!" (ترمذی ج:۲ ص:۱۰۷)

ترجمہ:......"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ: یا رسول اللہ! آپؐ کے بعد میرے یہاں لڑکا ہو تو اس کا نام "محمد" رکھ لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں!"

چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کا نام محمد رکھا تھا، محمد ابن علی، ان کو محمد بن حنفیہ بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ قبیلہ بنوحنیفہ کی خاتون کے بطن سے ان کا تولد ہوا تھا۔

سب سے افضل کون ہے:

تو امام بخاریؒ نے انہی محمد بن علی سے نقل کیا ہے کہ:

"قَالَ: قُلْتُ لِاَبِیْ: اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: اَبُوْبَکْرٍ. قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: عُمَرَ. وَخَشِیْتُ اَنْ یَّقُوْلَ عُثْمَانَ، قُلْتُ: ثُمَّ اَنْتَ؟ قَالَ مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ." (بخاری ج:۱ ص:۵۱۸)

ترجمہ:......"میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر میں نے پوچھا: ان کے بعد کون افضل ہیں؟ تو فرمایا: ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر میں نے اس ڈر سے کہ کہیں یہ نہ فرمادیں کہ اس کے

بعد حضرت عثمانؓ، میں نے خود ہی کہا کہ: اس کے بعد آپ افضل ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: نہیں! میں مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں۔''

طرقِ حدیث:

اور یہ حضرت علقمہؒ کی روایت ہے، اس سے پہلی ابو جحیفہؒ کی روایت تھی، دوسری علقمہؒ کی روایت ہے، تیسری سوید بن غفلہؒ کی روایت ہے، سوید بن غفلہؒ مقدم ہیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے، لیکن زیارت نہ ہوسکی، اس لئے صحابی نہیں ہیں، تابعی ہیںؒ، لیکن اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اکابر تابعینؒ میں سے ہیں۔

اکابر تابعین؟

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا زمانہ جنہوں نے پایا ہو، وہ تمام تابعین میں سب سے بڑے شمار کئے جاتے ہیں، ابو یونس خولانیؒ جن کا نام عائض باللہ ہے، وہ بھی اور یہ سوید بن غفلہؒ بھی اکابر تابعین میں سے ہیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام بھی لے آئے تھے لیکن زیارت سے مشرف نہ ہوسکے۔

ابو یونس خولانیؒ:

ابو یونس خولانیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ جس دن وہ مدینہ پہنچے ہیں، صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے مٹی سے ہاتھ جھاڑ رہے تھے، اللہ کی شان! زیارت نہ ہوسکی۔

امام زین العابدینؒ:

اور چوتھی روایت حضرت علی بن حسینؒ کی ہے، جن کو امام زین العابدینؒ کہتے ہیں۔ امام باقرؒ کے والد اور امام جعفرؒ کے دادا، حضرت حسینؓ کے صاحبزادے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کربلا میں صرف یہی بچے تھے، حضرت حسینؓ کی اولاد میں سے، نرینہ اولاد میں سے صرف یہی بچے تھے اور تمام کے تمام حسینی سید انہیں کی اولاد ہیں۔

حضرت علی کی دعا:

حضرت علی بن حسین بن ابی طالب، حضرت علیؓ کے پوتے ہیں، حضرت حسینؓ کے صاحبزادے ہیں، امام باقرؒ کے والد ماجد ہیں اور امام جعفر صادقؒ کے دادا ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ قریش کے ایک نوجوان نے حضرت امیرالمؤمنینؓ سے پوچھا، جبکہ جنگ صفین سے لوٹ کر آئے تھے کہ آپ اکثر اپنے خطبوں میں یہ دعا کیا کرتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْنَا بِمَا اَصْلَحْتَ بِهِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ."

ترجمہ:...... "یا اللہ! ہماری ایسی اصلاح فرما، جیسی آپ نے خلفائے راشدین کی اصلاح فرمائی ہے۔"

یہ خلفائے راشدین کون ہیں؟ جن کا آپؓ تذکرہ کرتے ہیں، فرمایا کہ: ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما، ہدایت کے امام اور اسلام کے دونوں بزرگ۔

اس امت کے پہلے شیخ الاسلام:

شیخ الاسلام کا لفظ سنا ہوگا آپ لوگوں نے کہ فلاں شیخ الاسلام ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس امت میں سب سے پہلے یہ لقب حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ

عنہما کو دیا ہے، شیخ الاسلام حضرت ابوبکرؓ اور شیخ الاسلام حضرت عمرؓ، اس وقت گویا پوری امت کے شیخ تھے، اپنے وقت میں ملت اسلامیہ کے شیخ یہی تھے، یہ مطلب ہوتا ہے شیخ الاسلام کا، اور پھر فرمایا کہ یہ وہ حضرات ہیں جن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہدایت پائی جاتی ہے، جو شخص کہ ان کی اقتدا کرے گا وہ رشد و ہدایت پر ہوگا، اور جو شخص ان سے تمسک کرے گا وہ حزب اللہ میں شمار ہوگا، وہ اللہ کے گروہ میں شمار ہوگا، اور اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہے۔

حضرت علیؓ کی حضرات شیخینؓ سے عقیدت:

اور سوید بن غفلہ کی روایت میں ہے کہ میں کوفہ میں حضرت امیرالمؤمنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے کہا کہ: میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا بیٹھے ہوئے حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ کچھ نامناسب انداز سے کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ علیؓ ان سے افضل ہیں۔ آپؓ یہ سن کر منبر پر تشریف لے گئے، لوگ جمع ہوگئے، اور ارشاد فرمایا کہ: اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیر کر اس سے درخت نکالا اور جس نے روح کو پیدا کیا، یہ دونوں بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں، جو ان سے محبت رکھے گا وہ مؤمن فاضل ہوگا، اور جو شخص ان سے بغض رکھے گا وہ بدبخت اور دین سے نکلنے والا ہوگا، اس کے بعد دوسرے فضائل بیان فرمائے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا:

''اَیُّھَا النَّاسُ! اِنَّ خَیْرَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّھَا اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَر، وَلَوْ شِئْتُ اَنْ اُسَمِّیَ الثَّالِثَ لَسَمَّیْتُ.''

(البدایہ والنہایہ ج:۸ ص:۱۳)

ترجمہ:...... ''اے لوگو! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) ہیں اور پھر اترتے ہوئے فرمایا: اگر میں چاہتا تو تیسرے کا نام بھی بتادیتا (کسی نے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ بتادیجئے! فرمایا: عثمانؓ!)۔"

فرقِ مراتب:

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ چار خلفائے راشدین اس امت میں سب سے افضل ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ خلیفہ راشد ہونے کے اعتبار سے یہ سب یکساں احترام کے مستحق ہیں، اور ان میں سے کسی ایک کی تنقیص بھی جیسا کہ حضرت امیرالمؤمنین فرما رہے ہیں، دین سے نکلنے کی علامت ہے، لیکن جیسا کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب صحابیت کی وجہ سے لائق احترام ہیں اور مرجع عقیدت ہیں، بلکہ قبلہ عقیدت ہیں، لیکن ان کے مابین بھی درجات کا فرق ہے، اسی طرح یہ چاروں خلفائے راشدین بحیثیت خلیفہ راشد ہونے کے یکساں اور برابر ہیں، لیکن ان کے درجوں میں بھی فرق ہے، تیسرے پارے کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ."

(البقرہ:۲۵۳)

ترجمہ:......"یہ رسولوں کی جماعت ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔"

تمام کے تمام رسول اور نبی آپ حضرات کو معلوم ہے کہ معصوم ہیں، اللہ تعالیٰ کے مقدس و برگزیدہ ہیں لیکن ان کے درجات میں بھی فرق ہے اور کسی بڑے کو بڑا کہنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ چھوٹے کی تنقیص کی جائے، اس کو چھوٹا اس کے اعتبار

سے تو کہہ سکتے ہیں لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے وہ چھوٹا نہیں ہے، کوئی نبی چھوٹا نہیں، سب بڑے کے بڑے ہیں لیکن جب انبیاءؑ کا آپس میں مقابلہ ہوتا ہے تو ان کے اعتبار سے کہہ سکتے ہیں، مثلاً پانچ اولوالعزم رسول ہیں، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جو ان سب سے افضل ہیں، خیر البشر ہیں، سید الرسل ہیں، امام الانبیاءؑ ہیں، خاتم الانبیاءؑ ہیں، ٹھیک اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ خلفائے راشدین سب کے سب لائق احترام ہیں، ان میں سے کسی ایک کی تنقیص اور ادنیٰ سے ادنیٰ تنقیص بھی جائز نہیں، کسی ایک صحابی کی تنقیص محرومی کی علامت ہے اور بدبختی کا نشان ہے اور دین سے نکلنے کی ابتدا ہے۔

اس امت کے افضل:

تاہم ان چاروں کے درجات میں فرق ہے، حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کا افضل ھذہ الامۃ ہونا قطعی تھا اور ہے، امت کے کسی ایک متنفس کا بھی اس میں اختلاف نہیں، اور پوری امت میں دو آدمیوں کا بھی اس سلسلہ میں اختلاف نہیں ہے، شیعوں کو شمار نہ کرو، ان کے علاوہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت میں ایک متنفس بھی اس عقیدے سے اختلاف کرنے والا نہیں ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ اس امت میں سب سے افضل ہیں، اسی طرح تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اسی طرح ائمہ دینؒ، مجددین امتؒ، محدثینؒ وغیرہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شیخین حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں، اور حضرات عثمانؓ وعلیؓ یہ دونوں داماد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے دہری دامادی کا شرف عطا فرمایا تھا۔

حضرت عثمان کا شرف:

حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی صاحبزادیاں تھیں؟ دو صاحبزادیاں تھیں، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ، میں کہتا ہوں کہ صرف دو

نہیں بلکہ بے شمار، کیونکہ جب حضرت ام کلثومؓ کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو عثمانؓ کو دیتا، وہ مرجاتی تو چوتھی ہوتی تو عثمانؓ کو دیتا، وہ مرجاتی تو اگلی ہوتی تو عثمانؓ کو دیتا۔

امام ابوحنیفہؒ کی حاضر جوابی:

اور یہ لطیفہ تو میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تذکرے میں آپ کو سنایا تھا کہ نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! کوفہ میں ایک شخص تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہودی کہتا تھا، کوفہ ہمیشہ اہل بیت کی عداوت کا گڑھ رہا ہے، ظاہر میں نسبت اور اندرونِ خانہ عداوت، بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عداوت میں کوفہ تو ہمیشہ بدنام رہا ہے۔ اس لئے مثل بن گئی تھی کہ: "اَلْکُوْفِیُ لَا یُوْفِیْ." یعنی کوفی کبھی وفا نہیں کریں گے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وفا نہ کی، ان کے صاحبزادے سبط اکبر حضرت حسنؓ سے وفا نہ کی اور ان کے بعد پھر ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ سے وفا نہ کی، "اَلْکُوْفِیُ لَا یُوْفِیْ." کوفی کبھی وفا نہیں کرے گا، اہل بیت سے غداری کرنے میں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے عداوت رکھنے میں کوفی مشہور تھے، ہمارے امامؒ بھی اسی کوفہ کے رہنے والے تھے اور یہ لطیفہ بھی میں نے سنایا تھا۔

ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہؒ مدینہ طیبہ گئے، وہاں امام مالکؒ تھے، تعارف پوچھا کہ کہاں سے آئے ہیں؟ امام ابوحنیفہؒ کہنے لگے: کوفے سے آیا ہوں! حضرت امام مالکؒ نے فرمایا: کوفے کے لوگ منافق ہوتے ہیں، کوفہ منافقوں کا گڑھ ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ نہایت ادب سے کہنے لگے حالانکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام مالکؒ سے عمر میں بڑے ہیں، لیکن اخلاق شریفہ کے ساتھ متصف تھے اور مدینے کے زائر تھے، حاضری دینے والے تھے، مدینے کے رہنے والے نہیں تھے، اہل مدینہ کا ادب

کرتے تھے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کہنے لگے: حضرت! ایک اجنبی آدمی ہوں، ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں۔ امام مالکؒ نے فرمایا: کہئے! فرمایا کہ: ذرا اس آیت کا مطلب پوچھنا ہے کہ:

''وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ.'' (التوبہ:۱۰۱)

ترجمہ:...... ''تمہارے گرد و پیش میں بہت سے منافق رہتے ہیں اور مدینے میں بھی وہ لوگ موجود ہیں جو نفاق رکھے ہوئے ہیں آپ ان کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔''

یہ سن کر امام مالکؒ کا تو رنگ فق ہوگیا، کہنے لگے: آپ کا نام کیا ہے؟ آپ کی تعریف کیا ہے؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: مجھے نعمان کہتے ہیں، ابوحنیفہ کہتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ کھڑے ہوگئے معانقہ کیا اور اس گستاخی کی معافی چاہی، تو امام ابوحنیفہؒ بھی وہیں کے ہیں، جیسا وہ مدینہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: اہل مدینہ میں بعض لوگ ایسے ہیں جو نفاق میں پکے ہیں۔

اہل کوفہ کے دلوں میں امام ابوحنیفہؒ کی وجاہت:

تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں ایک کوفی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہودی کہتا تھا، حضرت امامؒ کی وجاہت تو سارے کوفہ میں تھی، ہر دشمن اور دوست عزت کرتا تھا اور جو بڑا آدمی صاحب اخلاق بھی ہو اور صاحب علم و فضل بھی ہو، تو تمام طبقے کے لوگ اس کا احترام کیا کرتے ہیں، وہ اپنے اخلاق اور اپنے اعمال کی بنا پر سب کے نزدیک محترم ہوتا ہے، شیعوں کا اور سنیوں کا اختلاف تمہیں معلوم ہے، دیوبندیوں

کا اور بریلویوں کا اختلاف آپ کو معلوم ہے۔

ہمارے مولانا مفتی منیر احمد اخون صاحب کے والد ماجد کا جس دن انتقال ہوا، میں نے ان کا جنازہ پڑھایا، سارا بھاول نگر اُمڈ آیا تھا، تمام شیعہ بھی اور تمام بریلوی بھی کہنے لگے: ہمیں ان سے کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ تو ولی اللہ آدمی تھا۔

حضرت عثمانؓ کے دشمن کا علاج:

تو حضرت امامؒ ان صاحب کے پاس گئے اس نے پوچھا: کیسے تشریف آوری ہوئی؟ امام ابوحنیفہؒ کہنے لگے: ایک رشتے کا پیغام لے کر آیا ہوں، جناب کی صاحبزادی کے رشتے کا پیغام لے کر آیا ہوں، بہت خوش ہوا، لڑکے کے بارے میں بتایا کہ لڑکا بہت اچھا ہے، برسرروزگار ہے، علامہ ہے، وغیرہ وغیرہ، دنیا میں جو وجاہت کی چیزیں رائج ہیں ساری گنوادیں، وہ آدمی کہنے لگا: بہت اچھا! منظور ہے، حضرت فرمانے لگے کہ: بھئی میں نے اس کے ہنر بتادیئے ہیں، تھوڑے سے عیب بھی بتادینے چاہئیں کہ ہر ایک کو پتہ چل جائے، دوسرے سامنے والے کو پتا چل جائے، دھوکہ نہ ہو، تھوڑا سا اس میں عیب بھی ہے وہ یہ کہ وہ لڑکا یہودی ہے، یہ سن کر اس کو تو آگ لگ گئی، چہرہ سرخ ہوگیا، کہنے لگا کہ: اتنے بڑے امام ہوکر آپ مجھ سے مذاق کرنے کے لئے آئے ہیں؟ وہ بھی میری بیٹی کے معاملے میں! حضرت امام: برافروختہ نہیں ہوئے، بلکہ نہایت متانت سے فرمانے لگے: کیوں کیا بات ہے؟ یہ برافروختہ ہونے کی چیز ہے؟ میں نے تو سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو دو بیٹیاں دی تھیں، اب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس نے ہاتھ جوڑے اور کہا: آئندہ میں توبہ کرتا ہوں، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: بس یہی مسئلہ سمجھانے کے لئے آیا تھا، تیری بیٹی کے لئے اگر میں یہودی کا رشتہ لاؤں تو تو مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہوجائے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے شوہر کو کوئی یہودی کہہ دے تو وہ واجب القتل نہیں؟

منکرین بناتِ نبوت:

لیکن اس وقت لوگ اتنے ڈھیٹ نہیں ہوئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادیوں کا بالکلیہ انکار ہی کردیں اور اب تو یہاں یار لوگوں نے باقی تین صاحبزادیوں کا انکار ہی کردیا اور کہتے ہیں کہ کوئی بیٹی تھی ہی نہیں سوائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے، یہ غلط ہے، بھائی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہی کا انکار کردو، یہ ایک مستقل موضوع ہے۔

اہل بیتؓ کے دشمن:

میں نے اپنی کتاب ''شیعہ سنی اختلاف'' میں تھوڑا سا بادلِ نخواستہ اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ حضرات جو محبت اہل بیت کا دم بھرتے ہیں اور ان کی ہر مجلس میں یاحسین! پر سینہ کوبی ہوتی ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے سب سے بدترین دشمن ہیں، آپ حضرات میری اس کتاب کو پڑھ لیں، مزہ آئے گا، ان کے بارہ امام ہیں، بارہواں امام تو بے چارہ غائب ہوگیا ہے اور پہلے امام حضرت علیؓ تھے، دوسرے حضرت حسنؓ، تیسرے حضرت حسینؓ تھے، ان تین کو بھی چھوڑ دو، پیچھے کتنے رہ گئے؟ آٹھ، ہر امام کے زمانے میں اس کے بھائی بندوں نے اختلاف کیا، اس کی امامت پر شیعوں نے لکھا اور میں نے شیعہ کتابوں کے حوالے سے اس کی پوری تفصیل لکھ دی ہے۔

حضرت علیؓ کی اولاد امامت سے غائب:

یہی علی بن حسین حضرت علیؓ کے پوتے ہیں، حضرت حسینؓ کے بھائی، اور بڑے بھائی کے بعد امامت کس کو ملتی ہے؟ چھوٹے بھائی کو، تو محمد بن علی مستحق تھے امامت کے، جیسے حضرت حسنؓ کے بعد حضرت حسینؓ کو امامت ملی، اور اب حضرت

حسینؓ کے بعد کس کو ملنی چاہئے؟ حضرت علیؓ کے لڑکے موجود ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کے صاحبزادوں کو ملی، حضرت حسنؓ کی اولاد کو بھی امامت سے نکال دیا، حضرت علیؓ کی اولاد بھی امامت سے غائب، حضرت علیؓ کے دو بیٹوں کو لے کر باقی بیٹوں کو امامت سے نکال دیا اور حضرت حسنؓ کی اولاد میں سے ایک بھی امام نہیں، سب امامت سے خارج۔

چچا بھتیجے کا اختلاف:

حضرت علیؒ حضرت حسینؓ کے لڑکے ہیں، علی زین العابدین جن کا میں نے ابھی تذکرہ کیا، ان کا اپنے چچا کے ساتھ اختلاف ہوا، چچا یعنی محمد بن حنفیہ کہتے تھے کہ میں امام ہوں، یہ کہتے تھے کہ میں امام ہوں اور اصولِ کافی میں لکھا ہے کہ حجر اسود سے فیصلہ لیا گیا، مکہ مکرمہ میں پہنچے اور دونوں نے وہاں کھڑے ہو کر دعا کی تو حجر اسود سے آواز آئی ''علی'' یعنی بھتیجے امام ہیں، چچا امام نہیں ہیں، آئی ہوگی آواز، ایک بات تو یہ ہوگئی۔

ہر زمانہ میں مسئلۂ امامت پر اختلاف ہوا:

اسی طرح ہر امام کے زمانے میں یہاں تک کہ حسن عسکریؒ تک جو امام غائب کے باپ ہیں، ہر ایک کے زمانے میں امامت کے مسئلہ میں اختلاف ہوا، یعنی اس کے بھائی بندوں میں سے، اس کے عزیزوں میں سے، ایک بھی ان کی امامت کا قائل نہیں، امام جعفرؒ کے آٹھ بیٹے تھے اور آٹھوں اپنی اپنی جگہ امامت کے مدعی تھے موسیٰ کاظمؒ کو ان کے بھائیوں میں سے کوئی امام نہیں مانتا تھا۔ خیر یہ تو چھوڑو!

روافض کے ہاں منکرِ امامت ''حرامی'' ہے:

لیکن شیعہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو امامت کا منکر ہو وہ حرام زادہ ہے، اس کتاب میں حوالے دیکھ لو، ان کی کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ

اس کا نسب ناپاک ہے، میں گستاخی کی معافی چاہتے ہوئے پوچھوں گا کہ: جب حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمدؒ نے انکار کردیا تھا اپنے چچا کی امامت سے، تو وہ کون ہوئے؟ اور امام باقرؒ کے بھائیوں نے امام باقرؒ کی امامت کا انکار کردیا تو وہ کون ہوئے؟ ہم نے آج تک مخالف کو حرام زادہ نہیں کہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو یہ لقب دینے کا پہلی بار ان حضرات کو شرف حاصل ہوا ہے (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ)۔ یہ گیارہ آدمی ہوگئے، بارہواں تو ہے ہی نہیں، ان گیارہ آدمیوں سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری نسل کو یہ خطاب دیتے ہیں، فرمایئے! یہ محبّ اہل بیت ہیں یا اہل بیت کے دشمن ہیں؟

حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ سے عقیدت:

تو خیر مسئلہ یہ چل رہا تھا کہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں اور اگر کسی کی عقل میں نہ آئے تو میں نے اس کتاب میں یہ بھی حوالہ نقل کردیا ہے کہ حضرت امیرالمؤمنینؓ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا تھا کہ حضرت عثمانؓ کو کہیں کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا وہ شرف حاصل ہے جو کہ شیخین کو نہیں، ٹھیک ہے ان دو حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر ہونے کا شرف تو حاصل ہے۔ لیکن داماد ہونے کا شرف حاصل نہیں، تو ان میں ذرا اختلاف ہوا کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں کون افضل ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہوا کہ حضرت عثمانؓ سے حضرت علیؓ افضل ہیں۔

ترتیبِ خلافت، ترتیبِ فضیلت ہے:

صحیح بات جس پر کہ جمہور اہل سنت متفق ہوئے وہ یہ ہے کہ ان کی ترتیبِ خلافت کے مطابق ان کی ترتیبِ فضیلت ہے، یعنی یوں کہو کہ جس طرح اللہ کے نزدیک ان کی ترتیب فضیلت تھی، اسی ترتیب سے اللہ نے ان کو خلیفہ بنایا۔ سب سے

اول نمبر پر حضرت ابوبکرؓ تھے تو وہ پہلے خلیفہ ہوئے، اور دوسرے نمبر پر حضرت عمرؓ تھے وہ بعد میں خلیفہ ہوئے، تیسرے نمبر پر حضرت عثمانؓ تھے وہ بعد میں خلیفہ ہوئے اور چوتھے نمبر پر حضرت علیؓ تھے وہ بعد میں خلیفہ ہوئے، رضی اللہ عنہم۔

دور والا قریب تر:

یہاں ایک لطیفہ یہ ہے کہ جتنا دور والا تھا، اتنا پہلے خلیفہ بنا، حضرت علیؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد ہیں، دادے میں جا کے مل جاتے ہیں، وہ سب سے آخری نمبر پر، اور حضرت عثمانؓ پردادے میں جا کے ملتے ہیں وہ تیسرے نمبر پر آئے، حضرت عمرؓ قبیلہ بنوعدی کے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں پشت میں جا کے ملتے ہیں، اور حضرت ابوبکرؓ اس سے بھی اوپر جا کے ملتے ہیں، بتایا گیا کہ اسلام میں نسلی قرب کا لحاظ نہیں ہے بلکہ باطنی کمالات اور دائمی قرب کا لحاظ ہے، جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی قریب ہوگا اتنا عنداللہ افضل ہوگا، یعنی اللہ کے نزدیک افضل ہوگا۔ تو بہرکیف اس امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

حضرت علیؓ کو شیخینؓ پر فضیلت دینے والا مفتری ہے:

یہ خطبہ حضرت امیرالمؤمنینؓ کوفے کے منبر پر ارشاد فرماتے تھے اور ان لوگوں کو جو حضرت علیؓ کو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ پر فضیلت دیتے تھے، حضرت علیؓ ان کو مفتری کہتے تھے یعنی کسی پر بہتان لگانے والا اور بہتان لگانے والے کی سزا اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے:-

"وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً." (نور:۴)

ترجمہ:...... "وہ لوگ جو بہتان باندھتے ہیں کسی پر، پھر

نہیں لاتے چار گواہ، ان کے اسّی کوڑے لگاؤ۔''

حضرت امیر المؤمنینؓ نے فرمایا کہ میں نے پہلے اعلان نہیں کیا تھا اس لئے آج تو کچھ نہیں کہتا لیکن اگر آئندہ میں نے کسی کو سنا کہ وہ مجھے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ پر فضیلت دیتا ہے تو اس کو سزا دوں گا، اور سزا اس کی مفتری کی سزا ہوگی، یعنی اسّی کوڑے لگاؤں گا۔

شیعوں کے ہاں حضرت علیؓ کی پوزیشن:

حضرات شیعہ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی امیر المؤمنین نے کوفے کے منبر پر اس قسم کے خطبات ارشاد فرمائے تھے لیکن کہتے ہیں کہ یہ مجبوری تھی، اس لئے کہ حضرت امیر المؤمنینؓ کے ساتھ جو تھوڑے بہت آدمی رہ گئے تھے باقی تو حضرت معاویہؓ لے گئے تھے، جو تھوڑے بہت ان کے ساتھ رہ گئے تھے وہ بھی حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے گرویدہ تھے، اگر حضرت امیر المؤمنینؓ ان کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرتے تو سارا لشکر تتر بتر ہو جاتا۔ سبحان اللہ!

میں نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ تم ہی بتاؤ کہ پھر حضرت علیؓ کا سب سے بڑا دشمن کون نکلا؟ امیر المؤمنینؓ قسم کھا کر اور منبر رسول پر بیٹھ کر کہہ رہے ہیں اور اپنی امارت میں کہہ رہے ہیں، اپنی قوم کے درمیان میں کہہ رہے ہیں جن پر وہ امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین ہیں، ان کے سامنے کہہ رہے ہیں، مگر تم کہتے ہو کہ ڈر کے مارے کہہ رہے تھے، ورنہ خلافت ہاتھ سے چلی جاتی، کیا اپنی خلافت کو بچانا بڑا ضروری تھا؟ یہ ہے شیعوں کے نزدیک حضرت علیؓ کی پوزیشن۔

بہرحال اہل سنت والجماعت کا عقیدہ وہی ہے جیسا کہ حضرت امیر المؤمنینؓ نے فرمایا کہ شیخینؓ افضل ہیں اور یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سب سے پہلے دن سے یہ عقیدہ ان ہی کے ہاں سے نکلنا شروع ہوا ہے، حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ جو

شخص حضرات شیخینؓ کی فضیلت کا انکار کرتا ہے یا ان کی تنقیص کرتا ہے یا ان پر کسی قسم کا اعتراض کرتا ہے یا نکتہ چینی کرتا ہے، اسے سمجھنا چاہئے کہ اس نے دین سے نکلنا شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضرت عمرؓ کی چھ نصیحتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

''عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ وَعَظَ رَجُلًا فَقَالَ: لَا تُلْھِکَ النَّاسُ عَنْ نَفْسِکَ فَاِنَّ الْاَمْرَ یَصِیْرُ اِلَیْکَ دُوْنَھُمْ، وَلَا تَقْطَعِ النَّھَارَ سَارِبًا فَاِنَّہٗ مَحْفُوْظٌ عَلَیْکَ مَا عَمِلْتَ وَاِذَا اَسَأْتَ فَاَحْسِنْ فَاِنِّیْ لَاَرَای شَیْئًا اَشَدُّ طَلَبًا وَلَا اَسْرَعُ دَرَکَۃ مِنْ حَسَنَۃٍ حَدِیْثَۃٍ لِذَنْبٍ قَدِیْمٍ.''
(کنز العمال ج:۱۶ حدیث:۴۴۲۰۲)

''عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: اِعْتَزِلْ مَا یُؤْذِیْکَ وَعَلَیْکَ بِالْخَلِیْلِ الصَّالِحِ وَقَلَّ مَا تَجِدُہٗ وَشَاوِرْ فِیْ اَمْرِکَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اللہَ.''

(کنز العمال ج:۱۶ حدیث:۴۴۱۹۶)

ترجمہ:...... ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپؓ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: تجھ کو

لوگ تیری ذات سے غافل نہ کردیں، اس لئے کہ معاملہ تیری طرف لوٹے گا ان کی طرف نہیں اور دن کو چل پھر کر نہ گزار، اس لئے کہ جو تو نے عمل کیا وہ تجھ پر محفوظ کرلیا گیا اور جب تو برائی کرے تو اس کے پیچھے بھلائی کر اس لئے کہ میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جو تیزی سے تلاش کرتی ہو اور سختی سے طلب کرتی ہو، اس نئی بھلائی سے جو پرانے گناہ کو تلاش کرتی ہے۔''

ترجمہ:...... ''امام بیہقیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپؓ نے ارشاد فرمایا: جو چیزیں تمہیں ایذا پہنچاتی ہیں ان سے الگ رہو اور نیک دوست کو لازم پکڑو اور تم اس کو کم پاؤ گے اور اپنے معاملہ میں ان لوگوں سے مشورہ کرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔''

یہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھ نصیحتیں ہیں، تین پہلی روایت میں اور تین دوسری روایت میں۔

حضرت عمرؓ کی عظمت:

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''وَلَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنَّ يَّكُ فِيْ اُمَّتِيْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ.'' (مشکوٰۃ ص:۵۵۶)

ترجمہ:...... ''پہلی امتوں میں محدث ہوتے تھے، یعنی جن کی زبان پر فرشتے باتیں کرتے تھے، میری امت میں اگر کوئی ہے تو وہ عمر ہے۔''

حضرت عمرؓ کی زبان پر سکینہ:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسا لگا کرتا تھا کہ: ''اِنَّ السَّکِیْنَةَ تَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ.'' (مشکوٰۃ ص:۵۵۷) یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی بات ارشاد فرماتے ہیں کہ جس سے دلوں کو سکون اور اطمینان آجاتا ہے۔ زبان پر سکینہ بولتی ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ:

''اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ.'' (مشکوٰۃ ص:۵۵۷)

ترجمہ:...... ''اللہ تعالیٰ نے حق کو عمرؓ کی زبان اور دل پر رکھ دیا ہے۔''

حضرت عمرؓ کی راست گوئی:

ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:

''رَحِمَ اللّٰہُ عُمَرَ، یَقُوْلُ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا، تَرَکَہُ الْحَقُّ وَمَا لَہٗ مِنْ صَدِیْقٍ.''

(البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۳۶۰)

ترجمہ:...... ''اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو عمرؓ پر وہ حق بات کہتے ہیں اگرچہ حق کڑوا ہوتا ہے، ان کے حق کہنے نے ان کا کوئی دوست نہیں چھوڑا۔''

کیونکہ نصیحت کی بات کڑوی لگا کرتی ہے اور جس کی بات کڑوی لگے آدمی پھر اس سے دوستی نہیں کرتا، تو ان ارشادات نقل کرنے سے میرا مدعا یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب مبارک کو نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے علوم کا خزانہ بنادیا تھا اور جو بات دل میں ہوتی ہے زبان سے وہی نکلتی ہے، دل کی بات کسی نہ کسی طریقہ سے زبان پر آہی جاتی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ!

حضرت ؓ لوگوں کے مرشد:

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیا کے اعتبار سے لوگوں کے سربراہ مملکت اور حاکم اعلیٰ ہی نہیں تھے بلکہ ان کے مرشد بھی تھے اور یہ حضراتِ خلفائے راشدین کی جامعیت تھی، بعد کے خلفاء میں یہ بات نہیں رہی، وہ حضرات بیک وقت منتظم اعلیٰ بھی تھے، ان کے معلّم اور مدرس بھی تھے، ان کے قائد اور سپہ سالار بھی تھے، ان کے منصف اور قاضی بھی تھے، ان کے مرشد اور پیر بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جہتوں کے جامع ہوتے تھے۔

تو پہلی روایت میں ہے کہ حضرت امیر المؤمنین ؓ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے تین باتیں ارشاد فرمائیں:

اپنی ذات سے غافل نہ ہو:

ا:......ایک یہ ہے کہ لوگ تجھے اپنی ذات سے غافل نہ کردیں۔ یعنی لوگوں کے دھندوں میں مشغول ہوکر اپنے آپ کو نہ بھول جاؤ، لوگوں کی فکر پڑی ہوئی ہے اور یہ فکر اس قدر غالب آگئی کہ اپنے ضروری مشاغل یا اپنے ذاتی معمولات کا وقت ہی نہیں ملتا، اس لئے کہ تیرا معاملہ تیری طرف پہنچے گا، ان کی طرف نہیں، یعنی تیرے اعمال کی باز پرس اور تیرے اعمال کے مطابق برتاؤ تیرے ساتھ ہوگا، لوگوں کے ساتھ نہیں، جو اعمال کہ ہم کرتے ہیں خواہ کسی کی خیرخواہی کے لئے کریں، یا کسی کی بدخواہی کے لئے کریں، اچھا کریں، یا برا کریں، اس کا بھگتان ہمیں خود کرنا ہوگا، لوگوں کی جائز فرمائشیں پوری کرتے ہو تو ٹھیک اور اگر ناجائز فرمائشیں پوری کرتے ہو تو حساب تمہیں دینا ہوگا، ان کو نہیں، ان کو اپنے عمل کا حساب دینا ہوگا، اس لئے کہ قیامت کے

دن تم یہ کہہ کر نہیں چھوٹ سکتے کہ جی کیا کریں؟ بچے تنگ کرتے تھے، دوستوں نے مجبور کردیا تھا۔

نفس کی تاویلات کا علاج:

عام طور پر ہمارا نفس تاویلیں کیا کرتا ہے اور جتنے گمراہ لوگ ہیں، وہ اپنے غلط مطلب کے لئے تاویلیں کیا کرتے ہیں، ہمارا نفس ہمارے غلط کاموں کے لئے تاویل کرتا ہے، قادیانی اپنے غلط عقائد کی تاویلیں کیا کرتے ہیں، یعنی یہ مطلب ہے، یہ مطلب ہے، ان کی ساری عمر ''یعنی یہ مطلب ہے'' سے ختم نہیں ہوتی اور اسی طرح دوسرے گمراہ فرقے بھی ہیں جو اپنی بدعات اور اپنی گمراہیوں کے لئے قرآن کریم اور سنت نبویؐ میں تحریف کرتے ہیں، ادل بدل کرتے ہیں، ان کے مطالب بگاڑتے ہیں، تاویلات کرتے ہیں، اور ہمارا نفس ہماری غلط روی کے لئے تاویل کیا کرتا ہے کہ جی کیا کریں، یہ عذر ہے، وہ عذر ہے، میں جو باتیں کہہ رہا ہوں یہ بہت بڑا علم ہے، یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے کئی دفعہ قادیانیوں کو لکھا کہ یہ سوچ کر قرآن کریم اور احادیث میں تاویل کرو کہ قیامت کے دن تم اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر یہ تاویل بیان کرسکو، بس ایک ہی فقرہ ہے، اس پر غور کرلو کہ تمہارا نفس اگر تمہاری غلطیوں کی تاویل کرتا ہے اور تمہیں دھوکہ دیتا ہے تو اس سے پوچھ لو کہ جب تم اللہ کے سامنے کھڑے ہوگے، تو یہ تاویل کرسکو گے؟ اور یہ تمہاری تاویل چل جائے گی؟ اگر نہیں تو مجھے کیوں دھوکہ دیتے ہو؟ مجھے کیوں فریب دیتے ہو؟ یہ جتنے غلط رو فرقے ہیں، یہ سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے کلام میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں غلط تاویلات کرتے ہیں، کاش کہ یہ اپنے نفس کی طرف رجوع کرتے اور اس سے پوچھ لیتے کہ کل قیامت میں ہم اللہ کے سامنے یہ تاویل کرسکیں گے؟ اور کاش کہ ہم اپنی غلطی پر تاویل کا پردہ ڈالنے سے پہلے اپنے نفس سے رجوع کرکے پوچھ لیتے کہ

کل قیامت کے دن یا قبر میں تمہاری یہ تاویل سنی جائے گی؟

اس کو میں نے بہت بڑا علم اس لئے کہا کہ ہر قدم پر اگر اس بات کو پیش نظر رکھا جائے تو انشاءاللہ! ہماری بہت سی غلطیوں کی اصلاح ہوسکتی ہے، تو حضرت امیرالمؤمنین فرماتے ہیں: ''لَا تُلْهِكَ النَّاسَ عَنْ نَفْسِكَ.'' لوگ تجھے تیرے معاملہ سے غافل نہ کردیں، ''فَإِنَّ الْاَمْرَ يَصِيْرُ اِلَيْكَ دُوْنَهُمْ.'' اس لئے کہ معاملہ تجھ تک پہنچے گا ان تک نہیں۔

اوقات کی حفاظت:

۲:......اور دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ سارا دن مٹرگشت کرتے ہوئے نہ گزارو کہ:

''صبح ہوئی، شام ہوئی، عمر یونہی تمام ہوئی''

اس لئے کہ تمہارے اعمال محفوظ کرکے بند کردیئے گئے ہیں، قرآن کریم میں ہے: ''اَحْصَاهُ اللهُ وَنَسُوْهُ.'' اللہ تعالیٰ نے ان کو تو گن کر اور شمار کرکے رکھا تھا لیکن ان لوگوں نے ان کو بھلادیا تھا۔ ہمارا حافظہ کمزور ہے، ہم تو عمل کرتے ہیں بھول جاتے ہیں اور جب غلطیاں ہماری پرانی ہوجاتی ہیں تو ان پر نسیان کا پردہ آجاتا ہے، بھول کا پردہ آجاتا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا سب معاملہ ٹھیک ٹھاک ہے، ''يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ.'' (جس دن یہ پردے ہٹادیئے جائیں گے، بھیدوں کے) اور اندر جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ نکال کر دکھادیا جائے گا، اس دن معاملہ ذرا مشکل ہوگا، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین!

پہلا نقصان تو یہ تھا کہ ہم عمل کرتے وقت تاویلیں کرکے اپنے نفس کو مطمئن کرلیتے ہیں اور دوسرا یہ ہے کہ غلطیاں کرکے پھر ان کو بھول جاتے ہیں، یہاں ہم سے کسی نے انتقام نہیں لیا، ہمارے جرم کا کسی کو پتہ نہیں چلا اور ہم بلی کی طرح سو

چوہے کھا کر حاجی کے حاجی رہ گئے، تو ہم سمجھتے ہیں کہ واقعتاً ہم حاجی ہیں، کسی کو ہماری غلطیوں کا پتہ نہیں چلا اور یوں چلتے چلتے وقت گزر گیا تو پرانی غلطیاں ویسے ہی بھول گئیں۔ بچپن کیسے گزارا تھا؟ جوانی کی دہلیز پر کیسے قدم رکھا تھا؟ اور عنفوان شباب میں، چڑھتی جوانی میں کیا کیا خرمستیاں کی تھیں؟ اور بڈھے ہونے کے بعد بھی تبلیغ والوں کے بقول: بچپن کی عادتیں پچپن تک نہیں جاتیں گویا بچپن کی عادتیں پچپن تک نہیں چھوڑیں، کیونکہ پردہ پڑا ہوا ہے، کچھ تو اللہ تعالیٰ کی ستاری کا پردہ ہے اور کچھ ہمارے حافظہ کی کمزوری کا پردہ ہے کہ ہم ان کو بھول گئے، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ: "مَحْفُوْظًا اِلَیْکَ." وہ تجھ پر محفوظ ہیں، تو نے جو عمل کیا وہ ضائع نہیں ہوا، اچھا عمل کیا تو بھی، اور برا عمل کیا تو بھی۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کا مسئلہ ارشاد فرما رہے تھے، کسی نے مجلس میں سے پوچھا کہ حضور! اگر کسی کے پاس گدھے ہوں ان پر بھی زکوٰۃ ہوتی ہے؟ ارشاد فرمایا:

"مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیَّ فِیْهَا اِلَّا الْاٰیَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ: مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ. وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ." (مسند احمد ج:۲ ص:۲۶۲)

ترجمہ:...... "ان کے بارے میں مجھ پر کوئی چیز نازل نہیں کی گئی سوائے ایک تنہا آیت کے جو کہ پوری کی پوری جامع ہے کہ جو شخص عمل کرے گا ایک ذرہ برابر خیر کا، اس کو بھی دیکھ لے گا اور جو شخص عمل کرے گا ایک ذرہ برابر برائی کا، اس کو بھی دیکھ لے گا۔"

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ایک ذرہ نیکی کا ضائع نہیں ہوگا، اس کی قدر کریں گے، اور ایک

ذرہ برائی کا غائب نہیں ہوگا، یعنی لا کے حاضر کردیں گے، سزا دینا ضروری نہیں، ہوسکتا ہے کہ معاف کردیں لیکن ایک دفعہ دکھا ضرور دیں گے کہ تو نے یہ کیا تھا، اس لئے غفلت میں اور سوتے ہوئے وقت نہ گزارو، اس لئے کہ تمہارے اعمال کا ریکارڈ جمع کیا جارہا ہے، اور وہ محفوظ ہے۔

بدی کے بعد نیکی:

۳:......اور تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ جب تجھ سے کوئی غلطی ہوجائے، کوئی گناہ ہوجائے، کوئی برائی ہوجائے تو فوراً نیکی کا کام کرو، یہ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاحب کو نصیحتیں فرما رہے تھے، آپؐ نے ارشاد فرمایا: "وَاتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا." (مسند احمد ج:۵ ص:۱۵۳)(اور برائی کے پیچھے بھلائی کرلو، فوراً وہ بھلائی اس برائی کو مٹادے گی) دونوں کی کشتی ہوجائے گی، تم سے کوئی غلطی ہوگئی، کوئی برا کام ہوگیا فوراً نیک کام کرو، اب ان میں سے جو طاقت ور ہوگا وہ اس کو گرادے گا انشاء اللہ! نیکی برائی کو گرادے گی، اس لئے کہ نیکی میں دس گنا طاقت ہوتی ہے، دس گنا ثواب ملتا ہے، ایک نیکی پر دس نیکیاں ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ نو گنا اس میں مزید طاقت پیدا فرمادیتے ہیں، اب یہ دس آدمی ہیں، وہ بے چارہ اکیلا ہے، اکیلا دس آدمیوں کا مقابلہ کیسے کرے گا؟

اکابرؒ تو یوں فرماتے ہیں کہ اگر غلطی ہوجائے، گناہ ہوجائے، کوئی برائی ہوجائے تو نیکی کرتے ہی رہو، کرتے ہی رہو، کرتے ہی رہو، یہاں تک کہ تمہیں یقین ہوجائے کہ انشاء اللہ! وہ برائی مٹ گئی ہوگی، تمہاری یہ نیکیاں ان برائیوں کو مٹادیں گی، یعنی چھپادیں گی، اس پر غالب آجائیں گی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اور بعد کے اولیاء اللہ کا یہی معمول تھا۔

حضرت عائشہؓ کی ندامت:

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگ جمل میں گئی تھیں، بس وہ اللہ کی حکمت تھی، چلی گئیں، لیکن بعد میں جب یہ بات کبھی یاد آتی تو اتنا روتیں کہ دوپٹہ تر ہوجاتا اور پچاس کے قریب غلام آزاد فرمائے، اور فرماتی تھیں: یا اللہ! میری غلطی تھی، مجھے نہیں جانا چاہئے تھا۔

لوگوں کو طعن کرنا تو آتا ہے لیکن ان اکابر کا حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ جو تعلق تھا، وہ ان کو معلوم نہیں ہے، یہ دور سے بیٹھے ہوئے بزرگوں پر، اکابر پر تنقیدیں کرتے ہیں۔

تو امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تو برائی کرلے تو اس کے پیچھے بھلائی کرلیا کر، اس لئے کہ ایک چیز دوسری چیز کا تیزی کے ساتھ تعاقب کررہی ہے۔ پھر اس کو ایک مثال سے سمجھایا کہ جیسے ایک آدمی دوڑا جارہا ہے، اس کے پیچھے دوسرا آدمی اس کو پکڑنے کے لئے دوڑا جارہا ہے، اسی طرح برائی کے پیچھے نیکی دوڑ رہی ہے، اسی لئے فرمایا میں نے نیکی سے زیادہ کسی کو تعاقب کرنے والا نہیں دیکھا، جتنا نیکی برائی کا تعاقب کرتی ہے اور اس کو جاکے پکڑ لیتی ہے، میں نے کسی تعاقب کرنے والے کو اتنا تیز رو نہیں دیکھا، جتنا کہ نیکی برائی کا تعاقب کرتے ہوئے تیز دوڑتی ہے اور فوراً جاکر اس کو پکڑتی ہے، یہ بھی بہت بڑا علم ہے، جب بھی کوئی کوتاہی ہوجائے، جب بھی کوئی لغزش ہوجائے، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم میں یہ حس پیدا کردے کہ ہمیں پتہ چل جائے کہ مجھ سے غلط کام ہوا ہے، دل سیاہ ہوجاتا ہے تو آدمی تمیز ہی نہیں کرسکتا کہ میں اچھا کررہا ہوں کہ برا کررہا ہوں؟ دل اندھا ہوجاتا ہے۔

تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ کرے ہم میں تمیز پیدا ہوجائے کہ یہ نیکی ہے یا بدی ہے؟ میں اچھا کررہا ہوں یا برا کررہا ہوں؟

نیکی اور برائی کی پہچان:

ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، کہنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں نے اچھا کام کیا ہے یا برا کام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

''اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِیْ صَدْرِکَ وَکَرِھْتَ اَنْ یَّطَّلِعَ عَلَیْہِ النَّاسُ۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۳۱)

ترجمہ:...... ''نیکی تو اچھے اخلاق کا نام ہے، (اگر تم نے کسی کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے تو سمجھ لو کہ تم نیکی کے راستے پر ہو) اور برائی وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے اور تجھے یہ اچھا نہ لگے کہ لوگوں کو پتہ چلے۔''

جس چیز کو ہم لوگوں سے چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں یا کہتے ہیں کہ لوگوں کو پتہ نہیں چلنا چاہئے، معلوم ہوا کہ برائی ہے، انسانی بدن کے جو اعضا ستر کہلاتے ہیں، آدمی نہیں چاہتا کہ اس پر کوئی مطلع ہو، ڈھانپ کر رکھتا ہے، پردہ کرکے رکھتا ہے، اسی طرح انسانی اخلاق و اعمال میں جو چیزیں عیب کی ہیں، آدمی نہیں چاہتا کہ کوئی ان پر مطلع ہو اور اگر علی الاعلان گناہ کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اللہ کے پردہ کو خود چاک کردیا، اللہ تو لوگوں کا پردہ رکھتا ہے اور اس نے ''ستر اللہ'' کو، اللہ کے تانے ہوئے پردے کو پھاڑ کے پھینک دیا ہے، علی الاعلان گناہ کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ نہ اس کو خالق سے شرم، نہ مخلوق سے شرم، تو پہلی بات تو یہ کہ ہم میں بدی اور نیکی کی حس پیدا ہوجائے، جب بھی ہم سے کوئی غلطی اور کوتاہی ہو، ہم جان لیں کہ میں نے اچھا نہیں کیا، برا کیا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ جب یہ پتہ چل جائے تو فوراً اپنی غلطی کا اقرار

کرکے اس کا تدارک کرے، سب سے آسان، سہل تدارک یہ ہے کہ اللہ سے معافی مانگے، توبہ کرے۔

موذیوں سے احتراز:

۴:......اور چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ:"اِعْتَزِلْ مَا یُؤْذِیْکَ." جو چیزیں تجھے ایذا پہنچانے والی ہیں ان سے الگ تھلگ رہو، جو کام ایذا پہنچانے والا ہو اس کے قریب نہ جاؤ، کوئی آدمی موذی ہے، تو کوشش کرو کہ اس کے قریب نہ جاؤ، ایذا پہنچانے والا جسم کے اعتبار سے ہو یا ذہنی طور پر ایذا پہنچانے والا ہو، دنیا کے اعتبار سے ہو یا آخرت اور قبر کے اعتبار سے ہو، جو چیز کہ ایذا پہنچانے والی ہے، اس سے الگ رہو، موذی کے قریب نہ جاؤ، موذی انسان ہوں، موذی چیزیں ہوں، یا موذی تمہارے اعمال ہوں، موذیوں سے بچو، ہم دوسروں کو تو موذی سمجھتے ہیں، لیکن اپنے آپ کو نہیں سمجھتے، تمہارا نفس تو موذی نہیں ہے؟ اس سے پوچھ لو، کیوں میاں کسی کو ایذا تو نہیں پہنچائی تم نے؟ تنہائی میں بٹھاکے اس سے پوچھو، اگر تم نے ایذا پہنچائی یا پہنچانے کی عادت ہے تو قیامت کے دن تمہارا شمار موذیوں میں ہوگا، تم اللہ کی مخلوق کو ایذا پہنچانے والے ہو۔

حدیثِ مسلسل:

یہ حدیث حدیثِ مسلسل ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر جب بھی مشائخ اس کی سند کی اجازت دیتے ہیں تو وہ خاص کیفیت جو ملحوظ تھی، اس کو محفوظ رکھتے ہیں، مثلاً حدیث بیان کرتے ہوئے چھوہارہ کھلایا، کھجور کھلائی اور پانی پلایا پھر حدیث سنائی، چنانچہ جو صحابیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تھے، وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کھلائی، پانی پلایا اور یہ حدیث ارشاد فرمائی، اس وقت سے ہمارے شیخ تک یہ حدیث مسلسل چلی آرہی ہے، اسی لئے جب

ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے ہمیں اس حدیث کی اجازت دی تھی، تو اسی طرح اجازت دی تھی، پہلے کھجور کھلائی، پانی پلایا اور پھر ارشاد فرمایا:

''اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ. اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ.'' (ترمذی ج:۲ ص:۱۴)

ترجمہ:...... ''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''

یہ راحمین ہیں جن پر رحمٰن رحم کرتا ہے، جو اللہ کی مخلوق کو ایذا نہیں پہنچاتے ان کے مقابلے میں وہ لوگ موذی اور ایذا پہنچانے والے ہیں، قرآن کریم میں ہے:

''اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا.'' (احزاب:۵۷)

ترجمہ:...... ''جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ان کے لئے تیار کر رکھا ہے اہانت آمیز یعنی ذلیل کرنے والا عذاب۔''

بعض لوگ ایسے موذی ہیں جو اللہ اور رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، وہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں جو لمبی حدیث مشہور ہے کہ: ''اَللہَ! اَللہَ! فِیْ اَصْحَابِیْ!'' میرے صحابہؓ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو! آگے چل کر اس کا ایک فقرہ یہ ہے:

''وَمَنْ آذَاھُمْ فَقَدْ آذَانِیْ، وَمَنْ آذَانِیْ فَقَدْ آذَی اللہَ، وَمَنْ اٰذَی اللہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّأْخُذَہٗ.'' (مشکوٰۃ ص:۵۵۴)

ترجمہ:...... ''جس نے ان کو ایذا پہنچائی، اس نے مجھ کو ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور جو شخص اللہ کو ایذا پہنچائے تو قریب ہے کہ اس کو پکڑ لیا

جائے۔“

بعض لوگ اللہ کو ایذا پہنچاتے ہیں، تو بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایذا پہنچاتے ہیں، اور صحیح بخاری کی حدیث ہے:

”مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ.“

(بخاری ج:۲ ص:۹۶۳)

ترجمہ:......”جو میرے کسی ولی کو ستاتا ہے اور اس سے عداوت رکھتا ہے، تو میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔“

بعض لوگ اللہ کے مقبول بندوں کو ایذا پہنچاتے ہیں اور بعض لوگ عام مسلمانوں کو ایذا پہنچاتے ہیں، اور ان کو ایذا پہنچانے میں مزہ آتا ہے، یہ سب موذی ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے موذیوں سے محفوظ رکھے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمارا شمار ان موذیوں میں نہ کرے جو اللہ کی مخلوق کو ایذا پہنچاتے ہیں، بہرحال فرمایا: ”اِعْتَزِلْ مَا یُؤْذِیْکَ.“ جو چیز تمہیں ایذا پہنچائے اس سے الگ تھلگ رہو۔

اچھا دوست بناؤ:

۵:......اور پانچویں نصیحت یہ ہے کہ: ”وَعَلَیْکَ بِالْخَلِیْلِ الصَّالِحِ.“ اور لازم پکڑو نیک خلیل کو، نیک دوست کو، ”وَقَلَّ مَا تَجِدُہٗ.“ بہت کم ملے گا، آسانی سے نہیں ملتا۔

مولانا رومیؒ کا ایک قصیدہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کل رات شیخ ہاتھ میں چراغ لئے سڑک پر کوئی چیز ڈھونڈ رہے تھے، میں نے پوچھا کہ حضرت! کیا تلاش کر رہے ہیں؟ فرمایا: ان بھیڑیوں اور درندوں سے تنگ آگیا ہوں، کسی انسان کو ڈھونڈ رہا ہوں! یہ شکار کرنے والے جانور ہیں، انسان نہیں مل رہے۔ میں نے بہت نیازمندی سے عرض کیا کہ حضور! ”یافتہ نمی شود۔“ وہ تو ملتا نہیں، میں نے بھی تلاش کیا تھا، انسان

نہیں ملتا، فرمایا جو ملتا نہیں ہے نا اسی کو ڈھونڈ رہا ہوں، اگر مل جاتا تو ڈھونڈنے کی ضرورت کیا تھی؟ تو فرمایا خلیل صالح کو لازم پکڑو، جو دل سے دوستی کرنے والا ہو اور نیک بھی ہو۔ "وَقَلَّ مَا تَجِدُهٗ." بہت کم ملے گا، بہت کم پاؤ گے۔

کس سے مشورہ کیا جائے؟

۶:......چھٹی نصیحت یہ فرمائی کہ: "وَشَاوِرْ فِیْ اَمْرِکَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اللّٰہَ." اور اپنے معاملہ میں مشورہ ان لوگوں سے کرو جو اللہ سے ڈرتے ہیں، کسی معاملے میں مشورہ کرنا ہو تو ایسے لوگوں سے مشورہ کرو جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ: "وَلَا تُحَدِّثْ بِهَا اِلَّا لَبِیْبًا اَوْ حَبِیْبًا." (ترمذی ج:۲ ص:۵۲) یعنی اگر کسی کو خواب آوے تو ہر ایک سے بیان نہ کرے، اپنا خواب یا تو کسی حبیب سے بیان کرو، جو تم سے محبت کرتا ہے، تمہارا محبوب ہو یا لبیب ہو، یعنی عقل مند ہو، کیونکہ جو ان دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف نہیں، وہ تو الٹی سیدھی ہانک دے گا۔ لوگ تعبیر پوچھتے ہیں، میں کہتا ہوں میں تو تعبیر نہیں جانتا، تکلف کرنے کا کیا فائدہ؟

یہ ہمارے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا مذاق تھا جب بھی کوئی خواب لکھتا تو حضرتؒ فرماتے کہ:

شب ام نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ہمہ از او گویم

ترجمہ:......"میں نہ شب ہوں، نہ شب پرست ہوں کہ خواب کی باتیں کروں، میں تو آفتاب کا غلام ہوں، جو کچھ کہتا ہوں دن کی روشنی میں کہتا ہوں۔"

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ خواب کا اچھے اور برے پر مدار نہیں ہے، تمہاری

بیداری کی زندگی کا اچھے اور برے ہونے پر مدار ہے، مجھ سے تو تعبیریں پوچھو زندگی کی، زندگی کے اعمال کے بارے میں پوچھو، خواب کی تعبیر کیا پوچھتے ہو؟ لیکن میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ بعض خواب اچھے بھی ہوتے ہیں، سچے بھی ہوتے ہیں۔

خواب کی تین قسمیں:

یوں کہا گیا ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں، کچھ خواب نفسانی ہوتے ہیں، رات کو سوچتے سوچتے سو گئے یا آگے پیچھے کبھی سوچتے تھے، رات کو وہی خیالات متمثل ہو کر فلموں کی شکل میں آگئے، ان خوابوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور کچھ خواب شیطانی ہوتے ہیں، شیطان القا کرتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ شیطان گدی پر آ کے بیٹھ جاتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال دے کر سمجھایا جیسے انجکشن لگاتے ہیں نا، ایسے انجکشن کی طرح سوئی ڈال دیتا ہے دماغ کے اندر اور القا کرتا رہتا ہے، گندے گندے خیالات لاتا رہتا ہے، یہ شیطانی خواب ہیں، کیونکہ شیطان بڑا استاد ہے، لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس کے پاس ہزاروں طریقے ہیں۔ یعنی اس دوسری قسم کے خواب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ''تَخْوِيْفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ.'' فرمایا ہے کہ شیطان کی طرف سے ڈرانا ہوتا ہے، پریشان کرنا ہوتا ہے، اور یوں فرمایا: ایسا کوئی ڈراؤنا خواب کوئی دیکھے تو بائیں طرف کو تین بار تھوک دے، اور ''لا حول'' پڑھ کے کروٹ بدل دے، انشاء اللہ! شیطان نقصان نہیں دے گا، اور تیسرا خواب ہوتا ہے رحمانی جو من جانب اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے القا کیا جاتا ہے، اس کی البتہ تعبیر ہوتی ہے، بعض اوقات بظاہر خواب بہت گندہ ہوتا ہے لیکن اس کی تعبیر بہت اچھی ہوتی ہے، اور نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! کبھی اس کا الٹ ہوتا ہے۔

علامہ ابن سیرینؒ سے کسی نے آ کر کہا کہ نعوذ باللہ! استغفر اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں قرآن کریم پر پیشاب کر رہا ہوں، لا حول ولا قوۃ الا باللہ! وہ

بے چارہ ڈرتا ہوا آیا اور کہنے لگا: میں کافر تو نہیں ہوگیا؟ بے شک خواب دیکھنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، کیونکہ خواب آدمی کے اختیار میں نہیں ہوتا ہے، فرمایا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، تیرے ہاں بیٹا ہوگا جو قرآن کریم کا حافظ ہوگا، کیونکہ یہ حافظ صاحب پیشاب ہی سے تو پیدا ہوا ہے ناں!

زبیدہ کا خواب:

ایک بار خلیفہ ہارون رشید کی بی بی زبیدہ نے قاضی ابو یوسفؒ کے پاس اپنی لونڈی کو بھیجا کہ جا کے کہو کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ لوگ آ کے مجھ سے بدکاری کر کے جاتے ہیں، زنا کر کے جاتے ہیں، وہ آئی تو حضرت امام ابو یوسفؒ کہنے لگے: بی بی تیرا تو خواب نہیں ہے، یہ تو کسی بڑی اونچی خاتون کا خواب ہوسکتا ہے، جب تک بتاؤ گی نہیں کہ کس کا خواب ہے، اس وقت تک تعبیر نہیں دوں گا، وہ چلی گئی، زبیدہ نے خود بلوایا قاضی ابو یوسفؒ کو، اور کہنے لگی کہ خواب تو میرا تھا، مگر مجھے شرم آتی تھی اتنا گندہ خواب ذکر کرتے ہوئے، فرمایا: اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ سے کوئی کام لے گا جس سے ساری مخلوق منتفع ہوگی۔ جس کی تعبیر یہ ہوئی کہ زبیدہ نے نہر کھدوائی تھی اور پتہ نہیں صدیوں تک اللہ تعالیٰ نے اس کا فیض جاری رکھا، تو جس طرح خواب کی تعبیر ایک مشکل کام ہے، اسی طرح جب تم اپنا معاملہ کسی کے سامنے رکھو، اس کی تہہ کو پہنچنا اور اس کے مطابق مشورہ دینا یہ بھی ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ہے، اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مشورہ کرو تو نیک آدمی سے مشورہ کرو، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو، ایک تو وہ اپنی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے بات کی حقیقت کو پہنچ سکے گا اور دوسرے تمہیں غلط مشورے نہیں دے گا، کیونکہ اس کو یہ فکر ہوگی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ باز پرس کریں گے کہ تو نے میرے بندے کو غلط مشورہ دے کر گمراہ کیا تھا! اس لئے مشورہ کرنا چاہئے، اور اپنے ہر معاملہ میں مشورہ کرو، خود رائی سے کام نہ لو اور دوسرے استخارہ کرو،

استخارہ کا مطلب اللہ تعالیٰ سے مشورہ کرنا ہے، بہت سے لوگ بیعت کے لئے کہتے ہیں، میں نے کہا: استخارہ کیا؟ کہتے ہیں: استخارہ تو نہیں کیا! میں نے کہا: اللہ کے بندے! بغیر استخارے کے بھی کوئی کام کیا کرتے ہیں! بیٹے، بیٹی کا نکاح کرنا ہو، رشتہ کرنا ہو، اس کے لئے استخارہ کرو، سفر پر جانا ہو، اس کے لئے استخارہ کرو، ہر اہم کام جو کرنا ہو، اس کے لئے استخارہ کرو اور کسی ایسے آدمی سے مشورہ کرو جو معاملہ فہم ہو، اس معاملہ کو جانتا ہو، بعض لوگ کاروبار کے بارے میں آکر مجھ سے مشورہ کرتے ہیں، میں کہتا ہوں: بھائی! میں کام جانتا نہیں ہوں، میں اس لائن کا نہیں تو تمہیں کیا مشورہ دوں گا؟ کوئی انجینئر آکر مجھ سے پوچھے کہ حضور! یہ نقشہ کیسے بنوائیں؟ اس کا مجھے کیا معلوم ہے! تم جانو یا اس فن کے کسی ماہر سے پوچھو، ہاں جائز، ناجائز مجھ سے پوچھو، اور جو چیزیں میرے دائرے میں آتی ہیں، میں ان کے بارے میں مشورہ دے سکتا ہوں، تو مشورہ کرو کسی عقل مند سے اور مشورہ کرو کسی ماہر سے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

شہادت، فضائل و مناقب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"اَخْرَجَ اِبْنُ سَعَدٍ عَنْ هُبَيْرَةَ قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَامَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ: اَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ قُبِضَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ لَمْ يَسْبَقْهُ الْاَوَّلُوْنَ وَلَا يُدْرِكُهُ الْآخَرُوْنَ، قَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعَثُهُ الْمَبْعَثَ فَيَكْتَنِفُهُ جِبْرَائِيْلُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَمِيْكَائِيْلُ عَنْ شِمَالِهٖ فَلَا يَنْثَنِيْ حَتّٰى يَفْتَحَ اللّٰهُ لَهٗ وَمَا تَرَكَ اِلَّا سَبْعَمِائَةِ دِرْهَمٍ اَرَادَ اَنْ يَّشْتَرِيَ بِهَا خَادِمًا وَلَقَدْ قُبِضَ فِي اللَّيْلَةِ الَّتِيْ عُرِجَ فِيْهَا بِرُوْحِ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ لَيْلَةَ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ. وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى: مَا تَرَكَ صَفْرَاءَ وَلَا بَيْضَاءَ اِلَّا سَبْعَمِائَةِ دِرْهَمٍ فَضَلَتْ مِنْ عَطَائِهٖ.

وَعِنْدَ اَبِيْ يَعْلٰى وَابْنُ جَرِيْرٍ وَابْنُ عَسَاكِرَ: عَنِ

الْحَسَنِ ..... اَنَّهُ لَمَّا قُتِلَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَامَ خَطِیْبًا فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ: اَمَّا بَعْدُ! قَالَ: وَاللّٰہِ لَقَدْ قَتَلْتُمُ اللَّیْلَةَ رَجُلًا فِیْ لَیْلَةٍ نَزَلَ فِیْهَا الْقُرْآنُ، وَفِیْهَا رُفِعَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ، وَفِیْهَا قُتِلَ یُوْشَعُ بْنُ نُوْنٍ فَتٰی مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ، وَفِیْهَا تِیْبَ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ .... وَزَادَ ثُمَّ قَالَ: مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَّمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآیَةَ قَوْلَ یُوْسُفَ: "وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ." ثُمَّ اَخَذَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ ثُمَّ قَالَ: اَنَا اِبْنُ الْبَشِیْرُ! اَنَا اِبْنُ النَّذِیْرُ! وَاَنَا اِبْنُ النَّبِیُّ! اَنَا اِبْنُ الدَاعِیْ اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِهِ، وَاَنَا اِبْنُ السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ! وَاَنَا اِبْنُ الَّذِیْ اُرْسِلَ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ، وَاَنَا مِنْ اَهْلِ الْبَیْتِ الَّذِیْنَ اَذْهَبَ اللّٰہُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِیْرًا، وَاَنَا مِنْ اَهْلِ الْبَیْتِ الَّذِیْنَ اِفْتَرَضَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ مَوَدَّتَهُمْ وَوِلَایَتَهُمْ وَقَالَ فِیْمَا اَنْزَلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی."

(حیاۃ الصحابۃ ج:۶ ص:۶۹۸، ۶۹۹ طبع دارالفکر)

ترجمہ:...... "ابن سعد نے ہبیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے، منبر پر تشریف لے گئے، پھر فرمایا: اے لوگو! تحقیق قبض کیا گیا ہے آج کی رات وہ شخص جس سے آگے نہیں نکلے پہلے لوگ، اور جس کو پائیں گے

نہیں پچھلے لوگ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو بھیجتے تھے کسی مہم کے لئے تو فرشتے ان کے ساتھ ہوتے تھے، جبرائیل دائیں جانب، میکائل بائیں جانب، وہ لوٹتے نہیں تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے فتح کردے اور انہوں نے نہیں چھوڑی کوئی چیز سوائے سات سو درہم کے کہ ان پیسوں سے خادم خریدنے کا ارادہ رکھتے تھے اور وہ قبض کئے گئے اس رات میں جس میں اوپر لے جایا گیا روح اللہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو، یعنی رمضان المبارک کی ۲۷/رات۔

اور ابن سعد کی دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کوئی سونا، چاندی نہیں چھوڑا، سوائے سات سو درہم کے، جو ان کے وظیفے سے بچ گئے تھے۔

ابویعلیٰ ابن جریر اور ابن عساکر نے حضرت حسنؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت حسنؓ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: اما بعد! اللہ کی قسم تم نے قتل کردیا آج کی رات اس آدمی کو، اس رات میں جس میں قرآن نازل ہوا تھا اور جس میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اٹھایا گیا اور جس میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو قتل کیا گیا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم تھے اور جس میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔

طبرانی نے ابوطفیل سے ایک اور روایت نقل کی ہے، اس میں یہی روایت ہے، آگے اتنا اضافہ ہے کہ: پھر آپؓ نے فرمایا: جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا میں

اسے بتانا چاہتا ہوں کہ میں حسن بن محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے: ''اور میں نے پیروی کی اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے مذہب کی۔'' پھر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے رہے، اس کے بعد فرمایا: میں بشیر کا بیٹا ہوں، میں نذیر کا بیٹا ہوں، میں نبی کا بیٹا ہوں، میں داعی الی اللہ کا بیٹا ہوں، میں سراجاً منیراً کا بیٹا ہوں، میں اس ذات کا بیٹا ہوں جن کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا تھا، میں ان اہل بیت میں سے ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے رجس اور گندگی کو دور کردیا اور ان کو خوب پاک کردیا اور میں اس اہل بیت کا فرد ہوں جن پر اللہ عزوجل نے ان کی دوستی اور ولایت کو تم پر فرض کردیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا مگر اتنا کہتا ہوں کہ قرابت کی دوستی کا لحاظ رکھو۔''

خلافتِ راشدہ کا تتمہ:

خلفائے راشدین چار ہیں، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہم اور پانچویں خلیفہ راشد حضرت حسن بن علیؓ ہیں، امام حسنؓ اور ان کی خلافت حقیقت میں تتمۂ خلافت راشدہ تھی، وہ چھ مہینے خلیفہ رہے، چالیس کا سن ہونے میں چھ مہینے باقی تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے آچکا ہے، لوگوں نے آخری وقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کے صاحبزادے کو آپؓ کا جانشین بنادیا جائے؟ یعنی حضرت حسنؓ کو۔ حضرت علی رضی اللہ

عنہ نے فرمایا: نہ میں اس کا تمہیں حکم کرتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ آپؓ سے کہا گیا کہ: آپؓ کسی کو اپنی جگہ نامزد کر جائیں، فرمایا: میں کسی کو نامزد نہیں کرتا، میں تمہیں اسی طرح چھوڑ کر جانا چاہتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ گئے تھے، بہرکیف حضرت علیؓ کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے نواسے ہیں، سبط اکبر ہیں، ان کو خلیفہ بنایا گیا، اور یہ خلیفہ تھے اس حصہ پر جس حصے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی اور اس وقت ملک کا بیشتر حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیرنگیں آچکا تھا، تھوڑا سا حصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہ گیا تھا، چھ مہینے کے بعد جبکہ چالیس کا سن پورا ہوا تو اکتالیسویں سال میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی اور حکومت ان کے سپرد کرکے خود دستبردار ہوگئے، اس لئے اکتالیسویں سن کو اسلامی تاریخ میں عام الجماع کہا جاتا ہے یعنی وہ سال جس میں سارے مسلمان متفق ہوگئے اور دو گروہ اور دو جماعتیں نہیں رہیں۔

حضرت حسنؓ کی حضرت معاویہؓ سے صلح:

صحیح بخاری کی حدیث ہے، اور یہ حدیث شیعہ کتابوں میں بھی موجود ہے، جس کو میں نے ''شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم'' میں نقل کردیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا تھا، جبکہ حضرت حسنؓ بچے تھے، فرمایا:

'' اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ، وَلَعَلَّ اللهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ.'' (صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۳۰)

ترجمہ:...... ''یہ میرا بیٹا سید ہے، مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان جوڑ پیدا کردیں گے، صلح کردیں گے۔''

میں نے شیعہ کی مستند کتابوں کے حوالے سے اس میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو ایک تحریر لکھ کر دی تھی:

"هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ سُفْيَانَ."

ترجمہ:...... "یہ وہ تحریر ہے جس پر کہ حسنؓ بن علیؓ اور معاویہؓ بن سفیانؓ نے صلح کی۔"

یعنی یہ وہ معاہدہ ہے کہ حضرت حسنؓ حکومت سے دستبردار ہوتے ہیں اور حکومت حضرت معاویہؓ کے سپرد کرتے ہیں اور یہ ہے کہ ان سے عہد لیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدینؓ کی سنت پر عمل کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی چھ ماہ خلافت یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تتمہ تھا، اس لئے خلفائے راشدین چار ہی کہلاتے ہیں، مشہور چار خلفائے راشدینؓ ہیں اور حضرت حسنؓ کو بھی خلفائے راشدین میں بایں معنی شامل کیا جاتا ہے کہ ان کی خلافت ان کے والد حضرت علیؓ کی خلافت کا تتمہ ہے۔

حضرت علیؓ کا مقام:

ہبیرہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کا انتقال ہوا جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ فجر کی نماز کے وقت عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علیؓ پر حملہ کیا تھا اور اس سے وہ زخمی ہوگئے تھے، رات میں جا کے انتقال ہوگیا، تو حضرت حسنؓ منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھا اور اس میں فرمایا:

"لوگو! آج رات ایک ایسے آدمی کا انتقال ہوگیا ہے کہ پہلے لوگ اس سے آگے نہیں نکل سکے اور پچھلے لوگ نہیں پا

سکیں گے۔"

بالکل صحیح فرمایا، یہ آخری خلفائے راشدین و خاتمۃ الخلفائے المھدیین تھے۔

خلفائے راشدینؓ کا درجہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اس صف کے آدمی تھے، جب ایک لائن میں امام کے پیچھے کھڑے ہوں، تو ایک آدمی بھی ان میں سے آگے نہیں ہیں اور نہ پیچھے، یہ حضرات اپنے اپنے درجے کے اعتبار سے الگ الگ ہیں لیکن صف ایک ہے، یہ چاروں خلفائے راشدینؓ اپنے اپنے مراتب اور اپنی اپنی افضلیت کے باوجود ایک لائن کے اور ایک صف کے آدمی ہیں اور وہ صف خلافتِ راشدہ کی صف ہے، اس لئے پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی بھی اس سے آگے نہیں نکل سکا کہ اس سے اگلی صف میں چلا جائے، آگے صف بھی نہیں ہے، آگے تو امام کا مصلیٰ ہے، اور امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپؐ کے پیچھے سب سے پہلی صف خلفائے راشدینؓ کی ہے۔

پوری امت کے اولیأ مل کر صحابی کی شان کا مقابلہ نہیں کر سکتے:

فرمایا کہ پچھلوں میں سے ان کو کوئی پا نہیں سکے گا، یہ بات بھی بالکل بجا ہے، ساری امت کے اولیأ اللہ، پیرانِ پیر، شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ، خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ، صرف اس سطح کے بزرگ نہیں بلکہ اس سے بھی اوپر کے امام حسن بصریؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور دوسرے اکابر تابعینؒ، یہ سارے کے سارے مل جائیں، کسی ایک صحابیؓ کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے۔

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے اور یہ صحیحین کے حوالے سے یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے ہے:

"قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيَقُوْلُوْنَ: هَلْ فِيْكُمْ مَنْ صَاحَبَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ! فَيُفْتَحُ لَهُمْ. ثُمَّ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيُقَالُ: هَلْ فِيْكُمْ مَنْ صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ! فَيُفْتَحُ لَهُمْ. ثُمَّ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيُقَالُ: هَلْ فِيْكُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ! فَيُفْتَحُ لَهُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ." (مشکوٰۃ ص:۵۵۳)

ترجمہ:...... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگوں پر ایک وقت آئے گا کہ ایک مجاہد فوج جہاد کے لئے جائے گی (کافروں سے مقابلہ ہو رہا ہے اور صورتحال پیچیدہ ہو رہی ہے) تو لوگ کہیں گے: (تلاش کرو) تم میں کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابیؓ ہے؟ (یعنی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، جس کی ظاہری نظریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر پڑی ہوں، کوئی ہے تم میں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تلاش کرنے پر ایک آدمی مل جائے گا، جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ انور کے جمال جہاں آرا کو دیکھا تھا) لوگ کہیں گے: جی ہاں! (لوگ اس کے طفیل سے دعا کریں گے کہ یا اللہ! یہ تیرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، ان کی برکت سے ہمیں فتح عطا فرمادے۔ ناقل) پس اللہ

تعالیٰ فتح عطا فرمادیں گے۔ اس کے بعد ایک اور فوج جائے گی کافروں کے مقابلہ میں (یہاں بھی یہی صورتحال پیچیدہ ہوگی) تو لوگ کہیں گے: کیا تم میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دیکھنے والے کو دیکھا ہو؟ (اس کو تابعی کہتے ہیں، کوئی ایسا خوش نصیب انسان جس نے صحابہ کرامؓ کی زیارت کی ہو، فرمایا: تلاش کرنے پر وہ مل جائے گا، اس کے طفیل سے لوگ دعا کریں گے۔ ناقل) اور اللہ اس کو فتح عطا فرمائیں گے۔ پھر ایک تیسرا لشکر جائے گا (کسی زمانے میں ان کافروں سے مقابلہ ہوگا) تو لوگ کہیں گے: تم میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے؟ (یعنی صحابہؓ کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہو، تابعین میں سے کسی کو دیکھا ہو، ان کو کہتے ہیں تبع تابعین، فرمایا: تلاش کرنے پر مل جائے گا، لوگ اس کی برکت سے دعا کریں گے فتح کی) اللہ تعالیٰ ان کو فتح عطا فرمادیں گے۔''

تو میں عرض کررہا تھا کہ ساری امت کے اولیاؒ اور اکابر مل کر، کسی صحابیؓ کے ساتھ قدم ملا کر نہیں چل سکتے، چل ہی نہیں سکتے، ممکن ہی نہیں اور سارے صحابہ کرامؓ مل جائیں تو خلفائے راشدین کو نہیں پہنچ سکتے، تو بعد والے حضرت علیؓ کو کیسے مل جائیں گے؟

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا موازنہ:

شیعوں کی کتاب ہے ''نہج البلاغۃ'' جس کو سید شریف رضی نے جمع کیا ہے، اس میں گڑبڑ تو بہت کی گئی ہے لیکن خیر اس میں امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا

ایک خط نقل کیا ہے (اور اس کو بھی میں نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے)، جس کا ترجمہ یہ ہے: ''زمانے کی بوالعجبی دیکھو کہ میرے مقابلہ میں معاویہؓ کو لایا جاتا ہے۔'' اور واقعی یہ بوالعجبی تھی زمانے کی، کوئی شک نہیں، کہاں حضرت علیؓ اور کہاں حضرت معاویہؓ، دونوں کا کوئی جوڑ نہیں ہے، صحابیؓ دونوں ہیں اس میں شک نہیں ہے لیکن امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ''السابقون الاولون'' میں سے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں سے ہیں، جن کو طلقاءُ کہا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقُ.'' (یعنی جاؤ تم سب آزاد ہو)، بالکل صحیح فرمایا، بالکل بجا ارشاد فرمایا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جوڑنا، ان کا ان کے ساتھ موازنہ کرنا، زمانے کی ستم ظریفی اور بوالعجبی ہے، بھائی! ان دو آدمیوں کو تولا جاتا ہے جن کے درمیان دو قدریں مشترک ہوں، دونوں کا باٹ تو ایک ہو۔

حضرت معاویہؓ اور بعد کے لوگوں کا موازنہ:

میں نے حضرت امیرالمؤمنینؓ کے اس قول کی شرح کرنے کے بعد لکھا کہ جس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں لانا اور ان سے موازنہ کرنا زمانے کی ستم ظریفی اور بوالعجبی ہے، اسی طرح بعد کے لوگوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے برابر لانا اور ان سے موازنہ کرنا یہ بھی ستم ظریفی اور بوالعجبی ہے، بعد کے لوگوں کا حضرت معاویہؓ سے کیا مقابلہ؟ تو حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ آج رات وہ آدمی اللہ کو پیارا ہوگیا کہ پہلے لوگ اس سے آگے نہیں نکل سکے، ایک ہی صف میں کھڑے ہیں، مرتبہ کے اعتبار سے عنداللہ آگے پیچھے ہوں گے، مگر ہم تو سب کو ایک لائن میں کھڑا دیکھتے ہیں، چاروں ایک لائن میں کھڑے ہیں اور پچھلے لوگ اس کو پا نہیں سکتے، پھر فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان کو بھیجتے تھے کسی مہم پر، یعنی جہاد کے لئے تو دائیں جانب جبرائیل ہوتے تھے اور بائیں جانب میکائیل ہوتے تھے اور وہ آتے تھے تو فتح کر کے آتے تھے۔

فتح خیبر کا قصہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ خیبر کی وجہ سے مشہور ہیں، خیبر کا دروازہ توڑنے والے تھے۔ لوگوں نے کچھ اس میں اپنی طرف سے بھی ملادیا ہے، ملا بھی دیتے ہیں زیب داستاں کے لئے، لیکن اتنی بات ہے کہ خیبر کا قلعہ فتح نہیں ہوا، پہلے دن حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا گیا مگر قلعہ فتح نہیں ہوا، دوسرے دن حضرت عمرؓ کو بھیجا گیا مگر قلعہ فتح نہیں ہوا، ایک دن میں فتح نہیں ہوا کرتا، بعض دفعہ کسی قلعے کو فتح کرنے میں مہینوں لگ جاتے ہیں، پہلے دن تو یوں کہو کہ تدبیروں میں گزر جاتے ہیں کہ کس طرح کیا جائے، تو شیخینؓ نے جو کچھ کیا تھا وہ امیرالمؤمنینؓ کے لئے کیا تھا، ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ رَجُلًا يَفْتَحِ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ .... قَالَ فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَرْجُوْ اَنْ يُّعْطَاهَا فَقَالَ اَيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ؟ فَقَالُوْا: هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَشْتَكِيْ عَيْنَيْهِ. قَالَ: فَاَرْسِلُوْا اِلَيْهِ، فَاُتِيَ بِهٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَيْنَيْهِ وَدَعَا لَهٗ فَبَرَءَ حَتّٰى كَاَنْ لَمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّايَةَ ....قَالَ: ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ .... فَوَاللّٰهِ لَاَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ." (صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۷۹)

"وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ اِمْشِ وَلَا تَلْتَفِتْ حَتّٰی یَفْتَحِ اللهُ عَلَیْکَ قَالَ فَسَارَ عَلِیٌّ شَیْئًا ثُمَّ وَقَفَ وَلَمْ یَلْتَفِتْ فَصَرَخَ یَا رَسُوْلَ اللهِ! عَلٰی مَاذَا اُقَاتِلُ النَّاسَ؟ قَالَ: قَاتِلْهُمْ حَتّٰی یَشْهَدُوْ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ.....الخ."

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۷۹)

ترجمہ:...... "آج میں جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں، جب صبح ہوئی صحابہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ہر ایک اس امید میں تھا کہ جھنڈا اس کو دیا جائے گا، لوگ سر اونچا کرکے دیکھنے لگے کہ کس کو دیا جاتا ہے، (اور امیرالموٴمنین عمرؓ فرماتے ہیں کہ: "وَاللهِ! مَا اَحْبَبْتُ الْاِمَارَۃَ اِلَّا یَوْمَئِذٍ." اللہ کی قسم! امیر بننے کی کبھی خواہش پیدا نہیں ہوئی تھی، سوائے اس دن کے، تو لوگ گردن اونچی کرکے دیکھنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ہم پر پڑے، آپؐ نے نظر دوڑائی) اور فرمایا: "اَیْنَ عَلِیٌّ؟" علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ان کی تو آنکھیں پھولی ہوئی ہیں، آشوبِ چشم ہے، آنکھیں دکھتی ہیں، فرمایا: ان کو لاوٴ، ان کے خیمے سے ایک آدمی ان کا بازو پکڑ کر لایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو فرمایا: قریب ہوجاوٴ! حضرت علی رضی اللہ عنہ قریب ہوگئے، لعاب مبارک لے کر دونوں آنکھوں پر لگایا، امیرالموٴمنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اسی لمحہ آنکھیں ٹھیک ہوگئیں اور

پھر ساری عمر کبھی مجھے آنکھوں کی شکایت نہیں ہوئی۔ جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا، اور فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تیرے ذریعہ سے ایک آدمی کو ہدایت عطا فرمادیں، تو یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا، حضرت علیؓ چل پڑے، ساتھ لشکر تھا، ابھی چند قدم چلے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بات پوچھنے کی ضرورت پیش آئی، منہ اسی طرف ہے پیچھے نہیں لوٹے، کہنے لگے: یا رسول اللہ! کس بات پر لوگوں سے قتال کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں .....الخ۔"

تو کوئی شک نہیں کہ اللہ کے فرشتے ان کے دائیں بائیں ہوتے ہوں، یہ جہاد کے لئے جاتے تھے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی مہم پر بھیجا ہو اور اللہ نے فتح نہ عطا فرمائی ہو۔

حضرت علیؓ کو شیخینؓ پر فضیلت:

یہاں کسی کو یہ وہم نہیں ہونا چاہئے کہ شیخینؓ پر افضلیت ثابت ہوگئی، اس پر اگر بحث کروں گا تو بات بہت لمبی ہوجائے گی اور میں یہاں سے دوسری طرف نکل جاؤں گا، بہرحال ایک خاص فضیلت جو اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمائی ہے، اس کا نہ دوسروں سے مقابلہ ہے اور نہ اس سے ان کا ان اکابر سے افضل ہونا لازم آتا ہے۔

فضیلتِ شیخینؓ اور حضرت علیؓ:

میں پہلے بتاچکا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کے منبر پر بیٹھ کر اپنے

امیرالمؤمنین ہونے کے زمانے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

"اِنَّ خَیْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِیِّهَا اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرَ."

(البدایہ والنہایہ ج:۸ ص:۱۳)

ترجمہ:......"اس امت میں سب سے افضل ترین انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں۔"

اور میں نے یہ بھی نقل کیا تھا کہ منبر سے اترتے ہوئے فرمایا: "لَوْ شِئْتُ اَقُوْلُ ثَالِثٌ." اگر میں چاہوں تو تیسرے کا نام بھی لے سکتا ہوں، کسی نے پوچھا ہوگا کہ وہ تیسرا کون ہے؟ فرمایا: "عثمانؓ۔"

محمد بن حنفیہ ان کے صاحبزادے ہیں، ان کا قول بھی نقل کر چکا ہوں کہ:

"قُلْتُ لِاَبِیْ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: اَبُوْبَكْرٍ! قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: عُمَرُ! وَخَشِیْتُ اَنْ یَّقُوْلَ عُثْمَانُ، قُلْتُ: ثُمَّ اَنْتَ! قَالَ: مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ."   (بخاری ج:۱ ص:۵۱۸)

ترجمہ:......"میں نے اباجان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل آدمی کون ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: (بیٹے تم جانتے نہیں؟ میں نے کہا: نہیں!) حضرت ابوبکرؓ! میں نے کہا پھر کون افضل ہیں؟ فرمایا: عمر! میں نے کہا اگر پھر میں نے "ثُمَّ مَنْ؟" کہہ دیا کہ اور کون؟ تو یہ حضرت عثمانؓ کا نام لیں گے، اس لئے میں نے سوال بدل دیا اور کہا: "ثُمَّ اَنْتَ؟" پھر آپ؟ فرمایا: میں تو مسلمانوں کی جماعت کا ایک آدمی ہوں۔"

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تواضع تھی (میں مسلمانوں کی جماعت کا ایک

آدمی ہوں، میری کیا بات)۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے افضلیت کا تاج تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر پر سجایا ہے، مگر ان کے افضل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے سے فضیلت کی نفی ہو رہی ہے۔

حضرت علیؓ کا زہد:

اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ دنیا سے اس شان سے گئے ہیں کہ صرف سات سو درہم باقی تھے اور یہ ان کے عطیے میں سے باقی تھے اور وہ بھی ایک خادم خریدنے کے لئے رکھے تھے، یہ حضرت امیرالمؤمنینؓ کا زہد تھا، کوئی چیز ساتھ نہیں تھی، یہ سات سو درہم کسی ضرورت کے لئے رکھے تھے، ورنہ ان کو بھی نمٹا دیتے، جیسے ان سے پہلے دونوں بھائیوں نے نمٹا دیئے تھے۔

شیخینؓ کا زہد:

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جس دن گئے ہیں، دامن جھاڑ کر گئے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کا معمول شریف یہ تھا کہ ہر ہفتے بیت المال میں جھاڑو دلوا دیتے تھے کہ کوئی چیز پڑی نہ رہے، آپ کو معلوم ہے یہ تو پہلے آچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو روز کے روز نمٹا دیتے تھے، اگلے دن کے لئے نہیں رکھتے تھے، یعنی مسلمانوں کے مال سے بھی اسی دن نمٹا دیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن کروٹیں بدل رہے تھے، نیند نہیں آرہی تھی، میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا بات اور کیا پریشانی ہے؟ تکیہ کے نیچے سے سات درہم نکالے (سات تھے یا کم و بیش تھے)، فرمایا کہ: یہ آج خرچ ہونے سے رہ گئے ہیں، اور مجھے فکر لگ رہی ہے کہ اگر اسی رات میں میرا انتقال ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا کہ نبی صاحب

تشریف لا رہے ہیں، سات درہم چھوڑ کر کے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تو یہ تھا کہ روز کے روز نمٹاتے تھے۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا (معیار نیچے آ گیا) کہ ہفتے کے ہفتے نمٹاتے تھے اور جس شخص کو بیت المال پر مقرر کیا تھا، اس کو حکم تھا کہ ہر ہفتے بیت المال پر جھاڑو دے دی جائے، قومی خزانے میں ایک سوئی بھی باقی نہ رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مہینے میں جھاڑو دلواتے تھے اور فرماتے تھے کہ کسی چیز کو ایک مہینے سے زیادہ نہیں پڑا رہنا چاہئے، سب کو نمٹا دو، تو ان اکابرؒ کی طرح ایسا کون کرسکتا ہے؟

حضرت علیؓ کی شہادت کا دن:

حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ آج رات جس میں کہ ان کا انتقال ہوا یہ وہ رات ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا اور اس میں کہ حضرت یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم کو شہید کیا گیا، بنی اسرائیل نے ان کو شہید کیا تھا، ان کے لئے تو یہ معمولی بات تھی اور اس رات میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول کی گئی تھی اور یہ تھی رمضان کی ۲۷؍شب، لیلۃ القدر۔

یہاں دو مسئلے ذکر کرتا ہوں، وقت تھوڑا ہے، بہت مختصر کرتا ہوں:

موت کے لئے اچھے وقت کا ملنا:

ایک تو یہ ہے کہ کسی شخص کو وفات کے لئے مبارک ترین وقت دے دیا جاتا ہے، یہ حق تعالیٰ شانہ کی خاص عنایت ہے، شب قدر میں کسی کا انتقال ہو، سبحان اللہ! کیا بات ہے! زہے سعادت، زہے نصیب، اسی طرح رمضان المبارک میں کسی کا انتقال ہوجانا اور خصوصیت کے ساتھ رمضان المبارک میں جمعہ کے دن انتقال ہونا، شب جمعہ میں، سبحان اللہ! ایک حدیث میں آتا ہے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَمُوْتُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَیْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاہُ اللّٰہُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ." (مشکوٰة ص:۱۲۱)

ترجمہ:......"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شب جمعہ میں یا جمعہ کے دن میں جس مسلمان کا انتقال ہو، اس سے قبر کا حساب و کتاب نہیں ہوتا، (اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے، اچھی موت نصیب فرمائے اور موت کے لئے اچھا وقت نصیب فرمانا یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ ناقل)۔"

حیات و رفع عیسیٰ علیہ السلام:

دوسرا مسئلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اٹھایا جانا، اس معاملے میں مسلمانوں کو مرزائی بہت دھوکہ دیتے ہیں، مسلمانوں کی عام گفتگو میں یہ مسئلہ بھی نہیں آتا، نہ کبھی وعظ میں، نہ کبھی منبر پر، اس کا تذکرہ ہی نہیں آتا، مسلمان خالی الذہن ہوتے ہیں، مرزائی کہتے ہیں کہ جی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا، اچھا! اور ساتھ ہی کہتے ہیں کہ مولوی تو کہتے ہیں اٹھالیا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیسے اٹھالیا؟ کس طرح اٹھاسکتے ہیں؟ جدید سائنس تو یہ کہتی ہے کہ آسمان ہے ہی نہیں۔

قادیانی دجل:

ہمارے عوام بے چارے تو کسی چیز سے واقف نہیں، کہتے ہیں کہ بھائی! آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے اور قادیانی یہ بھی کہتے ہیں کہ دیکھیں ان مُلّاؤں کا عقیدہ عیسائیوں جیسا ہے، عیسائی بھی کہتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کے پہلو میں جاکر بیٹھ گیا اور یہ مُلّا بھی یہی کہتا ہے (نعوذ باللہ! استغفر اللہ!)۔

ایک بات یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

بچانے کے لئے زمین میں کوئی جگہ نہیں ملی تھی کہ اللہ پاک ان کو آسمان میں لے گئے، جو شخص کافر ہو، وہ جو چاہے بکتا رہے۔

حیات و رفع الی السماء کا عقیدہ قرآن وسنت سے ثابت ہے:

میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا مسئلہ، مولوی کا مسئلہ نہیں ہے، قرآن کا مسئلہ ہے، حدیث شریف کا مسئلہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک تمام بڑے بڑے علمائے امت و اکابرین کا مسئلہ ہے، ایک عالم کا، ایک بزرگ کا بھی اس میں اختلاف نہیں ہے۔

حیات عیسیٰؑ اور قرآن:

ساتویں پارے کے شروع میں جو پہلا رکوع چلتا ہے، اس میں بنی اسرائیل پر، یہودیوں پر اللہ تعالیٰ نے کئی فرد جرم عائد کئے ہیں، ایک نمبر، دو نمبر، تین نمبر، چار نمبر، ایسے چلتے گئے۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَبِقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللهِ." ان پر ایک فرد جرم یہ ہے کہ بکتے ہیں کہ ہم نے قتل کردیا عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو، (نعوذ باللہ من ذالک)، قرآن کریم نے یہ ان کا دعویٰ نقل کیا، اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا." (المائدہ: ۱۵۷، ۱۵۸)

ترجمہ:...... "انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا، نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ ان کو اشتباہ ہوگیا، جو لوگ اس مسئلہ میں

اختلاف کررہے ہیں وہ خود شک میں پڑے ہوئے ہیں، ان کو کوئی علم نہیں حقیقت حال کا، محض اٹکل پچو خیالات کی پیروی کررہے ہیں، (بتادیا کہ ان کو علم نہیں جو کچھ بھی ان کی کوئی رائے وعقیدہ ہے، محض اٹکل پچو ہے، اس کی بنیاد یقین پر نہیں ہے اور آگے پھر لوٹتے ہیں) اور فرماتے ہیں: انہوں نے قتل نہیں کیا عیسیٰ علیہ السلام کو یقینی طور پر، بلکہ اٹھالیا ان کو اللہ نے اپنی طرف اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔''

ہمارے حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ کوئی تشریح نہ کرو آیت کی اپنی طرف سے، ایک عام مسلمان کے سامنے اس آیت کو پڑھو اور پڑھ کر اس سے پوچھو کہ کیا مطلب سمجھے اس آیت کا؟ انہوں نے قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے ماردیا ہے، کیا آیت کا یہ مطلب ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انہوں نے قتل نہیں کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قطعی طور پر، یقینی طور پر، بلکہ اللہ نے اٹھالیا ان کو اپنی طرف۔

ہم نے نہیں اللہ نے اٹھالیا:

رہی یہ بات کہ کیسے اٹھالیا؟ اور وہ آسمان پر کیسے جاسکتے ہیں؟ بھائی! ہم نے کب کہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خود گئے تھے، ہم تو کہتے ہیں کہ اٹھالیا تھا، یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ اٹھاسکتا ہے کہ نہیں؟

رفع کی حکمت:

اور یہ دعویٰ کرنا کہ ان کے بچانے کے لئے کیا زمین پر کوئی جگہ نہ ملی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملی ہوگی لیکن اللہ کو منظور ہی یہ ہوگا کہ وہاں رکھیں، چنانچہ فرمایا: اور اللہ تعالیٰ ہے بہت بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سارے اعتراضات کا جواب دے دیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ بجسدہ آسمان

پر اٹھایا جانا، قرآن کا مسئلہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ ہے، تمام صحابہ کرامؓ کا اس پر اجماع ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع ہے، اب اگر کوئی اس کو نہیں مانتا ہے، اور وہ کفر کی وادی میں گرنا چاہے تو گرے، لیکن اسلام کا مسئلہ یہ ہی رہے گا۔

رفع عیسیٰؑ کے منکر معراج کے منکر کیوں نہیں؟

یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیسے اٹھالیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو یہ بتایا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر کیسے تشریف لے گئے تھے؟ مشہور قصہ ہے کہ ایک کافر نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا تھا کہ وہ تمہارے دوست دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اوپر تشریف لے گئے تھے، تو فرمایا کہ وہ کہتے ہیں تو ٹھیک ہی کہتے ہیں، کہا کہ کیسے ٹھیک کہتے ہیں؟ وہ اوپر کیسے جاسکتا ہے؟ تو فرمانے لگے کہ ہم اس سے بڑی بات کو مانتے ہیں کہ اوپر والے ان کے پاس آتے ہیں، تم عجیب آدمی ہو، یہ تو چھوٹی بات ہے کہ ان کو اوپر لے گئے، ہم تو اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام ان کے پاس آتے ہیں، کیا فرشتے نہیں آتے؟ تو جو اللہ تعالیٰ جبرائیل و میکائیل اور دوسرے ملائکہ کو ان نبیوں کے پاس بھیج سکتا ہے وہی نبیوں کو اگر اوپر لے جانا چاہے تو کیوں نہیں لے جاسکتا؟

اسی پر بس کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دو بڑے بدبخت!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

’’عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ سَبُعٍ قَالَ خَطَبَنَا عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَقَالَ: وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ وَبَرَءَ النَّسَمَۃَ لَتُخْضَبَنَّ ھٰذِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ. قَالَ: قَالَ النَّاسُ فَاَعْلِمْنَا مَنْ ھُوَ؟ وَاللّٰہِ لَنُبِیْرَنَّ عِتْرَتَہٗ. قَالَ: اَنْشُدُکُمْ بِاللّٰہِ اَنْ یُّقْتَلَ غَیْرُ قَاتِلِیْ. قَالُوْا: اِنْ کُنْتَ قَدْ عَلِمْتَ ذَالِکَ اِسْتَخْلِفْ اِذًا. قَالَ: لَا! وَلٰکِنْ اَکِلُکُمْ اِلٰی مَا وَکَّلَکُمْ اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.‘‘ (مسند احمد ج:۱ ص:۱۵۶)

ترجمہ:……’’عبداللہ بن سبع رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور روح کو پیدا کیا ہے، البتہ رنگین ہوجائے گی یہ (داڑھی) اس (گردن کے خون) سے، لوگوں نے کہا ہمیں بتایئے کون ہے؟ ہم اس کی آل اولاد کو بھی ہلاک

کر دیں گے۔ فرمایا: تم کو قسم دیتا ہوں اللہ کی کہ میرے قاتل کے
سوا کسی دوسرے کو قتل نہ کیا جائے، انہوں نے کہا: اگر آپ کو علم
ہوگیا ہے اس کا تو پھر کسی کو اپنا جانشین بنا دیجئے، فرمایا: نہیں!
لیکن میں تم کو سپرد کرتا ہوں اسی چیز کی طرف جس کے سپرد کیا تھا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔"

حضرت علیؓ کا خطبہ:

یہ حضرت امیرالمؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا آخری دنوں کا خطبہ ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک مشہور قول کے مطابق ۶۳ سال ہوگئی تھی، ایک دن اپنے رفقا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کتنی تھی؟ رفقا کہنے لگے: ۶۳ سال! فرمایا: اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی؟ کہا: ۶۳ سال! اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی؟ کہا: ۶۳ سال، پھر فرمایا: میرے بھی ۶۳ سال پورے ہو رہے ہیں۔

حضرت علیؓ کو اپنی شہادت کی پیشگی اطلاع:

پھر آپؓ نے منبر پر خطبہ دیا اور اس خطبے میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ اللہ کی قسم اسی گردن کے خون سے یہ داڑھی رنگین ہوجائے گی، لوگوں نے کہا کہ آپ بتایئے ایسا کون شقی ہے، ہم اس کے پورے گھرانے کو ہلاک کر دیں گے، فرمایا: میں تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ میرے قاتل کے سوا کسی کو کچھ نہ کہا جائے، لوگوں نے کہا کہ جب آپؓ کو قرب اجل کا پتہ چل گیا ہے کہ اب وقت قریب آیا چاہتا ہے تو کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دیجئے اور خلیفہ بنا دیجئے، فرمایا: نہیں! میں تمہیں اسی حالت کے سپرد کرنا چاہتا ہوں جس حالت کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سپرد کر کے گئے تھے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو متعین طور پر صراحت کے ساتھ خلیفہ بنا کر نہیں گئے تھے، بعد میں ہم نے بنایا۔

حضرت علیؓ کی شہادت کی خوشخبری:

اب اس خطبہ شریفہ میں چند چیزیں قابل غور ہیں، ایک حضرت امیرالمؤمنینؓ کا یہ کہنا کہ اللہ کی قسم یہ داڑھی اس خون سے رنگین ہوجائے گی، یہ علم ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تھا، کیونکہ متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا تھا کہ:

''عَنْ عَلِیٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ: اَتَدْرِیْ مَنْ اَشْقَی الْاَوَّلِیْنَ؟ قُلْتُ: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ! قَالَ: عَاقِرُ النَّاقَةِ. قَالَ: اَتَدْرِیْ مَنْ اَشْقَی الْاٰخِرِیْنَ؟ قُلْتُ: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ! قَالَ: قَاتِلُکَ.'' (قرطبی ج:۲۰ ص:۷۸)

ترجمہ:...... ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (اے علی!) کیا تو جانتا ہے کہ سب سے پہلا بدبخت کون ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: وہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: (اے علی!) کیا تو جانتا ہے کہ سب سے آخری بدبخت کون ہے؟ میں نے کہا کہ: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: تیرا قاتل!''

دنیا کا بڑا بدبخت:

گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کے سب سے بڑے بدبخت دو ہوئے ہیں، ایک حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کرنے والا، اس کی کونچیں کاٹنے والا، یہ سب سے بڑا بدبخت تھا جس نے اپنی پوری قوم کے لئے عذاب الٰہی کو

دعوت دی، خود بھی مرا، قوم بھی مری جبکہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو آگاہ کردیا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيَاهَا." (الشمس:۱۳) پس کہا ان کو اللہ کے رسول نے یہ اللہ کی خاص پیدا کی ہوئی اونٹنی ہے اس کو تکلیف اور گزند پہنچانے سے بچو، اور اس کی پانی کی باری کے معاملہ میں بھی ڈرو، اس کو روکو نہیں۔

تو سب سے بڑا بدبخت اٹھا اور اس نے اپنے رفقا کے ساتھ مل کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس کو قتل کرڈالا۔

اور دوسرا سب سے بڑا بدبخت وہ ہوگا جو تیری اس داڑھی کو اس گردن کے خون سے رنگین کرے گا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتادیا تھا اور حضرت امیرالمؤمنین محسوس فرماتے تھے کہ اس کا اب وقت آگیا ہے، اس لئے خطبے میں یہ بات ارشاد فرمائی۔

بڑا بدبخت کیوں؟

اب رہی یہ بات کہ یہ سب سے بڑا بدبخت کیوں ہے؟ واللہ اعلم! اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ابھی بتایا تھا کہ وہ بدبخت جس نے ناقہ صالح کو قتل کیا تھا اس نے اپنی پوری قوم کے لئے اللہ کے عذاب کو دعوت دی تھی، اور اس دوسرے بدبخت عبدالرحمٰن ابن ملجم خارجی نے امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کرکے خلافت نبوت کا خاتمہ کردیا۔

خلفائے راشدین چار ہیں، حضرات ابوبکر، عمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت جو چھ مہینے رہی یہ حضرت علیؓ کی خلافت کا تتمہ تھا، اس بدبخت نے حضرت امیر المؤمنین خلیفہ راشد کو شہید کرکے امت کو خلافت نبوت سے محروم کردیا، کچھ وہ بدبخت تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور

حضرت عثمانؓ کو شہید کرنا، سب سے پہلا رخنہ تھا جو اسلام کی دیوار میں ڈالا گیا اور آخری رمق جو خلافتِ نبوت کی باقی رہی تھی اس کو حضرت علیؓ کی شہادت سے ختم کردیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہایت بابرکت زمانہ تھا اور تمام سعادتیں اور برکتیں حق تعالیٰ شانہ نے اس زمانے میں جمع کردی تھیں۔

زمانۂ نبوت کا بقیہ:

حضرات خلفائے راشدین کا زمانہ گویا بقیہ نبوت کا زمانہ تھا، اس لئے کہ حضرات خلفائے راشدین ٹھیک ٹھیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہاج پر تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''ازالۃ الخفا'' میں لکھتے ہیں کہ:

''ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ است، گویا در ایام نبوت حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبان میفرمود۔''

ترجمہ:...... ''خلافت راشدہ کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا بقیہ تھا، فرق صرف اتنا تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس تشریف فرما تھے تو اپنی زبان مبارک سے احکامات صادر فرماتے تھے۔''

اور شاہ صاحبؒ کے الفاظ میں اس خلافت راشدہ کے زمانے میں: ''ساکت نشستہ بدست وسر اشارہ میفرماید۔'' (خلافت راشدہ کے زمانہ میں آپؐ خاموش بیٹھے گویا سر اور آنکھوں کے اشاروں سے سمجھا رہے تھے) سمجھنے والوں نے آپ کے اشاروں کو سمجھا اور اس کے مطابق عمل کیا، عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔

خلافت علیٰ منہاج نبوت:

تو ان چار خلفائے راشدین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا ایک عمل بھی منہاج نبوت سے ہٹا ہوا نہیں ہے اور یہی معنی ہیں خلافت راشدہ کے کہ کسی قسم کی کوئی

مصلحت، کوئی تقاضۂ وقت اور کسی قسم کی کوئی رعایت ان حضرات کے مدنظر نہیں تھی، ٹھیک ٹھیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا اور امت کو چلانا یہ ان کے مدنظر تھا، خلافت راشدہ ختم ہوئی تو یہ ساری برکات ختم ہوگئیں، دنیا میں اندھیرا چھا گیا، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم جیسے لوگ بھی اسے محسوس کرتے ہیں، ان اکابر نے جن کے سامنے یہ واقعات پیش آئے ہوں گے کیا انہوں نے محسوس نہیں کیا ہوگا؟

دنیا اندھیر ہوگئی:

جس دن حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ تبلیغ والوں کے انتقال کی خبر پہنچی ہے، واقعتاً مجھے ایسا محسوس ہوا کہ دنیا تاریک ہوگئی ہے، سورج ڈوب گیا ہے، بالکل یہی قصہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کی وفات پر مجھے پیش آیا تھا۔ جس دن حضرت کے انتقال کی خبر آئی تھی جمعہ کا دن تھا بس یوں سمجھئے کہ مجھ سے ضبط نہیں ہو رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اندھیرا چھا گیا ہے، ذرا غور کرو جس دن امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا گیا ہوگا اور خلافت راشدہ کا آخری چراغ گل کردیا گیا، اس دن دنیا میں کتنا اندھیرا چھایا ہوگا؟ اور جس شخص نے امت کو خلافت راشدہ کی ان برکات سے محروم کردیا اس سے بڑا بدبخت کون ہوسکتا ہے؟

خلافتِ راشدہ کی دو قسمیں:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلافت راشدہ کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک خلافتِ راشدہ خاصہ اور دوسری عامہ۔

شہادتِ عثمانؓ سے خلافتِ خاصہ کا خاتمہ:

خلافتِ راشدہ خاصہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ختم ہوگئی تھی، شاہ صاحبؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ:

”عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اَتَیْتُ النَّبِیَّ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِتَمَرَاتٍ فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اُدْعُ اللّٰہَ فِیْھِنَّ بِالْبَرَکَۃِ. فَضَمَّھُنَّ ثُمَّ دَعَا لِیْ فِیْھِنَّ بِالْبَرَکَۃِ. قَالَ: خُذْھُنَّ فَاجْعَلْھُنَّ فِیْ مِزْوَدِکَ کُلَّمَا اَرَدْتَّ اَنْ تَأْخُذَ مِنْھُنَّ شَیْئًا فَاَدْخِلْ فِیْہِ یَدَکَ فَخُذْہُ وَلَا تَنْثُرْہُ نَثْرًا. فَقَدْ حَمَلْتُ مِنْ ذَالِکَ التَّمْرِ کَذَا وَکَذَا مِنْ وَسْقٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَکُنَّا نَأْکُلُ مِنْہُ وَنُطْعِمُ وَکَانَ لَا یُفَارِقُ حَقْوِیْ حَتّٰی کَانَ یَوْمُ قَتْلِ عُثْمَانَ فَاِنَّہٗ اِنْقَطَعَ.'' (مشکوٰۃ ص:۵۴۲)

''وَکَانَ یَقُوْلُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ:

لِلنَّاسِ ھَمٌّ وَلِیَ ھَمَّانِ بَیْنَھُمْ

ھَمُّ الْجَرَابِ وَھَمُّ الشَّیْخِ عُثْمَانَا.''

(مرقاۃ ج:۵ ص:۴۷۹)

ترجمہ:...... ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند کھجوریں لے کر آیا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان میں برکت کی دعا فرمادیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجوریں لیں ان میں برکت کی دعا فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ان کو لے لیجئے اور اپنے توشہ دان میں ان کو ڈال لیجئے، جب ان میں سے لینے کا ارادہ ہوتو اس میں ہاتھ ڈال کر لے لینا اور اس کو جھاڑنا نہیں، میں نے ان کھجوروں میں سے اتنے اتنے وسق لئے اللہ کے راستے میں (خرچ کرنے کے لئے) ہم ان میں سے خود بھی کھاتے رہے اور لوگوں کو بھی کھلاتے رہے اور وہ ہمیانی ہمیشہ میرے پاس رہی، یہاں تک کہ جس دن حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو اس دن وہ کہیں گر گئی۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ لوگوں کو ایک غم ہے اور میرے لئے دو غم ہیں، ایک تھیلی کے گم ہو جانے کا غم اور دوسرا حضرت شیخ عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید کئے جانے کا غم۔"

حضرت ابو ہریرہؓ کی تھیلی میں برکت:

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کھجوریں مجھے عنایت فرمائی تھیں، میں نے ان کو تھیلی میں، ہمیانی میں ڈال لیا، کھجوریں ڈال کر ہمیانی کو کمر پر باندھ لیا جب ضرورت ہوتی کھا لیتا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بتا نہیں سکتا کہ کتنے صاع، کتنے ٹن میں نے ان میں سے کھائے ہوں گے اور صدقہ کیا ہوگا، لیکن جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ وہ تھیلی گر گئی اور گر کر ایسی گم ہوگئی کہ معلوم نہیں زمین اس کو کھا گئی یا آسمان اس کو اچک کے لے گیا، پتہ ہی نہیں چلا۔

برکاتِ نبوت کا خاتمہ:

حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ یہ برکات نبوت کے ختم ہونے کی طرف اشارہ تھا، حضرت ابو ہریرہؓ اس دن گلیوں میں روتے پھرتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج دنیا کو ایک غم ہے اور مجھے دو غم ہیں، ایک اپنی تھیلی کے گم ہو جانے کا، اور ایک شیخ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل ہو جانے کا، تھیلی کا گم ہو جانا تو کوئی بات نہیں تھی لیکن غم اس کا تھا کہ برکات نبوت ختم ہوگئیں، اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شہید کئے جانے کے بعد یہ برکات نبوت بالکلیہ ختم ہوگئیں، اس لئے بجا فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سب سے بڑا بدبخت یہ شخص ہے جس نے پوری امت کو برکات نبوت

سے محروم کردیا ہے۔

خارجی اور تکفیرِ صحابہؓ:

یہ عبدالرحمٰن ابن ملجم خارجی تھا، یہ خارجیوں کا ایک گروہ ہوا ہے جو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جولڑائی صفین میں ہوئی تھی اس کے خاتمے پر پیدا ہوا تھا، اس وقت دو حکم مقرر کردیئے گئے تھے، لمبا قصہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان میں اس اختلاف کا فیصلہ کریں گے، اسی وقت یہ خارجی کھڑے ہوگئے، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے لوگ شیعانِ علی میں سے ایک گروہ کٹ کر کے خارجی بن گیا، وہ کہتا تھا دونوں کافر ہیں، نعوذ باللہ! حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کافر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی کافر، جب دونوں کافر تو باقی سارے صحابہؓ کافر، نعوذ باللہ! یہ سب سے پہلا گروہ ہے جس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اعلانیہ تکفیر کی اور یہ بدبخت ایسے تھے کہ صحابہؓ کے پاس تو جاتے نہیں تھے، ان سے ملتے نہیں تھے، اس لئے جو جی میں آتا تھا مسئلے بتاتے تھے۔

حروری خارجی تھے:

مشکوٰۃ اور دوسری احادیث کی کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک خاتون، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، اور کہنے لگی کہ:

”مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِی الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِی الصَّلَاۃَ؟ قَالَتْ عَائِشَۃُ: (اَحَرُوْرِیَّۃٌ اَنْتِ؟) کَانَ یُصِیْبُنَا ذَالِکَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلَاۃِ.“

(مشکوٰۃ ص:۱۷۸)

ترجمہ:...... ”یہ کیا بات ہے کہ حائضہ عورت روزے کی قضا کرتی ہے، اور نماز کی قضا نہیں کرتی؟ (جب ماہ رمضان میں

عورتوں کے خاص ایام شروع ہوجائیں تو وہ روزہ نہیں رکھیں گی لیکن ان کی قضا کریں گی، اور ان خاص ایام میں جو نمازیں گزر جاتی ہیں ان کی قضا ان کے ذمہ نہیں ہے، خارجی لوگ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ نماز، روزے سے زیادہ اہم ہے، جب روزے کی قضا ہے تو نماز کی قضا کیوں نہیں؟ جاہل کسی عالم کے پاس بیٹھتے تو مسئلہ معلوم ہوتا صرف اپنی عقل دوڑاتے تھے، تو ام المؤمنین نے اس کے سوال کو سن کر فرمایا:) تو حروریہ (خارجی) ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب ہمیں یہ حالت پیش آتی تھی تو ہمیں روزے کی قضا کرنے کا حکم کیا جاتا تھا، نماز کے قضا کرنے کا حکم نہیں کیا جاتا تھا۔"

حضرت علیؓ کی شہادت کا سبب:

یہ خارجیوں کا گروہ تھا نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! ان کا مشورہ ہوا کہ اس وقت امت میں فساد کے سرغنہ (نعوذ باللہ) تین آدمی ہیں، ایک حضرت علی، دوسرے حضرت معاویہ اور تیسرے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم، تین آدمی اس کام کے لئے مقرر ہوئے کہ فلاں تاریخ کو ان تینوں کا کام تمام کردیا جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لئے یہ عبدالرحمٰن ابن ملجم بدبخت مقرر ہوا، اور ان دونوں حضرات کو شہید کرنے کے لئے دوسرے آدمی مقرر ہوئے اور طے یہ کیا کہ جب یہ نماز کے لئے آئیں تو آتے ہوئے ان پر حملہ کردیا جائے، حضرت امیرالمؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب نماز کے لئے تشریف لاتے تھے تو لوگوں کو اٹھاتے ہوئے تشریف لاتے تھے، الصلوٰۃ! الصلوٰۃ! کہہ کر لوگوں کو اٹھاتے ہوئے آتے تھے، یہ عبدالرحمٰن بن ملجم بدبخت چھپ کر بیٹھا ہوا تھا، اس نے بھرپور حملہ کیا اور زخم کاری لگایا،

لوگوں نے اس کو پکڑ لیا تو اس نے ایک دو اور آدمیوں کو بھی زخمی کیا، لیکن پکڑا گیا، کہنے لگا کہ اتنے دن ہوگئے ہیں اس تلوار کو زہر میں بجھا رہا ہوں۔

حضرت علیؓ کا عدل و احتیاط:

لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس کو قتل کردیں، فرمایا: اپنے قاتل کو کیسے قتل کروں؟ یہ بھی کبھی سنا ہے؟ پھر ارشاد فرمایا کہ اگر میں بچ گیا اور زخم ٹھیک ہوگیا تو پھر میں اس سے خود معاملہ کروں گا، کوئی اس کو سزا دے دوں گا، اور اگر میں رخصت ہوگیا تو تم لوگوں کو اختیار ہے کہ تم اس کو معاف کردو یا اس سے قصاص لے لو، لیکن دیکھو قصاص برے طریقے سے نہیں لینا، جو شریعت کا دستور اور اصول ہے اس کے مطابق قصاص لینا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَۃَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَ .... الخ." (مسلم ج:۲ ص:۱۵۲)

ترجمہ:....."اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے معاملے میں احسان کا حکم دیا ہے، یعنی حسن سلوک کا، جب تم کسی کو قتل کرو تو احسن طریق سے قتل کرو اور جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو اسے ایذا نہیں دو، اس میں بھی حسن سلوک کرو (یعنی چھری تیز ہو تاکہ جلدی فارغ ہوجائے)۔"

اسلامی شریعت کا مسئلہ ہے: "لَا قَوَدَ اِلَّا بِالسَّیْفِ." (مجمع الزوائد ج:۶ ص:۲۹۱) یعنی قصاص نہیں لیا جائے گا مگر تلوار کے ساتھ۔ یعنی اگر خدانخواستہ کوئی کسی کو قتل کردے، اس کا قاتل ہونا ثابت ہوجائے اور مقتول کے اولیاً معاف نہ کریں تو مقتول کے بدلہ میں اس سے قصاص لیا جائے گا، اور اُسے قتل کیا جائے گا، لیکن یہ نہیں

کہ ایذا پہنچا کر قتل کرو، بلکہ تلوار سے سر قلم کردو بس۔

جس رات حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا اسی رات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی جب گھر سے مسجد کی طرف تشریف لا رہے تھے ان پر بھی حملہ ہوا، لیکن الحمدللہ! کارگر نہیں ہوا، تاہم ان کے کولہے پر زخم آیا تھا جس سے ان کی ایک رگ کٹ گئی تھی جس کی وجہ سے پھر اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اولاد نہیں ہوئی، اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس دن فجر کی نماز کے لئے تشریف ہی نہیں لائے تھے، وہ مصر میں تھے، مصر کے گورنر تھے ان کی جگہ کسی اور آدمی نے نماز پڑھائی اور وہ شہید ہوگیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معمولی زخم آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا عطا فرمادی، اس کے بعد بیس ساڑھے بیس سال تک وہ ماشاءاللہ حیات رہے، سن ۶۱ھ میں ان کا انتقال ہوا، یہ سن ۴۰ھ کا قصہ ہے۔

بہرکیف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے درخت کو چیرا ہے اور روح کو پیدا کیا ہے کہ یہ داڑھی اس خون سے رنگین ہوگی، لوگوں نے کہا کہ اگر قاتل آپ کو معلوم ہے تو پھر ہمیں بتادیجئے تاکہ ہم صرف اس شخص کو نہیں بلکہ اس کے پورے خاندان کو برباد کردیں، فرمایا: نہیں! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ میرے قاتل کے سوا کسی دوسرے کو کچھ نہ کہنا، جس نے مجھے قتل کیا ہے اگر تم چاہو تو اس سے قصاص لے سکتے ہو، یہ سازش ہے جو تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس سازش کے تمام سرغنوں کو پکڑو اور کیفر کردار تک پہنچاؤ، مگر کسی دوسرے آدمی کو مارنے کی اجازت نہیں۔

حضرت علیؓ کا جانشین کے تقرر سے انکار:

لوگوں نے کہا کہ حضرت! اگر آپ محسوس فرماتے ہیں کہ اب وقت قریب آیا چاہتا ہے اور خطبے کا یہی مطلب ہے تو پھر آپ کسی کو اپنا جانشین مقرر کردیجئے کہ

میرے بعد فلاں آدمی ہوگا، فرمایا: نہیں! میں جانشین مقرر نہیں کروں گا بلکہ میں تمہیں اسی حالت پر چھوڑ کر جاؤں گا جس حالت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر گئے تھے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔

اب یہاں اتنی بات سمجھ لیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا تھا، یعنی جس طرح کہ عام طور سے دستور ہے کہ تحریر لکھوادی جاتی ہے اور اس کا اعلان کروا دیا جاتا ہے کہ فلاں آدمی ولی عہد ہے، یعنی ان کے بعد فلاں آدمی ان کا جانشین ہے۔

غدیرخم میں جانشینی کے تقرر کا قصہ:

لہٰذا جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانشین بنادیا تھا، فلاں وقت پر بنادیا تھا، یا فلاں موقع پر بنادیا تھا، وہ غلط ہے۔ میں نے اپنی کتاب ''شیعہ سنی اختلاف اور صراط مستقیم'' میں اس مسئلہ پر مکمل بحث کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ غدیرخم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیا تھا۔

غدیرخم کیا ہے؟

غدیرخم کیا ہے؟ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ آتی ہے جس کا نام خم ہے، وہاں ایک تالاب تھا جس میں بارش کا پانی جمع ہوجاتا تھا، ایسے ہی کوئی نشیبی جگہ ہوگی اس کو غدیرخم کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی پر وہاں پڑاؤ کیا تھا اور وہاں یہ فرمایا تھا کہ:

''مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ.'' (مشکوٰۃ ص:۵۶۴)

ترجمہ:......''جس کا میں مولا ہوں علیؓ بھی اس کا مولا ہے۔''

حضرت علیؓ کو مولیٰ کہنے کی وجہ:

مولیٰ کے بہت سے معنی آتے ہیں، ان میں سے ایک معنی محبوب کے بھی ہیں، مطلب یہ کہ جو شخص کہ مجھ سے محبت رکھتا ہو وہ علیؓ سے بھی محبت رکھے، اور یہ بات اس لئے ارشاد فرمائی تھی کہ حجۃ الوداع سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہیں یمن سے مکہ مکرمہ آکر ملے تھے اور وہاں یمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دوسرے حضرات بھی گئے ہوئے تھے، ان کا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آپس میں کسی بات پر مناقشہ ہوگیا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا کہ جب میری زندگی میں علیؓ پر اعتراض کئے جارہے ہیں، تو بعد میں کیا ہوگا؟ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو ایک فریضہ لازمہ کے طور پر امت کے ذمے ضروری قرار دے دیا، یہ مطلب ہے اس حدیث: "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ." کا۔

اور یہیں سے "مولا علی" کی اصطلاح چلی ہے، اہل سنت اس کو مانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے محبوب ہیں، اور ان کی محبت اور ان کی آل و اولاد کی محبت، اہل سنت کے نزدیک جزو ایمان ہے اور جو شخص ان کی محبت سے خالی ہو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ایمان سے فارغ ہوجائے گا، نعوذ باللہ!

لڑائی سے رشتے ختم نہیں ہوتے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر کی لڑائیاں بھی ہوئیں، ان پر گفتگو کرنے کا موقع نہیں، لیکن اتنی مختصر سی بات یاد رکھی جائے کہ اس لڑائی کے باوجود محبت باقی تھی، کیونکہ دو بھائیوں کے درمیان مناقشہ ہوجایا کرتا ہے اور آپس میں دست و گریباں بھی ہوجاتے ہیں، بعض دفعہ لڑائی تک

نوبت بھی آجاتی ہے، لیکن بھائی ہونا اپنی جگہ ہے، اس کی محبت اپنی جگہ ہے۔

حضرت معاویہؓ کا ہرقل کو انتباہ!

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع پہنچی کہ روم کا بادشاہ ہرقل ہمارے باہمی اختلاف کی وجہ سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے، اسلامی مملکت پر حملہ کرنا چاہتا ہے، اس نے سوچا کہ مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں تو اس وقت ان پر حملہ کرنے کا موقع اچھا ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو خط لکھا کہ او نصرانی کتے! یعنی اشتعال دلانے والا خط، تو ہماری لڑائی سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے؟ تجھے یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اگر تو نے اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کی حماقت کی تو میں اپنے بھائی سے صلح کرلوں گا اور ان کے ماتحت ہوکر لڑوں گا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا سب سے پہلا سپاہی جو تیرے سامنے آئے گا اس کا نام معاویہ ہوگا۔ یہ واقعہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی کتاب ''مقام صحابہ'' میں بھی نقل کیا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت نے جب وہ کتاب لکھی تھی، اس کے بعد ہمارے مدرسے میں تشریف لائے تو میں نے حضرت کو مبارکباد دی تھی، میں نے کہا کہ آخری زندگی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کتاب لکھنا یہ انشاءاللہ حسن خاتمہ کی علامت ہے۔ حضرتؒ نے میری اس بات کو بہت پسند فرمایا تھا۔

ہمیں صحابہؓ کے درمیان محاکمہ کی اجازت نہیں:

تو بس اتنی مختصر سی بات یہاں یاد رکھئے کہ ان کی آپس میں غلط فہمی کی وجہ سے مناقشہ ہوگیا، ہمیں اس پر فیصلہ کرنے یا محاکمہ کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ دو بھائیوں کی لڑائی تھی۔ چنانچہ اگر دو شہزادوں کے درمیان لڑائی ہوجائے یا مناقشہ

ہو جائے تو بھنگی کے لڑکے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کا فیصلہ کرے۔ یا ان کا محاکمہ کرے۔ ان اکابر کے مقابلہ میں ہماری حیثیت تو بھنگیوں کی بھی نہیں ہے کہ ہم ان کے بارے میں اپنی زبان کھولیں اور محاکمہ کریں اور یہ کہیں کہ فلاں حق پر تھا، فلاں باطل پر تھا۔ نہیں! اہل سنت نے ایک چھوٹی سی بات ہمارے لئے محفوظ کر دی کہ ان مشاجرات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اولیٰ بالحق تھے، یعنی حق کے زیادہ قریب تھے یا یوں کہو کہ وہ حق پر تھے اور دوسرے حضرات غلطی اور خطا پر تھے، ان کو غلط فہمی ہوگئی تھی، صحابہؓ کے درمیان حق و باطل کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ خطا اور صواب کا اختلاف ہے، تو بہرحال ہمارے لئے اتنی موٹی سی بات ہے اسی کو یاد رکھو، اس کے بعد زیادہ کاوش نہ کرو۔

تین مسئلے جنت میں جا کر بھی نہیں کھلیں گے:

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہ ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کا ارشاد ہے (ان کا قول حضرت نقل کرتے ہیں) کہ: تین مسئلے ایسے ہیں جو جنت میں جا کے بھی نہیں کھلیں گے، ان کی حقیقت منکشف نہیں ہوگی، ان میں سکوت ہے، زبان کا بھی سکوت، دماغ کا بھی سکوت، گویا سوچو ہی نہیں، فرمایا: ایک وحدۃ الوجود کا مسئلہ ہے، ایک تقدیر کا مسئلہ ہے اور ایک مشاجرات صحابہ کا مسئلہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اختلافات، بس تقدیر الٰہی تھی ہمیں زیادہ اس میں کاوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم سب کے نام پر ''رضی اللہ عنہ'' دل کی گہرائی سے کہتے ہیں، دونوں بھائی ہیں، ایک باپ ہے، ایک چچا ہے، ہم نہ باپ کی گستاخی کریں نہ چچا کی گستاخی کریں۔

چھوٹوں کو بڑوں کے معاملہ میں فریق بننے کی اجازت نہیں:

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے تھے کہ: ایک دفعہ میرے والد ماجد کی میرے

چچا کے ساتھ کچھ رنجش ہوگئی اور رنجش اتنی بڑھی کہ آپس میں بات چیت بند ہوگئی، میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا، گھر آیا تو دوسرے دن یا تیسرے دن والد صاحب نے پوچھا کہ تم اپنے چچا سے ملے ہو؟ میں نے کہا ان کی آپ سے بات چیت نہیں ہے تو میں کیوں ملتا! حضرتؒ فرماتے ہیں کہ پوری زندگی میں والد صاحب نے مجھے کبھی تھپڑ نہیں مارا لیکن اس دن میرے ایک تھپڑ مارا اور فرمایا کہ میرا بھائی ہے میں تو لڑوں گا، تیرا تو چچا ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ اپنے والد ماجد کا یہ قصہ نقل کرکے فرمایا کرتے تھے کہ ہاں اولاد کی یوں تربیت کیا کرتے ہیں اور اب تو لوگ ایسے جھگڑا کرتے ہیں کہ اپنی اولاد کو روک دیتے ہیں کہ خبردار! دودھ معاف نہیں کروں گی، اگر تو فلاں سے ملا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو اسی طرح چھوڑ کر گئے تھے آپؐ نے کسی کو خلیفہ نامزد مقرر نہیں کیا، لیکن صحیح بخاری میں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہے اور شاہ ولی اللہؒ نے تو ''ازالۃ الخفا'' میں دلائل کے ساتھ اس کو ثابت کیا ہے کہ یہ بات متواتر تھی کہ:

''عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِهٖ: اُدْعِیْ لِیْ اَبَابَکْرٍ وَاَخَاکِ حَتّٰی اَکْتُبَ کِتَابًا فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّتَمَنّٰی مُتَمَنٍّ وَیَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا اَوْلٰی وَیَأْبَی اللهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ۔'' (مسلم ج:۲ ص:۲۷۳)

ترجمہ:...... ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے دنوں میں مجھے فرمایا کہ اپنے باپ اور اپنے بھائی کو بلاؤ کہ میں تحریر لکھ دوں، ایسا نہ ہو کہ کل کوئی کہنے والا کہے اور کوئی تمنا کرنے والا تمنا

کرے کہ میں خلافت کا زیادہ حق دار ہوں، اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان بھی ابوبکرؓ کے سوا کسی اور کو خلیفہ بنانے سے انکار کرتے ہیں۔"

صدیق اکبرؓ کی امامت اور حکم الٰہی:

لیکن بعد میں ارشاد فرمایا کہ: مجھے اللہ کے اعتماد پر اور مسلمانوں کی فراست پر اعتماد ہے اس لئے مجھے تحریر کی ضرورت نہیں رہی اور وہ واقعہ بھی حدیث کی کتابوں میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف نہیں لا سکتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ نماز پڑھائیں، اور جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ایک جانشینی تھی، حدیث شریف میں آتا ہے:

"عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ قَالَ: لَمَّا اُسْتُعِزَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَهٗ فِيْ نَفَرٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ دَعَاهُ بِلَالٌ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقَالَ: مُرُوْا مَنْ يُّصَلِّيْ لِلنَّاسِ فَخَرَجَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ زَمْعَةَ فَاِذَا عُمَرُ فِي النَّاسِ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ غَائِبًا فَقُلْتُ: يَا عُمَرُ! قُمْ فَصَلِّ بِالنَّاسِ. فَتَقَدَّمَ فَكَبَّرَ فَلَمَّا سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَهٗ وَكَانَ عُمَرُ رَجُلًا مُجْهِرًا، قَالَ: فَاَيْنَ اَبُوْبَكْرٍ؟ يَأْبَى اللّٰهُ ذَالِكَ وَالْمُسْلِمُوْنَ يَأْبَى اللّٰهُ ذَالِكَ وَالْمُسْلِمُوْنَ فَبَعَثَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فَجَاءَ بَعْدَ اَنْ صَلّٰى عُمَرُ تِلْكَ الصَّلَاةِ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ: لَمَّا سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ صَوْتَ عُمَرَ، قَالَ اِبْنُ زَمْعَةَ: خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اِطَّلَعَ رَاْسَہٗ مِنْ حُجْرَتِہٖ ثُمَّ قَالَ: لَا! لَا! لَا! لِیُصَلِّ لِلنَّاسِ اِبْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ. یَقُوْلُ ذَالِکَ مُغْضِبًا.“

(ابوداؤد ج:۲ ص:۲۸۵)

ترجمہ:......”حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدید ہوگئی تو دوسرے صحابہؓ کے علاوہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باجماعت نماز کی اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کو کہو کہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ باہر آئے تو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں میں موجود ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غائب ہیں، حضرت ابن زمعہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا: آپ آگے بڑھ کر نماز پڑھایئے، حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور تکبیر تحریمہ کہی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی تو چونکہ حضرت عمرؓ کی آواز (قدرتی طور پر) بلند تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوبکرؓ کہاں ہیں؟ اللہ نے اس کا انکار کیا اور مسلمانوں نے انکار کیا، اللہ نے اس کا انکار کیا اور مسلمانوں نے انکار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف آدمی بھیجا، حضرت عمرؓ کے نماز پڑھالینے کے بعد حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے انہوں نے لوگوں کو دوبارہ نماز پڑھائی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی، ابن زمعہؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے باہر تشریف لائے، اپنے حجرے سے جھانک کر فرمایا: لا! لا! لا! ابن ابی قحافہ کو چاہئے کہ لوگوں کو نماز پڑھائے، آپ نے یہ بات غصہ میں ارشاد فرمائی۔''

ابوبکرؓ ہی نماز پڑھائیں:

بہرکیف ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں تھے، ظہر کا وقت تھا یا پتہ نہیں کون سا تھا حافظہ غلطی کرتا ہے، حضرت ابن زمعہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ابوبکرؓ تو ہیں نہیں، آپ نماز پڑھادیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کہو تو پڑھا دوں گا، کہنے لگے چلو پھر حضرت عمرؓ آگے ہوگئے، انہوں نے اقامت کہی اور جب حضرت عمرؓ نے اللہ اکبر کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامعہ مبارک تک آواز پہنچی، گھر قریب ہی تو تھا، پھر حضرت عمرؓ کی آواز بھی بڑی بلند تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: ''لا! لا! لا!'' نہیں! نہیں! نہیں! ابوبکرؓ کو کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں، ابوبکر کے سوا کا اللہ بھی انکار کرتا ہے اور اہل ایمان بھی انکار کرتے ہیں، ابوبکرؓ کو کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں تو استخلاف فرمایا، مگر یوں نہیں فرمایا کہ تحریر لکھ دی ہو کہ میرے بعد ابوبکرؓ خلیفہ ہوں گے، ان کو ولی عہد مقرر کرتا ہوں۔

حضرت عمرؓ کی جانشینی:

البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی میں خلیفہ بنایا، زندگی میں نہیں بلکہ زندگی کے آخری وقت میں، اور استخلاف کی تحریر لکھوائی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کاتب (لکھنے والے) تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لکھواتے لکھواتے جب یہاں تک پہنچے کہ میں اپنے بعد خلیفہ بناتا ہوں، یہاں تک بولے ہی تھے تو غشی ہوگئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود ہی لکھ دیا: ''عمر کو میں خلیفہ بناتا ہوں۔'' غشی سے افاقہ ہوا تو فرمایا پڑھ کر سناؤ کہ کیا لکھا ہے؟ سنایا تو انہوں نے عمرؓ کا

لفظ بھی ساتھ بول دیا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اللہ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے، تجھے خیال آیا ہوگا کہ اسی غشی کی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا تو بات ادھوری رہ جائے گی، مجھے انہیں کا نام ہی لکھوانا تھا، خیر لمبا قصہ ہے۔

خلافتِ عثمانؓ کے لئے چھ آدمیوں کی شوریٰ.

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد چھ آدمیوں کے درمیان میں مسئلہ دائر ہوگیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیا گیا، اور امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی نہج کو اختیار کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امت کے حق میں بھلائی سوچی کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی اختلاف ہوجائے اور اگر کسی کو اشکال ہے تو اپنی زندگی میں اس کو حل کردیں گے، چنانچہ لوگوں نے اور صحابہؓ نے کہا بھی کہ آپ اتنے سخت آدمی کو ہمارے اوپر خلیفہ مقرر کر کے جاتے ہیں، اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ فرمایا: مجھے اٹھا کے بٹھادو، لوگوں نے بٹھادیا، ان لوگوں سے کہا تم مجھے میرے رب سے ڈراتے ہو، تم مجھے میرے رب سے ڈراتے ہو، میں اپنے رب سے کہہ دوں گا کہ تیری مخلوق میں جو سب سے افضل تھا اس کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں، تو اب خوشی سے سب کی گردنیں جھک گئیں، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر ہوجانے پر ایک آدمی نے بھی اختلاف نہیں کیا، بیعت عامہ ہوئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بیعت عامہ ہوئی ایک آدمی نے بھی نہیں کہا کہ مجھے ان سے اختلاف ہے، اور جب حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کے درمیان خلافت کو دائر کردیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نامزد کردیا تو اس پر بھی ایک آدمی نے بھی اختلاف نہیں کیا، یہ خلفائے ثلاثہ ہیں، لوگ کہنے کو جو چاہیں کہیں لیکن تاریخ کا ریکارڈ موجود ہے کہ ایک آدمی کا بھی ان سے اختلاف نہیں ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

امت کی خیر کے تین زمانے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"عَنِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ خَطَبَ بِالْجَابِیَۃِ فَقَالَ: قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقَامِیْ فِیْکُمْ فَقَالَ: "اِسْتَوْصُوْا بِاَصْحَابِیْ خَیْرًا، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ، ثُمَّ یَفْشُوا الْکَذِبَ، حَتّٰی اَنَّ الرَّجُلَ لَیَبْتَدِئُ بِالشَّھَادَۃِ قَبْلَ اَنْ یُّسْأَلَھَا فَمَنْ اَرَادَ مِنْکُمْ بِحُبُوْحَۃِ الْجَنَّۃِ فَلْیَلْزِمِ الْجَمَاعَۃَ، فَاِنَّ الشَّیْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ، لَا یَخْلُوَنَّ اَحَدُکُمْ بِاِمْرَأَۃٍ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ ثَالِثُھَا، وَمَنْ سَرَّتْہُ حَسَنَتُہٗ وَسَائَتْہُ سَیِّئَتُہٗ فَھُوَ مُؤْمِنٌ۔"

(مسند احمد ج:۱ ص:۱۸)

"عَنْ سُوَیْدِ بْنِ غَفَلَۃَ اَنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ خَطَبَ النَّاسَ بِالْجَابِیَۃِ، فَقَالَ: نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ، اِلَّا مَوْضِعَ اُصْبُعَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةٍ اَوْ اَرْبَعَةٍ وَاَشَارَ بِكَفِّهِ۔" (مسند احمد ج:۱ ص:۵۱)

ترجمہ:..... "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام جابیہ میں خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ خطبہ دیا تھا، جہاں کہ میں تمہیں خطبہ دے رہا ہوں، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ: میرے اصحاب کے بارے میں خیر کی وصیت قبول کرلو، پھر ان کے بعد جو آئیں گے اور وہ جو ان کے پیچھے ہوں گے، پھر جھوٹ پھیل جائے گا، یہاں تک کہ ایک آدمی ابتدا کرے گا شہادت کی اس سے پہلے کہ اس سے سوال کیا جائے، تم میں سے جو شخص جنت کے وسط میں جانا چاہتا ہو، اس کو چاہئے کہ جماعت کو لازم پکڑے، کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے دور ہوتا ہے، تم میں سے کوئی آدمی کسی غیر عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے، کیونکہ وہاں تیسرا شیطان ہے اور جس شخص کو اس کی نیکی خوش کردے اور اس کی برائی اس کو غمگین کردے وہ مؤمن ہے۔"

"حضرت سوید بن غفلہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا، ہاں دو انگلی کی مقدار یا تین کی یا چار انگلی کی مقدار کی اجازت ہے۔"

صحابہؓ کے بارے میں خیر کی وصیت:

حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی خطبے کا حوالہ دیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں خیر کی وصیت قبول کرو، مطلب یہ کہ میں تمہیں ان کے بارے میں خیر کا گمان رکھنے کی وصیت کرتا ہوں اس وصیت کو یاد رکھو۔

امت میں سب سے بہتر:

امت میں صحابہؓ سب سے بہتر ہیں اور اس کے بعد وہ جو ان کے پیچھے ہوں گے، مراد اس سے تابعینؒ ہیں اور پھر وہ جو ان سے پیچھے ہوں گے، اس سے مراد تبع تابعینؒ ہیں، پھر فرمایا کہ اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا، یہاں تک کہ ایک آدمی شہادت دینے کے لئے تیار ہوگا، خواہ اس سے شہادت طلب نہ کی جائے۔

صحابی کی تعریف:

''صحابی'' ان لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو، مشہور قول علماءؒ کا یہی ہے کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس پر پڑی، کوئی نابینا ہے یا چھوٹا شیر خوار بچہ ہے، وہ بھی صحابی ہے، تو ہر وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا ہو، وہ صحابی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔

صحابی کی شرائط:

اگر کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو وہ صحابی نہیں ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے بعد کسی کو زیارت ہوئی (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے) تو وہ صحابی نہیں، صحابی ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اِس زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ تمام انبیأ کرام کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج میں دو مرتبہ ہوئی تھی، ایک مرتبہ زمین پر جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیأ کرام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی اور دوسری مرتبہ آسمانوں پر۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انبیأ کرام کا ملاقات کرنا ثابت ہے لیکن وہ صحابی نہیں کیونکہ ان انبیأ کرام نے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے، وہ صحابی ہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی وفات سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔

نبی صحابی:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ابھی نہیں ہوئی، وہ زندہ ہیں، اس لئے حافظ نے ''الاصابہ'' میں جس میں صحابہ کرامؓ کے حالات جمع کئے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مستقل طور پر تذکرہ کیا ہے اور کہا کہ وہ قطعی صحابی ہیں۔

حضرت خضر کا بھی انہوں نے تذکرہ کیا ہے لیکن یہ لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ صحابی ہیں یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زندہ تھے یا نہیں؟ صوفیأ کہتے ہیں کہ زندہ تھے اور اب بھی زندہ ہیں اور محدثین کہتے ہیں کہ نہیں! ان کی وفات ہوگئی ہے۔

چار زندہ نبی:

''شرح عقائد'' کے حاشیہ میں علامہ خیالی نے لکھا ہے کہ محقق علمأ کے نزدیک چار انبیأ کرام علیہم السلام زندہ ہیں، حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

آسمان پر اور حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام زمین پر، لیکن جیسا کہ میں نے ذکر کیا حضرت خضر، حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہم السلام کے بارے میں بھی علمأ کا اختلاف ہے کہ زندہ ہیں کہ نہیں؟

حیاتِ عیسیٰؑ پر اجماعِ امت:

لیکن حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے زندہ ہونے میں کسی ایک متنفس کا بھی اختلاف نہیں، پوری امت میں ایک عالم نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلامت باکرامت آسمان میں زندہ ہونا اسلام کا متواتر اور قطعی عقیدہ ہے اور تمام علمأ امت کا اجماعی عقیدہ ہے، اس کا منکر صرف فاسق اور گمراہ نہیں بلکہ سیدھا سیدھا کافر ہے، تو خیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی صحابہؓ میں شامل ہیں۔

حضرت شمس الدین ذہبیؒ کی کتاب ہے، ''تجرید اسمأ صحابہ'' دو جلدوں میں ہے، اس میں زیادہ حالات نہیں لکھے صرف نام لکھے ہیں، صحابہ کے ناموں کی تجرید کی ہے یا کسی کے بارے میں معلوم ہوگیا تو اس کا سن وفات لکھ دیا۔ اس کتاب میں بھی انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ چونکہ ان کی ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہوئی ہے، اس لئے وہ نبی بھی ہیں، رسول بھی ہیں اور صحابی بھی ہیں۔

شیخینؓ سے افضل صحابی:

اور ساتھ لکھتے ہیں کہ ایک پہیلی پوچھی جاتی ہے کہ بتاؤ وہ کون سا صحابی ہے جو حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے بھی افضل ہے؟ صحابہؓ کی جماعت میں سب سے افضل تو حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں، بتاؤ وہ کون سا صحابی ہے جو حضرات

ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے افضل ہے؟ اور فرماتے ہیں کہ جواب یہ دیا جاتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں، اس لئے کہ وہ صحابی ہیں، ان کو صحابی کہنا بھی ٹھیک ہے، لیکن مستقل نبی اور رسول بھی ہیں، اور انبیائے کرام علیہم السلام کا حضرات شیخینؓ سے افضل ہونا واضح ہے۔ تو صحابی وہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو اور زیارت بھی بحالت حیات دنیاوی اور بیداری میں کی ہو۔

صحابی کی دوسری شرائط:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگر کسی بزرگ کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی لیکن آپؐ سے ملاقات نہیں ہوسکی تو وہ صحابی نہیں، یہ حضرت سوید بن غفلہؒ جن کی روایت نقل کی ہے، اس دن یہ مدینہ طیبہ پہنچے جس دن صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرکے ہاتھ جھاڑ رہے تھے، اس لئے صحابی نہ ہوسکے البتہ اکابر تابعینؒ میں سے ہیں، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور ان سے روایتیں لیں، لیکن قسمت کی بات کہ ان کے آنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوچکا تھا اور آپؐ کو دفن کیا جاچکا تھا اس لئے صحابی نہ ہوسکے۔

صحابی ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس نے اسلام کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے وہ لوگ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی لیکن آپؐ کے زمانے میں اسلام نہیں لائے، بلکہ بعد میں اسلام لائے، وہ صحابی نہیں۔

ایک سوال:

یہاں آپ یہ سوال کرسکتے ہیں کہ بتاؤ وہ کون سا آدمی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور مسلمان بھی ہے، لیکن وہ صحابی نہیں تھا، اس کا

جواب یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفر کی حالت میں دیکھا لیکن آپؐ کی زیارت اسلام کی حالت میں نہیں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اس وقت ہوئی جب یہ مسلمان نہیں تھا، اور اسلام لایا اس وقت جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما چکے تھے۔

ارتداد کے بعد اسلام لانے سے شرفِ صحابیت کا حکم:

صحابی ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو، اگر کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں، اپنی زندگی میں اور اسلام کی حالت میں دیکھا لیکن نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ بعد میں مرتد ہوگیا، تو وہ بھی صحابی نہیں بلکہ مرتد ہوتا ہے، اب تو لوگ مرتدوں کو بھی شہید کہتے ہیں، ہاں اگر مرتد ہوگیا تھا اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے پھر اسلام لانے کی توفیق دے دی اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا تو درمیان کا جو ارتداد ہے اس کا اعتبار نہیں ہوگا، اس کو بھی صحابہ کی صف میں شمار کیا جائے گا۔

اس میں اشکال ہوتا ہے کہ مرتد ہونے سے تو تمام اعمال حبط ہوجاتے ہیں، نعوذ باللہ پہلے کا کیا کرایا سب غارت اور اکارت ہوگیا، اگر حج کیا تھا پھر مرتد ہوگیا تھا تو اسلام لانے کے بعد اس آدمی کو نئے سرے سے دوبارہ حج کرنا ہوگا، مرتد آدمی کا بیوی سے نکاح فسخ ہوجائے گا، مسلمان ہوگیا تو دوبارہ نکاح کی تجدید بھی کرنی پڑے گی، ایمان کی تجدید کرے، نکاح کی تجدید کرے اور اپنے اعمال کی بھی تجدید کرے، تو اگر کوئی شخص صحابی تھا پھر نعوذ باللہ مرتد ہوگیا، پھر اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اسلام لے آیا تو اس شخص کو تو صحابی نہیں کہنا چاہئے، کیونکہ درمیان میں کفر آگیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوبارہ اسلام لانے سے اور اعمال تو نہیں لوٹیں گے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا جو شرف تھا وہ دوبارہ لوٹ آئے گا۔

صدیق اکبرؓ کا معیار:

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ ایسے چند آدمی جو فتنے کی وجہ سے اسلام سے پھر گئے اور بعد میں مسلمان ہوگئے تھے، ان کے دوبارہ اسلام لانے کے بعد صحابہ کرامؓ نے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو صحابہ کرامؓ سے کیا جاتا تھا، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں کسی علاقے کا گورنر، کسی علاقے کا سپہ سالار، کسی فوجی دستے کا سردار، رئیس، کسی جماعت کا امیر، کوئی قاضی یا کوئی عہدہ سوائے صحابی کے کسی اور کو نہیں دیا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تو بہت ہی مختصر تھا، صرف دو سال سات ماہ۔ تو ان کے دورِ خلافت میں جتنے بھی عاملین تھے صحابی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی یہ شرط قائم رہی حالانکہ بہت سارے لوگ اسلام میں داخل ہوگئے تھے اور ان میں تو بعض بہت فاضل بھی تھے، لیکن کسی غیر صحابی کو حکومت کا کوئی عہدہ نہیں دیا گیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے بارے میں اتنی سی بات معلوم ہوجائے کہ وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فلاں عہدہ پر فائز تھا، یا ان کو امیر بنایا گیا تھا، یا قاضی بنایا گیا تھا، یا اسے صدقات کی تحصیل اور وصولی پر مقرر کیا گیا تھا یا فلاں کام ان کے سپرد تھا، جس شخص کے بارے میں یہ بات ثابت ہوجائے تو یقین کرلینا چاہئے کہ وہ صحابی ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں سوائے صحابہؓ کے کسی اور کو کوئی عہدہ دیا ہی نہیں جاتا تھا، یہ ایک مسئلہ ہوا صحابی کا، اس کے بعد ہے، تابعی۔

تابعی کی تعریف:

''تابعی'' اس کو کہتے ہیں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کو دیکھا یعنی صحابہؓ کو دیکھا، پھر ان کے مختلف طبقات ہیں، بعض ان میں سے پہلے درجے

کے ہیں جیسے کہ میں نے ابھی حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ کا ذکر کیا، اگر ایک دن پہلے پہنچ جاتے تو صحابہؓ کے زمرے میں داخل ہوجاتے، لیکن اب تابعینؒ کے زمرے میں داخل ہیں، یہ اکابر تابعی ہیں اور کچھ تابعین درمیانے طبقے کے ہیں اور کچھ چھوٹے طبقے کے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ تابعی:

ہمارے امام ابوحنیفہؒ حضرات تابعینؒ کے اسی طبقے میں ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو جن کی رہائش بصرہ میں تھی ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور حضرت مالک بن حویرس رضی اللہ عنہ کو جن کی رہائش کوفہ میں تھی، ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، دو صحابہؓ کو دیکھنا تو قطعی طور پر ثابت ہے، ان کے علاوہ کوئی دس صحابہؓ ایسے تھے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں حیات تھے، ان سے ملاقات کرنا اور ان کو دیکھنے کا احتمال ہے، بہرحال اس پر محدثینؒ متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں، یعنی صحابہ کرامؓ کے دیکھنے کی وجہ سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس فضیلت میں داخل ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> ”خَیرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ.“ (مشکوٰۃ ص:۵۵۳)
>
> ترجمہ:......”میری امت کا سب سے بہتر طبقہ میرا طبقہ ہے، یعنی صحابہ، ان کے بعد وہ لوگ جو ان کے پیچھے آرہے ہیں، یعنی ان کے دیکھنے والے اور ان کے بعد وہ لوگ جو ان کے پیچھے ہوں گے، یعنی تبع تابعین۔“

تو حضرت امام ابوحنیفہؒ اس خوش قسمت جماعت میں شامل ہیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کا دیدار حاصل ہے اور جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے خیر ہونے کی سند عطا فرمائی ہے۔

ائمہ ثلاثہ تبع تابعین:

دوسرے درجہ پر ائمہ اربعہ ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی جماعت میں سے یہ شرف صرف امام ابوحنیفہؒ کو حاصل ہے اور کسی کو حاصل نہیں، امام مالکؒ تبع تابعین میں سے ہیں، یعنی تابعین کو دیکھنے والے ہیں، اسی طرح امام شافعیؒ ہیں، کیونکہ یہ زمانہ بہت لمبا چلا گیا ہے، یعنی ایک سو سال تک تبع تابعینؒ کا زمانہ ہے، امام احمد بن حنبلؒ کے درمیان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم سے کم تین واسطے آتے ہیں، اس سے کم واسطے نہیں۔

امام بخاریؒ کا درجہ:

امام بخاریؒ، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد کے شاگرد ہیں، اصل میں تو امام بخاریؒ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں، امام شافعیؒ، امام محمدؒ کے شاگرد ہیں، امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ اتنے واسطوں سے امام بخاریؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ بڑا استاذ لمبی عمر والا مل گیا، چنانچہ خوش قسمتی سے امام بخاریؒ کو بھی ایک لمبی عمر والے استاذ مل گئے تھے، جن کا نام ہے: مکی بن ابراہیمؒ، یہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں، اٹھارہ حدیثیں صحیح بخاری میں ثلاثی ہیں، یعنی امام بخاریؒ کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، صحابی، تابعی اور تبع تابعی اور بس، تو امام بخاریؒ سے لے کر امام شافعیؒ تک اس طبقے کے لوگ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین واسطوں سے شاگرد ہیں، یعنی ان کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم سے کم تین واسطے ہیں، امام مالکؒ مقدم ہیں کہ وہ امام شافعیؒ کے استاذ ہیں، ان کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم سے کم دو واسطے ہیں، ایک تابعی کا، ایک صحابی کا، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے

درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف ایک یعنی صحابی کا واسطہ ہے، اگرچہ بعض روایتوں میں دو دو، تین تین، چار چار واسطے بھی آجاتے ہیں، تو یہ شرف امام ابوحنیفہؒ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔

افضل صحابہ؟

اس میں اعتراض ہوا ہے کہ تابعین میں سے افضل کون ہے؟ اور صحابہؓ کی جماعت میں سب سے افضل کون ہے؟ تو حضرات صحابہ کرامؓ میں سے حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اجمعین، اس کے بعد عشرۂ مبشرہ حضرات طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح، سعید بن زید رضوان اللہ علیہم اجمعین، کو ملا کر عشرۂ مبشرہ بن جاتے ہیں، جو صحابہ کرامؓ میں سے افضل ہیں۔

افضل تابعیؒ:

لیکن اس میں اختلاف ہوا ہے کہ تابعینؒ میں سب سے افضل کون ہے؟

کسی نے کہا کہ اویسؒ قرنی ہیں، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ یہ صاحب آئیں گے ان سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کروانا، تو بڑا رشک آیا کہ حضرت عمرؓ جیسے آدمی کو کہا جائے کہ ان سے دعا کرواؤ۔

بعض نے کہا کہ سید التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ ہیں، کسی نے کچھ کہا، اور کسی نے کچھ کہا اور چلتے چلتے بات یہاں تک آگئی کہ افضلیت کے معنی کیا ہیں؟ اگر افضلیت کے معنی کثرت ثواب ہیں تو امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے، اگرچہ چھوٹے درجہ کے تابعی ہیں، ایک دو صحابہؓ کو دیکھا یا پانچ سات کو دیکھا، لیکن ان سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے کہ ان کے بعد آنے والی دو تہائی امت ان کے مذہب پر عمل کرتی ہے اور یہ شرف کسی اور کو حاصل نہیں۔

سفیان بن عیینہؒ کی شہادت:

امام سفیان بن عیینہؒ دو چیزوں کے بارے میں بڑے مزے سے کہتے تھے کہ میرا خیال تو یہ تھا کہ کوفے کے پل سے آگے نہیں جائیں گی یہ تو آسمانوں کے کناروں تک پہنچ گئی ہیں۔ ایک امام ابوحنیفہؒ کی فقہ، دوسرے امام عاصمؒ کی قرأت، قرآن کریم کی یہ قرأت جو ہم پڑھ رہے ہیں یہ امام عاصم کی قرأت ہے، ان کے راوی امام حفصؒ ہیں، حضرت سفیان بن عیینہؒ کہتے تھے کہ میرا خیال تھا کہ اس قرأت کو کوئی نہیں لے گا اور کوفے کے اندر ہی رہے گی، لیکن انہوں نے تو پورے آفاق کو اتار دیا، کہنا یہ تھا کہ بندوں کو وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ جو کچھ بھی ہوا منجانب اللہ ہوا، کسی بندہ کا اس میں دخل نہیں ہے۔

معاندین کی کوشش:

بہت سارے لوگ بلکہ ایک مستقل طبقہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے زمانے سے لے کر آج تک چاقو چھری لے کر یہ اعزاز چھیننے کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ایسے ایسے گندے فتوے دیئے گئے ہیں کہ کوئی حد نہیں اور ایسے ایسے الزامات عائد کئے گئے ہیں کہ عقل حیران ہے کہ کوئی دماغ میں مغز رکھنے والا آدمی یہ سوچ سکتا ہے؟ لیکن بہرحال الزام لگائے گئے ہیں، ان تمام مخالفتوں کے باوجود دیکھنے والوں نے دیکھا اور آج تک دیکھ رہے ہیں کہ امت کی دو تہائی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عامل ہے، اور یہ بات صرف ہم نہیں کہتے سب نے کہی ہے، شافعی بھی مانتے ہیں، مالکی بھی مانتے ہیں اور حنبلی بھی مانتے ہیں، تو جب دو تہائی امت کے لوگ فقہ حنفی پر عمل پیرا ہیں تو اس میں کوئی تو اللہ تعالیٰ کا راز تھا اور دو تہائی امت کا ثواب ان کے نامہ عمل میں لکھا جارہا ہے، کیونکہ استاذ کے نامہ عمل میں شاگرد کے اعمال لکھے جاتے ہیں، تو اس لئے لکھنے والوں نے ٹھیک کہا اور کچھ غلط نہیں

کہا کہ اگر فضیلت سے کثرت ثواب مراد ہے تو یہ کہنے کی اجازت دے دیجئے کہ افضل التابعین امام ابوحنیفہؒ ہیں، اس لئے کہ مستقل طور پر اتنی بڑی امت ان کے مذہب پر عمل کر رہی ہے جس کا ثواب ان کو پہنچ رہا ہے۔

ایک لطیفہ:

مجھے ایک لطیفہ یاد آیا ہے، پہلی التحیات میں عبده ورسوله تک تشہد پڑھا جاتا ہے، اور اس کے بعد اٹھ جاتے ہیں، اگر کوئی شخص درود شریف پڑھ لے حالانکہ اس کو اٹھنا تھا، لیکن وہ درود شریف پڑھ لے اور صرف ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی'' تک ہی پڑھا تھا کہ اس کو یاد آ گیا کہ مجھے تو اٹھنا تھا اور پھر وہ اٹھ جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں، لیکن ''مُحَمَّدٍ'' کہہ دیا تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔ تو ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرا نام لینے پر سجدہ سہو واجب کر دیتے ہو؟ فوراً عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کا نام اگر غفلت سے لیا جائے تو سجدہ سہو واجب کرتا ہوں، اس جرم میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام غفلت سے کیوں لیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جواب سے بہت خوش ہوئے۔ مسئلہ تو یہ ہی تھا کہ بھول کر، غفلت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے رہا ہے، جہاں نام نہیں لینا چاہئے تھا۔

تبع تابعین کی تعریف:

اب ان کے بعد ''تبع تابعین'' یعنی وہ تمام حضرات جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا، یہ تیسرے درجے میں آ گئے، ان تین لوگوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یہ امت میں سب سے بہتر تھے اور میری تاکید اور وصیت ان کے بارے میں بہتری کی ہے، اس کو قبول کرو۔

خیرالقرون کا عمل حجت ہے:

لیکن اب امت کی بدقسمتی یہ ہے کہ سب سے زیادہ تنقید انہیں تین طبقوں پر ہوتی ہے، صحابہ کرامؓ پر، تابعینؒ پر، تبع تابعینؒ پر، میں نے عرض کیا کہ امام احمد بن حنبلؒ تک تبع تابعین کا زمانہ پورا ہوجاتا ہے، یہ تین زمانے خیر کے زمانے ہیں، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو عمل صحابہ کرامؓ کے زمانے میں رواج پاگیا، صحابہؓ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، جو عمل تابعینؒ کے زمانے میں رواج پاگیا اور اکابر تابعینؒ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی اور اسی طرح تبع تابعینؒ کے زمانے میں جو عمل رواج پاگیا اور اس طبقہ کے اکابرؒ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، اس پر ٹوکا نہیں کہ غلط کر رہے ہو، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت کا یہ مسئلہ برحق ہے، اس لئے کہ یہ تین طبقے ایسے تھے کہ شریعت کے خلاف بات کو برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے، اس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

خیرالقرون اور غیر شرعی عمل:

چنانچہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے:

”عَنْ عَمَّارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ اَنَّهُ رَاٰی بِشْرَ بْنَ مَرْوَان عَلَى الْمِنبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ، فَقَالَ: قَبَّحَ اللهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ، لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيْدُ عَلٰی اَنْ يَّقُوْلَ بِيَدِه هٰكَذَا وَاَشَارَ بِاُصْبُعِهِ الْمُسَبَّحَةِ.“

(مشکوٰۃ ص:۱۲۴)

ترجمہ:...... ”حضرت عمارہ بن رویبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو دیکھا کہ خطبہ دے رہا تھا (اور جس طرح ہمارے خطیبوں کو آپ نے دیکھا ہوگا اِدھر اُدھر ہاتھ مار رہے ہوتے ہیں، وہ بھی اسی طرح ہاتھوں کو مار رہا تھا) یہ

صحابی بھی اس خطبے میں موجود تھے، کہنے لگے کہ: اللہ تعالیٰ دونوں
ہاتھوں کو برا کرے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا
ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تھے تو ایک انگلی کے
اشارے سے زیادہ ہاتھ کو حرکت نہیں دیتے تھے، یعنی انگلی سے
اشارہ کردیا کرتے تھے۔"

اتنی بات پر بھی صحابہؓ نکیر فرما رہے ہیں کہ یہ خطبہ دیتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کر رہا ہے۔

بلا طلب شہادت:

اس کے بعد فرمایا پھر کچھ اور لوگ آئیں گے، ان سے شہادت مانگی نہیں جائے گی بلکہ شہادت دینے اور گواہی دینے کے لئے تیار ہوں گے۔

اور دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ حضرت عمرؓ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہی کا حوالہ دے رہے ہیں:

"ثُمَّ يَأْتِيْ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَتُهُمْ يَمِيْنَهُ وَيَمِيْنُهُ مِنْ شَهَادَتِهٖ."

ترجمہ:...... "پھر ایک قوم آئے گی کہ یہ قسم کھانے سے پہلے شہادت دینا چاہیں گے اور شہادت دینے سے پہلے قسم کھانا چاہیں گے، یعنی جھوٹی گواہی دیں گے اور جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔"

عدل و انصاف کا معیار:

یہاں پر ایک بات عرض کردوں کہ عدل و انصاف کا مدار صحیح فیصلہ پر ہے، اور صحیح فیصلہ کا مدار صحیح شہادت پر ہے، کیونکہ سامنے ریکارڈ پر جیسی شہادتیں آئیں گی،

قاضی اسی کے مطابق فیصلہ کرے گا، تو عدل و انصاف کا مدار ہے صحیح فیصلے پر اور صحیح فیصلے کا مدار ہے صحیح شہادت پر، اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ جس معاشرے میں چائے کی پیالی پر اور سگریٹ کی ڈبیہ پر گواہ مل سکتے ہوں، اس معاشرے میں شہادت کا معیار کیا ہوگا؟ اور جب شہادت کا معیار یہ ہے تو صحیح فیصلے کیسے ہوں گے؟ اور جب فیصلوں کا معیار یہ ہے تو عدل و انصاف کیسے قائم ہوگا؟

سب سے پہلے انصاف کا قتل ہوگا:

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا غالباً مسند احمد کے حوالے سے جامع صغیر میں یہ روایت موجود ہے کہ اسلام کے تمام حلقوں کو ایک ایک کر کے توڑ دیا جائے گا، سب سے پہلے جس چیز کو توڑا جائے گا وہ انصاف کے مطابق فیصلہ کرنا ہے، یہ چیز سب سے پہلے توڑ دی جائے گی اور آخر میں جو چیز ٹوٹے گی وہ نماز ہے، اب تو مدت ہو چکی نماز بھی ٹوٹ چکی ہے۔

موجودہ عدالتیں:

عدالتوں کے نام سے بڑی بڑی بلڈنگیں بناؤ اور قاضیوں کو، جج حضرات کو، موٹی موٹی تنخواہیں دو اور پروپیگنڈا کرو، ڈھول پیٹو کہ ہمارے یہاں عدلیہ آزاد ہے جبکہ آزاد نہیں ہے، لیکن کچھ بھی کر لو یہاں انصاف نہیں مل سکے گا۔ اس لئے کہ پولیس نے جو مقدمہ بھی قائم کرنا ہو اسے گواہی کے لئے آدمی مل جاتے ہیں، اس کے لئے انہوں نے ٹاؤٹ رکھے ہوئے ہیں، ان کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں، یہ عدالتیں بھی جانتی ہیں کہ وکیل صاحب سب سے پہلے جھوٹ بلواتے ہیں، ایک مقدمہ بھی ایسا نہیں ہوگا جس میں ساٹھ فیصد جھوٹ نہ بولا گیا ہو، یا مدعی اور سائل نے اپنی درخواست میں کم سے کم ساٹھ فیصد جھوٹ نہ ملایا ہو اور بعض دفعہ تو ایک سو ایک فیصد جھوٹ ہوتا ہے، یعنی جو جھوٹ ہے اس میں مزید ڈبل اضافہ ہوتا ہے، گواہ بدلے جاتے ہیں،

وکیل جو جرح کرتے ہیں وہ جھوٹی ہوتی ہے اور جج فیصلہ لکھتا ہے وہ جھوٹا ہوتا ہے، مگر نام رکھا جاتا۔ہے انصاف، یہ تو بات نیچے سے بگڑی ہوئی ہے۔

نیچے سے اوپر تک رشوت:

میرے ایک دوست چند دن پہلے آئے کہنے لگے میرا لڑکا انجینئر ہے، اور اس کو ملازمت مل رہی ہے، میں نے اس کو کہا کہ بیٹا رشوت نہیں لوگے، وہ لڑکا بھی ساتھ آیا تھا، یہ کہہ رہا ہے کہ میں نہیں لوں گا، مگر اوپر والے جو مانگیں گے اس کا میں کیا کروں گا؟ ہر ادارے میں یہی ہوتا ہے۔ رشوت صرف رشوت لینے والا نہیں لیتا بلکہ وزیر صاحب تک اور اگر یہ کہا جائے کہ صدر صاحب تک یہ رشوت جاتی ہے تو بالکل بجا ہے، ہاں تو یہ سلسلہ وزیر تک پہنچتا ہے، نیچے چپڑاسی سے لے کر اوپر تک ہے، یہ جتنی لاقانونیت ہو رہی ہے، کیا یہ ساری کی ساری چھوٹے کر رہے ہیں؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ! ان کی کیا مجال ہے؟ بلکہ یہ لاقانونیت بڑے اعلیٰ افسروں کے ذریعہ سے ہو رہی ہے، جن کو قانون نافذ کرنا ہے اور جو قانون کے محافظ ہیں وہ قانون شکنی کر رہے ہیں۔

برے دور کی علامت:

تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ان تین زمانوں کے بعد پھر کچھ ایسے لوگ آئیں گے کہ شہادت دینے سے پہلے قسم کھانا چاہیں گے اور قسم کھانے سے پہلے گواہی دینا چاہیں گے، یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ قسم پہلے کھانا چاہتا ہے یا گواہی پہلے دینا چاہتا ہے۔

لیکن ایک بات یاد رکھو! بدگمانی کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں کہ امت میں بگڑے ہوئے افراد ہیں، اور یہ بگاڑ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے، ایک زمانہ تھا کہ بگڑے ہوئے لوگ تھوڑے تھے، اچھے لوگ زیادہ تھے، اور پھر چلتے چلتے بگڑے ہوئے لوگوں کا گراف اونچا ہوتا گیا اور اچھے لوگوں کا گراف نیچے ہوتا گیا اور اب اکثریت میں بدی

کے جراثیم آگئے ہیں۔

اہل حق اب بھی باقی ہیں:

لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ اب پوری کی پوری امت ہی ایسی ہے، نہیں، بلکہ اب بھی کچھ اچھے ضرور ہیں، اس لئے کہ یہ بات ذہن میں رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللهِ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ اَوْ خَالَفَهُمْ ... الخ."

(مسند احمد ج:۴ ص:۱۰۱)

ترجمہ:..... "میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی (قولاً، عملاً، سیرتاً اور اخلاقاً)، جو ان کی مخالفت کرے یا ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا (وہ اپنا کام کرتی رہے گی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے اور عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوجائیں۔"

کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا آنا یہ قیامت کی علامت ہے تو قیامت تک ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، عقیدہ کے اعتبار سے بھی، عمل کے اعتبار سے بھی، سیرت و اخلاق کے اعتبار سے بھی، طور وطریقہ کے اعتبار سے بھی، اس لئے اس قسم کی بات سن کر بھائی! پوری امت کو نہ لپیٹا جائے، اچھے لوگ بھی ہیں اور ہر زمانے میں رہے ہیں، اگرچہ دن بدن تھوڑے ہوتے جارہے ہیں، ان میں کمی آتی جارہی ہے اور ہم جیسے لوگ بڑھ رہے ہیں، لیکن کبھی ختم نہیں ہوئے۔ جیسا کہ اکبرالٰہ آبادی نے کہا ہے:

خدا کی یاد میں دنیائے دوں سے منہ جو موڑے ہیں
وہی انسان اچھے ہیں مگر افسوس تھوڑے ہیں

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین
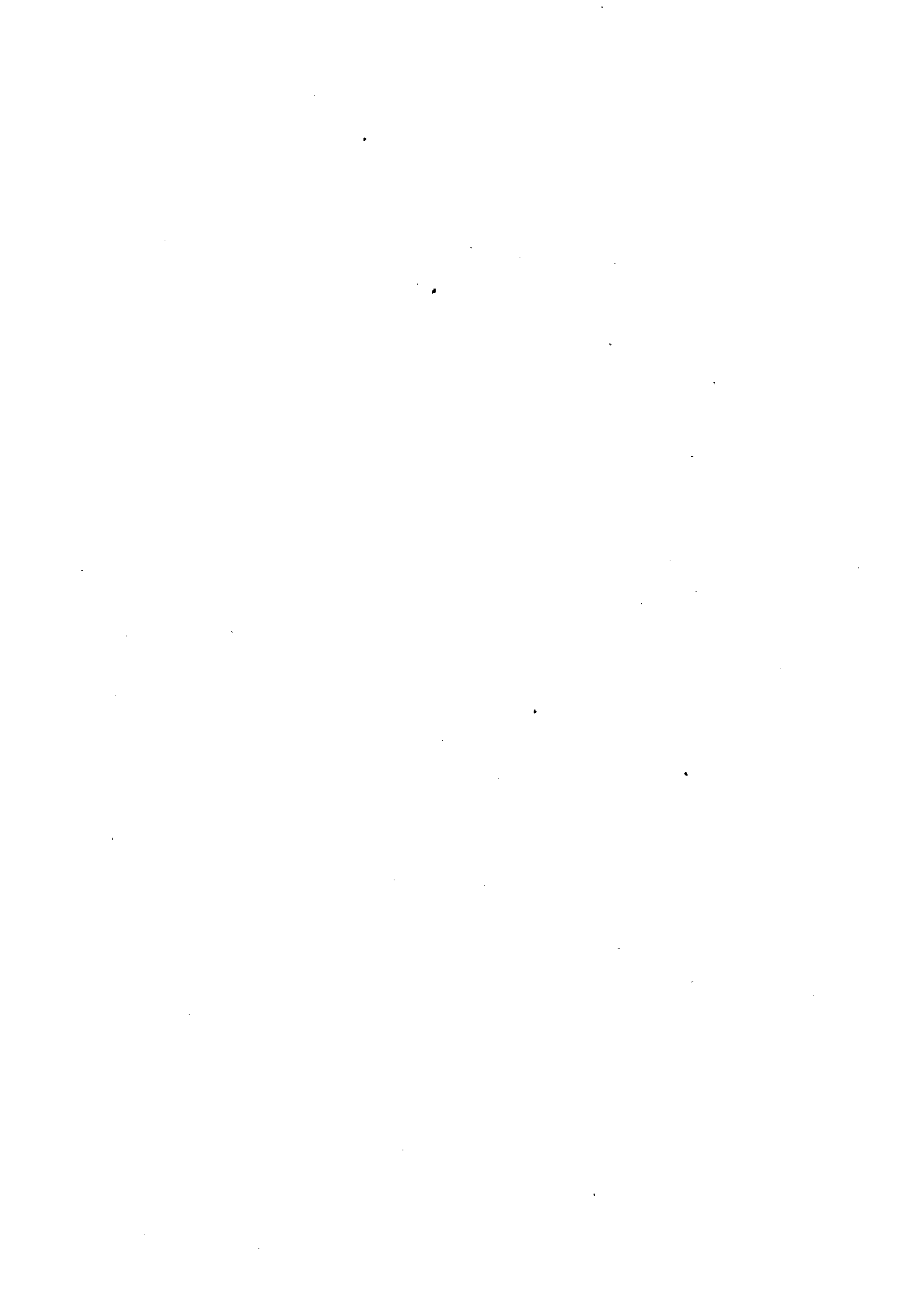
جہاد میں
صحابہؓ کی مدد کو فرشتوں کا آنا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے:

"بَلٰی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَأْتُوْكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ. وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ. لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ."

(آل عمران: ۱۲۵ تا ۱۲۷)

ترجمہ:...... "کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ تم پر حملہ آور ہوں، تو تمہاری اسی حالت میں مدد کرے گا تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جو خاص نشان رکھتے ہوں گے، اور نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے اس کو مگر محض خوشخبری

تمہارے لئے اور تاکہ مطمئن ہوجائیں تمہارے دل اس کے
ساتھ اور مدد نہیں ہوتی مگر اللہ کے پاس، جو بڑا زبردست، بڑی
حکمت والا ہے، تاکہ وہ کاٹ ڈالے اور ہلاک کرڈالے ایک
حصہ ان کافروں کا یا ان کو ذلیل کرے، پس وہ لوٹیں گے نامراد
اور ناکام ہوکر۔"

بدر میں فرشتوں کی تعداد:

اس سے قبل میں نے عرض کیا تھا کہ جنگ بدر میں کتنے فرشتے نازل ہوئے تھے، اس سلسلے میں سورۂ الانفال میں تو وعدہ فرمایا تھا کہ ایک ہزار فرشتے نازل کریں گے اور یہاں دو وعدے ہیں، ایک وعدہ تو غیر مشروط یعنی اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائیں گے۔ اور دوسرا وعدہ مشروط ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر تم صبر سے کام لو، تقویٰ اختیار کرو، بشرطیکہ وہ تم پر فوری طور پر حملہ آور ہوں تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائیں گے۔

پانچ ہزار کا وعدہ کس غزوہ کے لئے؟

اب اس میں گفتگو ہوئی ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل کرنے کا یہ وعدہ جنگ بدر سے متعلق ہے یا جنگ احد سے متعلق ہے؟ اور پھر یہ کہ یہ پانچ ہزار فرشتے نازل کئے گئے یا نہیں؟

بعض اکابرؒ اس طرف گئے ہیں کہ یہ وعدہ غزوۂ احد سے متعلق تھا، تین ہزار فرشتے نازل کرنے کا وعدہ تو جنگ بدر میں ہوا اور پانچ ہزار فرشتے نازل کرنے کا وعدہ جنگ احد سے متعلق تھا جو کہ ان تین مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ مشروط تھا لیکن اس میں مسلمانوں میں سے بعض افراد نے تھوڑا سا بے صبری سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ کی یہ مدد نہیں آئی اور مسلمانوں کو ظاہری طور پر شکست ہوئی، لیکن عام علماً کا قول یہ ہے کہ یہ

تیسرا وعدہ بھی جنگ بدر سے متعلق ہے، گویا تین وعدے ہوئے۔

پہلا وعدہ:

پہلا وعدہ تھا ایک ہزار فرشتے نازل کرنے کا جو کہ سورۃ الانفال میں ذکر کیا گیا وہ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے استغاثہ پر یعنی ان کے فریاد کرنے پر نازل فرمائے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ." جب تم اپنے رب سے فریادیں کر رہے تھے تو انہوں نے تمہاری فریاد کو سن لیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ "مُرْدِفِيْنَ" جو لگاتار، پے در پے آرہے تھے۔

دوسرا وعدہ:

دوسرا وعدہ بھی جنگ بدر سے متعلق ہے اور اس سلسلے میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے فرما رہے تھے کہ کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتوں سے جن کو آسمان سے نازل کیا جائے گا۔ اگرچہ زمین میں فرشتے بہت ہیں ان سے بھی مسلمانوں کی مدد کا کام لیا جاسکتا تھا، لیکن یہ حق تعالیٰ شانہ کی خاص عنایت تھی کہ آسمان سے فرشتے نازل فرمائے تو یہ تین ہزار فرشتے بھی نازل ہوئے۔

تیسرا وعدہ:

رہا تیسرا وعدہ پانچ ہزار فرشتے نازل کرنے کا، یہ اس وقت سے متعلق ہے جبکہ مسلمانوں کو اطلاع پہنچی کہ ایک ہزار مکہ کے کافر تو جنگ بدر میں آئے ہوئے ہیں لیکن کچھ باہر کے سردار اور رئیس بھی ان کافروں کی مدد کے لئے آرہے ہیں، ظاہر بات ہے کہ اس خبر سے مسلمانوں کو مزید پریشانی ہوئی، قرض بن جابر کے بارے میں اطلاع پہنچی کہ وہ بھی کافروں کی مدد کے لئے لشکر لے کر آرہا ہے تو اس وقت وعدہ

فرمایا گیا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہم پانچ ہزار فرشتے بھیج دیں گے، تو یہ ایک ہزار اور تین ہزار اور پانچ ہزار یہ کل مجموعی تعداد ہوئی۔

فرشتوں کی مجموعی تعداد:

مطلب یہ ہے کہ پہلے ایک ہزار تھے، پھر دو ہزار مزید نازل ہوئے تین ہزار ہوگئے، پھر دو ہزار مزید نازل کرنے کا وعدہ فرمایا تو پانچ ہزار ہوگئے، تو مجموعی تعداد کو ذکر فرمایا ہے ورنہ کل تعداد تو نو ہزار فرشتوں کی بن جاتی ہے، لیکن یہ شرط کیوں نہیں پائی گئی وجہ یہ ہے کہ وہ کافر (جس کے بارے میں اطلاع ملی تھی کہ وہ بھی ان کی مدد کے لئے آرہا ہے، وہ نہیں آیا، کیونکہ اس کو) وہاں اطلاع پہنچی تھی کہ وہ کافر تو مار کھا رہے ہیں، اس لئے اس نے ہمت ہار دی، ان کو شکست ہو رہی ہے تو وہ بھی ڈر گیا اور نہیں آیا، اس لئے پانچ ہزار فرشتوں کے بھیجنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

فرشتوں کی آمد کا مقصد:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ایک ہزار یا تین ہزار یا پانچ ہزار فرشتوں کے بھیجنے کی ضرورت کیا تھی؟ فرشتہ تو ایک ہی کافی ہے، اللہ تعالیٰ نے جب حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قوم لوط کی بستیاں الٹنے کا حکم فرمایا تھا تو اکیلے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام علاقے کو ایک انگلی پر اٹھالیا تھا، اور شہر سدوم کو ایک انگلی پر اٹھا کر پٹخ دیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر فرشتوں کو مدد کے لئے بھیجا جائے اور فرشتے آکر جنگ میں لڑیں تو پھر مسلمانوں کو لڑنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ ایک ہی فرشتہ سارے کافروں کو مار ڈالے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ فرشتوں کو لڑنے کے لئے نہیں بھیجا جاتا، بلکہ مسلمانوں کی تقویت کے لئے، ان کی ڈھارس بندھانے کے لئے اور ان میں قوت پیدا کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

غزوات شریفہ میں فرشتے نازل ہوتے تھے لیکن ان سے لڑائی کا کام نہیں لیا گیا۔

البتہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں فرشتے لڑے تھے، تو غالباً فرشتوں نے مسلمانوں کی مدد کی ہوگی جنگ بدر ہی میں "اَقْدِمْ حَیْزُوْمَ" کی آواز صحابہؓ نے سنی تھی، "حَیْزُوْمَ" حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے کا نام تھا، صحابہؓ نے آواز سنی کہ: "اَقْدِمْ حَیْزُوْمَ" حیزوم آگے بڑھو، یہ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز تھی، صحابہؓ نے فرشتوں کو دیکھا بھی تھا اور ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ عجیب بات تھی کہ کوئی آدمی لڑنے والا اور قتل کرنے والا نظر نہیں آتا تھا، لیکن کافر کا سر کٹ گیا۔ بہرحال فرشتوں کی تائید اور مدد اصلاً لڑائی کے لئے نہیں ہوتی بلکہ مسلمانوں کی تقویت کے لئے ہوتی ہے، ہوسکتا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں نے کاروائی بھی فرمائی ہو لیکن اگر فرشتے لوگوں کو قتل کرنے لگیں تو ایک بھی آدمی نہ بچے۔

اور تیسرا سوال یہ ہے کہ انسانوں سے انسانوں کو لڑنا چاہئے، یہ فرشتے کیوں بھیجے گئے؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ خود دے رہے ہیں: "وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ." اور نہیں بنایا اللہ نے اس کو یعنی فرشتوں کے بھیجنے کو مگر خوشخبری تمہارے لئے، تمہیں اس کا احساس ہو کہ کافر اگر مقابلے میں بہت کثیر تعداد میں ہیں تو کوئی پریشانی کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ ہماری مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کو بھیج رہے ہیں، تمہیں خوشخبری ہو، "وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ." اور تاکہ مطمئن ہوجائیں تمہارے دل اس خوشخبری کے ساتھ اور تمہارے دلوں کو سکون ہوجائے، چنانچہ سورۃ الانفال میں فرمایا گیا ہے:

"اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ......الخ." (الانفال:۱۲)

ترجمہ:...... "جب اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو وحی فرما

رہے تھے یعنی حکم فرمارہے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم ذرا مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو، میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔"

تم لوگ ذرا مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو اور ان کے دلوں کو اطمینان دلاؤ تو ملائکۃ اللہ کے آثار کی وجہ سے مسلمان اتنے بہادر اور اتنے جری ہوگئے کہ پہاڑوں سے ٹکرا جائیں، کافر کیا ہوتے ہیں؟ یہ مقصد تھا فرشتوں کو نازل کرنے کا تاکہ تمہارے دلوں کو ثبات نصیب ہو، اطمینان ہو، تمہاری پریشانی جاتی رہے، تم پر سکینت نازل ہوجائے، "وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ." باقی جہاں تک مدد کا تعلق ہے وہ صرف اللہ رب العزت کی جانب سے ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا: "اور نہیں ہوتی مدد مگر اللہ کی جانب سے، جو بڑا زبردست ہے، بڑی حکمت والا ہے۔" اس کو تو فرشتوں کی بھی ضرورت نہیں ہے اور تمہاری بھی ضرورت نہیں ہے۔

غزوات سے مقصد:

یہ دنیا دارالابتلاً ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی غزوات میں مجاہدے کروائے گئے اور آپ کو صدمات بھی پہنچے، دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے، زخم بھی لگے، یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع درجات کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ راستہ مجاہدے کا راستہ ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ تو محتاج نہیں ہے قلوب کو پھیر سکتے ہیں، وہ بڑے زبردست بھی ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ حکیم بھی ہیں، اپنی حکمت کے مطابق معاملہ فرماتے ہیں، تمہاری محدود عقل کے مطابق نہیں، "لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا." اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لئے کیا تاکہ قطع کردے، "قطع" کے معنی کاٹ ڈالنا، تاکہ کاٹ ڈالے، اور "طرف" کے معنی حصہ کے ہیں، تاکہ کاٹ ڈالے کافروں کے ایک حصے کو، مطلب یہ ہے کہ ان کی جماعت میں سے ایک حصے کو ہلاک

کردے، قتل کردے، ختم کردے، چنانچہ جنگ بدر میں موٹے موٹے کافر اللہ تعالیٰ نے قتل کروائے جو کہ کفر کے رئیس تھے، تو گویا یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں سر کاٹ دیا تھا اس لئے قطع کا لفظ یہاں استعمال فرمایا تا کہ کاٹ ڈالے "اَوْ یَکْبِتَھُمْ." یا ان کو نیچا کردے، ناکام کردے، ذلیل کردے، "فَیَنْقَلِبُوْا خَآئِبِیْنَ." وہ بے مراد ہوکر لوٹیں۔

سمجھنے کی باتیں:

اب یہاں پر ایک دو باتیں مزید سمجھنے کی ہیں وہ یہ کہ میں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کی تین صفتیں ذکر فرمائی ہیں، جن کو آسمان سے نازل فرمایا گیا:

ا:......سورۂ الانفال میں ایک ہزار فرشتوں کے لئے "مردفین" کا لفظ آیا ہے، "مردفین" کے معنی پرہ باندھ کر آئیں گے، لگا تار آئیں گے، اور جب فرشتے پے در پے آتے ہوئے محسوس ہوں گے تو مسلمانوں کو تقویت زیادہ ہوگی۔

۲:......اور تین ہزار فرشتوں کے لئے فرمایا گیا: "منزلین" جن کو آسمان سے نازل کیا جائے گا، اس کا نکتہ میں عرض کر چکا ہوں، ایک تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے یہ خدمت زمین کے فرشتوں سے نہیں لی بلکہ آسمان سے فرشتے بھیجے، یہ خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ عنایت تھی۔

مقربین سے مقربین کی مدد:

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ آسمان کے فرشتے ملائکہ مقربین کہلاتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مدد کے لئے ملائکہ مقربین کو نازل فرمایا، کوئی شک نہیں کہ یہاں مقربین انسان موجود تھے۔

کائنات میں سب سے زیادہ مقرب ہستی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضراتِ اہل بدر سب سے زیادہ

مقربانِ خداوندی تھے، تو ان کی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرب فرشتوں کو نازل فرمایا۔

وردی والے ملائکہ:

۳:......اور پانچ ہزار فرشتوں کے لئے ''مسومین'' کا لفظ آیا ہے، ''مسومین'' کا معنی خاص علامت والے، جس طرح کہ فوجی دستوں کے مختلف نشانات ہوتے ہیں، مختلف وردیاں ہوتی ہیں، مختلف ان کی علامتیں ہوتی ہیں، اسی طرح ان فرشتوں کی بھی مختلف علامتیں تھیں، مختلف وردیاں تھیں، احادیث میں آتا ہے کہ کچھ ملائکہ سفید عمامے پہنے ہوئے تھے، اور کچھ ملائکہ سیاہ عمامے پہنے ہوئے تھے، اور کچھ ملائکہ زرد عمامے پہنے ہوئے تھے، گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے مختلف طبقات بنادیئے تھے اور ہر ایک کی الگ الگ علامت مقرر کردی تھی، اس لئے فرمایا: ''مسومین'' ان پر نشان لگے ہوئے ہوں گے، نشان زدہ ہوں گے، یعنی ان کی خاص وردی اور خاص علامت ہوگی۔

انبیاءؑ اور امتیوں کے ایمان کا فرق!

اور دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ مسلمان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے مدد آتی ہے، لیکن بشریت کی بنا پر اور ظاہری اسباب کی بنا پر آدمی کو اس وقت اطمینانِ قلب ہوتا ہے جبکہ کچھ ضروری اسباب بھی مہیا ہوں اور حضرات انبیاءؑ کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجود اس کے کہ ان کا تعلق حق تعالیٰ شانہ کی ذات کے ساتھ بہت ہی قوی ہوتا ہے، غیرنبی کے ایمان و یقین کو انبیاءؑ کے ایمان و یقین کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے، خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان اور ان حضرات کی نظر اسباب پر نہیں ہوتی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کا اعتماد علی اللہ:

جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ پیچھے گزر چکا ہے کہ جب

نمرود نے ان کو آگ میں ڈالا تھا تو آگ میں ڈالے جانے سے ایک لمحہ پہلے جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس پہنچے اور عرض کیا: ''مدد کرسکتا ہوں!'' فرمایا: ''بھیجے ہوئے آئے ہو یا اپنے آپ آئے ہو؟'' کہا کہ: ''بھیجا تو نہیں گیا لیکن اجازت لے کر آیا ہوں۔'' فرمایا: ''پھر تمہاری ضرورت نہیں ہے!''

غرض یہ ہے کہ ان حضرات کا ایمان تو اتنا قوی ہوتا ہے کہ اسباب و وسائل پر بالکل ان کی نظر نہیں ہوتی، انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جانتے ہیں کہ کرنے والے اللہ تعالیٰ ہی ہیں لیکن حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم پوری امت کے لئے ہوتی ہے اور امت میں چونکہ طاقتور بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی ہوتے ہیں، قوی الایمان بھی ہوتے ہیں اور ضعیف الایمان بھی ہوتے ہیں، اعلیٰ درجے کے مضبوط طبیعت کے مالک بھی ہوتے ہیں اور چھڑولک قسم کے آدمی بھی ہوتے ہیں، اس لئے حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ضعفائے امت کو ساتھ لے کر چلتے ہیں، تو ملائکہ کا آسمان سے نازل کیا جانا یہ اس لئے تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوجائیں اور تمہیں خوشخبری ہوجائے کہ فرشتے نازل ہو رہے ہیں ہم تنہا نہیں ہیں، اگر فرشتے نازل نہ کئے جاتے تو تم سمجھتے کہ ہم اکیلے ہیں۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اسباب کو ترک نہیں کرنا چاہئے اور قوی آدمی کو ضعفاءِ کی رعایت کرتے ہوئے چلنا چاہئے، اپنی قوت کے مطابق عمل درآمد نہیں بلکہ اپنے ساتھیوں کی رعایت کرتے ہوئے عمل کرنا چاہئے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

عقائد میں
حق و باطل کا معرکہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

۱:......"عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَا مِنْكُمْ اِلَّا ضَيْفٌ وَمَالُهٗ عَارِيَةٌ وَالضَّيْفُ مُرْتَحِلٌ وَالْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ اِلٰی اَهْلِهَا۔" (حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۱۳۴)

۲:......"عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: اَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ! عَلِّمْنِیْ كَلِمَاتٍ جَوَامِعَ نَوَافِعَ. فَقَالَ: اُعْبُدِ اللهَ وَلَا تُشْرِكْ بِهٖ شَيْئًا، وَزُلْ مَعَ الْقُرْآنِ حَيْثُ زَالَ وَمَنْ جَاءَكَ بِالْحَقِّ فَاقْبَلْ مِنْهُ وَاِنْ كَانَ بَعِيْدًا بَغِيْضًا وَمَنْ جَاءَكَ بِالْبَاطِلِ فَارْدُدْ عَلَيْهِ وَاِنْ كَانَ حَبِيْبًا قَرِيْبًا۔" (حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۱۳۴)

۳:......"عَنِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اَلْحَقُّ ثَقِيْلٌ مَرِیٌّ وَالْبَاطِلُ خَفِيْفٌ وَبِیٌّ وَرُبَّ شَهْوَةٍ تُوْرِثُ حُزْنًا طَوِيْلًا۔" (حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۱۳۴)

ترجمہ:......"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے ہر شخص مہمان ہے اور اس کا مال عاریت کا ہے، مہمان کوچ کرنے والا ہے اور عاریت یعنی مانگے کی چیز اس کے مالکوں کو واپس کردی جائے گی۔"

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ: اے ابوعبدالرحمٰن! مجھے چند کلمات کی تعلیم دیجئے جو بہت جامع اور نافع ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی عبادت کیا کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا اور قرآن کے ساتھ چل جس طرف وہ چلے اور جو شخص تیرے پاس حق بات کو لے کر آئے اس کو قبول کر، اگرچہ وہ کتنی دور کا اور ناپسندیدہ آدمی کیوں نہ ہو اور جو شخص تیرے پاس باطل لے کر آئے اس کو واپس لوٹادے اگرچہ وہ تیرا دوست اور قریبی ہی کیوں نہ ہو۔"

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: حق بوجھل ہے لیکن خوشگوار ہے اور باطل ہلی پھلکی چیز ہے لیکن بدہضمی پیدا کرتی ہے اور بہت سی شہوتیں ایسی ہیں جو طویل غم کو جنم لیتی ہیں۔"

دنیا مہمان خانہ:

پہلے ارشاد میں اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے ہر آدمی یہاں

دنیا میں مہمان ہے ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا، خواہ کسی کو عمر نوح عطا کردی جائے، اس کو بھی بہرحال یہاں سے رخصت ہونا ہے اور اس کے پاس جتنا مال ہے وہ اس کا اپنا نہیں ہے، ذاتی نہیں ہے، بلکہ مانگ کرلیا ہوا ہے، مہمان کو رخصت ہوجانا ہے اور یہ مانگے کی چیز اس کے مالکوں کو واپس کردی جائے گی۔

سامان سو برس کا:

یہی دنیا کی حقیقت ہے، یہاں آنے کے بعد آدمی ایسا تصور بٹھالیتا ہے جیسا کہ مجھے یہاں ہمیشہ ہی رہنا ہے، ''سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں۔'' اور اپنے مال کو اپنا ذاتی مال سمجھتا ہے، یہ دونوں غلط فہمیاں یہاں پیدا ہوجاتی ہیں، اور ہم میں سے اکثر لوگوں کو ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہاں کی چیزوں میں رغبت رکھی ہے، آدمی یوں سمجھتا ہے کہ میں ہمیشہ رہوں گا۔

سب کچھ یہاں رہ جائے گا:

جیسے جوانی ہمیشہ نہیں رہتی، اسی طرح آدمی کی عمر بھی ہمیشہ نہیں رہتی، جوانی کے زمانے میں آدمی کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ مجھے بوڑھا بھی ہونا ہے اور یہ قویٰ مجھ سے سلب کرلئے جائیں گے، صحت اور عمر کے زمانے میں آدمی کو خیال ہی نہیں رہتا کہ مجھے مرنا بھی ہے، حق تعالیٰ شانہ نے یہاں کی چیزوں کو ہماری ملک بنادیا ہے، فلاں آدمی مالک ہے، فلاں آدمی مالک ہے لیکن ساتھ ہی قرآن کریم نے فرمایا دیا: ''متاع الحیوۃ الدنیا.'' یہ دنیا کی زندگی میں نفع اٹھانے کا سامان ہے، حقیقتاً تم اس کے مالک نہیں ہو، نفع اٹھالو، جتنا اٹھانا ہے، اس کی تمہیں اجازت دی گئی ہے۔

اور یہ بہت واضح بات ہے کہ جس کے پاس اپنا ذاتی مال ہو وہ اس کو جہاں چاہے لے جاسکتا ہے، لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ جب ہم مرجاتے ہیں تو کچھ بھی ساتھ نہیں لے جاتے، نہ مکان ساتھ لے جاتے ہیں، نہ اور چیزوں کو ساتھ لے جاتے

ہیں، ہاں اپنی زندگی میں پہلے آگے بھیج دیں تو دوسری بات ہے۔

ہمارا تصورِ آخرت:

جب بھی دنیا اور آخرت کا مقابلہ ہوتا ہے تو ہماری ترجیح دنیا ہوتی ہے آخرت نہیں، ہمارا تصور یہ ہے کہ اگر آخرت ہماری دنیا میں کوئی نقصان نہ کرے تو بجا ہے، درست ہے، کوئی حرج نہیں، آخرت بھی چلے اور دنیا بھی چلے، لیکن جہاں کہیں آخرت ہماری دنیا پر ضرب لگاتی ہو وہاں آخرت کی خاطر دنیا کے نقصان کو ہم برداشت نہیں کرتے، الا ماشاءاللہ!

آخرت کے یقین کی کمزوری:

جنت وجہنم اور جزا وسزا اخروی پر ہمارا یقین کمزور ہوگیا ہے، اور یہ اتنا کمزور ہوچکا ہے کہ بے چارہ حس وحرکت ہی نہیں کرتا، اتنا بیمار ہے جیسے تپ دق کا مریض جو آخری درجہ میں ہو، وہ بے چارہ اتنا کمزور ہوجاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں بھی حرکت نہیں کرتے، زندہ ہے، روح اس میں بھی موجود ہے، لیکن وہ اتنی کمزور اور مضمحل ہوگئی ہے کہ اس کے لئے کوئی حس وحرکت نہیں، ایسے ہی ہمارے یقین بھی کمزور اور بیمار ہوگئے ہیں۔

دنیاوی نفع ونقصان پر یقین:

اگر یقین قوی ہو تو آدمی آخرت کی ہلاکت سے بھی ایسے ہی بچتا، جیسے دنیا کی ہلاکت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، مثلاً ایک آدمی کے سامنے آگ جل رہی ہو اور اس شخص کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں، تو وہ کبھی بھی اس آگ میں چھلانگ نہیں لگائے گا، اگر کوئی اسے کہے کہ ایک ہزار روپے دیں گے، اس آگ میں چھلانگ لگادو، تو وہ کہتا ہے: نہ بھائی! اگر اس سے کہیں کہ اچھا تمہیں امریکہ کا صدر بنادیں گے، چھلانگ لگادو، تو وہ کہے گا کہ جب میں چھلانگ لگادوں گا تو سلطنت کس کو دوگے؟ تم بھی

میرے ساتھ مذاق کرتے ہو۔ اسی طرح اسے کہیں کہ تمہیں گورنر بنادیں گے، وزیراعظم بنادیں گے، صدر بنادیں گے یا اتنے پیسے دیں گے وغیرہ، لیکن کبھی کوئی عقلمند آدمی آگ میں چھلانگ لگانے کے لئے تیارنہیں ہوگا، کیونکہ اسے یقین ہے کہ جل جاؤں گا، مگر جن اعمال پر اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کی وعیدیں سنائی ہیں، ان اعمال کو ہم کرتے رہتے ہیں، آخر کیا بات ہے؟ لگتا ہے کہ ہمیں ان ارشادات پر کامل یقین نہیں۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے: "اَلْیَقِیْنُ اَلْاِیْمَانُ کُلُّہٗ." (بخاری ج:۱ ص:۶) (ایمان تو نرا یقین کا نام ہے)۔

گناہوں کا اثر:

جہاں تک گناہوں کی ہلاکت خیزی کا تعلق ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ جب آدمی زنا کرتا ہے، چوری کرتا ہے یا اور کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو ایمان دل سے نکل کر سائبان کی طرح ہوجاتا ہے، اس وقت دل میں ایمان نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے:

"لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا یَسْرِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ."

(صحیح مسلم ج:۱ ص:۵۶)

ترجمہ:......"زانی جب زنا کرتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا، چور جب چوری کرتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا۔"

دوسرے علماً تو اس کی تأویل کرتے ہیں، لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وقت ایمان دل سے نکل کر سایہ فگن ہوجاتا ہے، عین اس حالت میں مرجائے تو بے ایمان مرے گا، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے!

یقین و استحضار کی ضرورت:

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے کسی صاحب کو بدنظری کے لئے علاج لکھا کہ جب بھی نامحرم پر نظر پڑے، تو فوراً نظر کو روک لیا کرو، جب بھی نامحرم سامنے آئے تو فوراً نظر نیچی کرلو۔ اس آدمی نے دوبارہ لکھا کہ حضرت! بات یہ ہے کہ عمل تو کرتا ہوں، لیکن پوری طرح اس پر عمل نہیں ہوتا ہے، پھر بھی دیکھ لیتا ہوں۔ حضرتؒ نے جواب میں ایک لفظ لکھ دیا کہ: ''اگر میں تمہارے پاس ہوں تو اس وقت بھی دیکھو گے؟'' اس نے جواب میں لکھا کہ: ''حضرت! بس سمجھ میں آگئی بات۔''

اپنے شیخ و مرشد کے سامنے بھی اس جرم کا ارتکاب کرو گے؟ نہیں! حالانکہ شیخ و مرشد بے چارہ غریب کیا کرے گا؟ وہ خود بہت ہی زیادہ کمزور ہے، جب اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں، تو پھر کیسے ارتکاب کرتے ہو گناہ کا؟

استحضار کی مشق:

اسی لئے پہلے زمانے میں حضرات صوفیا اسی کی مشق کرواتے تھے کہ اپنے مریدوں کو خلوت میں اور تنہائی میں بٹھادیتے تھے کہ کوئی تمہارے پاس نہ آئے اور کامل یکسوئی کے ساتھ تصور کرو کہ اللہ مجھے دیکھتا ہے۔

جنید بغدادیؒ کا استحضار:

حضرت جنید بغدادیؒ ابھی نابالغ تھے، ان کی والدہ ماجدہ نے اپنے بھائی جان حضرت سعد بن عبداللہ تسطریؒ سے کہا کہ: بھائی جان! اس بچے کی بھی کچھ ذرا تربیت کیا کیجئے! فرمایا: بہت اچھا! جنیدؒ سے کہا کہ بیٹا آج سے ہر چیز، ہر موقع، ہر وقت اور ہر لمحہ یہ خیال کیا کرو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اور پھر آٹھ دن کے بعد مجھے بتاؤ۔ آٹھ دن کے بعد ماموں جان کی خدمت میں گئے، کہنے لگے کہ: حضرت! اور تو خیر ہے، لیکن پیشاب، پاخانہ بھی مشکل ہوگیا ہے، کیسے کروں؟ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا

استحضار اتنا بڑھ گیا ہے کہ ستر کھولنا بھی مشکل ہوگیا، ماموں جان نے فرمایا بس تمہارا کام بن گیا، ہوگیا کام۔

یقین بڑی دولت ہے:

اگر یہ یقین دل میں پیدا ہوجائے تو سب سے بڑی دولت یہی ہے اور یہی حقیقت میں ایمان ہے، اور جہاں غفلت پائی جاتی ہے، وہاں ایمان کے اوپر گرد وغبار آجاتا ہے، پردہ آجاتا ہے، بادل آجاتے ہیں، تم دیکھتے نہیں ہو کہ جب دوپہر کا وقت ہو اور بادل سورج کے سامنے آجائے تو سورج بھی چھپ جاتا ہے، اس کی روشنی اور اس کی تپش ختم ہوجاتی ہے، اسی سے سوچ لو کہ جب گناہوں کا پردہ، معاصی کا پردہ، غفلت کا پردہ، ایمان پر آئے گا تو ایمان کی نورانیت کیسے باقی رہے گی؟ اور یقین کو وہ کیفیت کیسے حاصل رہے گی؟ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح یقین نصیب فرمائے۔

ایک گونہ غفلت بھی نعمت:

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہ ارشاد فرماتے تھے کہ: یک گونہ غفلت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، ایک درجہ میں تھوڑی غفلت رہے، یہ بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، ورنہ میاں! ہر وقت استحضار رہے تو جینا بھی مشکل ہوجائے، حق تعالیٰ کی عنایتیں ہیں کہ انعامات عطا فرماتے ہیں، تو غلاف میں لپیٹ کر عطا فرماتے ہیں۔

ایمانیات میں شک کفر ہے:

اس کے بعد فرمایا: "وَالرَّیْبُ مِنَ الْکُفْرِ." اور حقائق الٰہیہ اور ایمانیات میں شک وشبہ کرنا یہ بھی کفر ہے۔

شک ویقین کے درجے:

تین درجے ہوتے ہیں، ایک یہ کہ کسی چیز کے ہونے کا یقین ہو، اور ایک یہ

کہ نہ ہونے کا یقین ہو، اور ایک یہ کہ تردّد کی کیفیت ہو، یعنی نہ یقین ہے، نہ بے یقینی ہے، اس درمیانی حالت کو شک کہتے ہیں اور اگر یقین غالب آجائے، یعنی ایک طرف کو جھک جائے تو اس کو غلبہ ظن کہتے ہیں، جبکہ اس صورت میں دوسری طرف کا بھی کچھ احتمال ہوتا ہے کہ بھئی یہ بھی ہوسکتا ہے، ورنہ غالب خیال تو یہی ہے، اس کو کہتے ہیں غلبہ ظن، اور اگر ایک طرف کا اتنا یقین بڑھ جائے کہ دوسری طرف کا احتمال ہی نہ ہو، تو اس کو کہتے ہیں عقیدہ، جب ہم کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ یہ ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ: ''اَلْیَقِیْنُ الْجَاذِبُ لَا یَقْبَلُ التَّشْکِیْکَ مُشَکِّکٍ.'' وہ پختہ یقین کہ کسی شک میں ڈالنے والے کی تشکیک کو بھی قبول نہیں کرتا، ایسا کچا یقین نہیں ہے کہ کوئی وسوسہ ڈالے اور شبہ ڈالے تو ختم ہوجائے، یہ ہے عقیدہ۔

جہالتِ جدیدہ کی ظلمت:

اب لوگوں کے عقائد متزلزل ہوگئے ہیں، نئی ہوا کی وجہ سے، نئی روشنی یا نیا اندھیرا کہہ دو، لوگ تو اسے نئی روشنی کہتے ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ جاہلیت جدیدہ کی ظلمت ہے، تمہیں اگر روشنی نصیب ہوتی تو تم حقائق کو ان کی اصل حالت پر دیکھتے۔

آگے آرہا ہے: ''العقد اللازم الجازم الذی لا یقبل التشکیک مشکک.'' اس کا نام عقیدہ ہے، یعنی ایک طرف کا اتنا پختہ یقین ہے کہ دوسری طرف کا احتمال ہی نہیں، اور اس میں کسی شک ڈالنے والے کی شک اندازی کی گنجائش ہی نہیں، جیسے ''لا الٰہ الا اللہ۔'' (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کیا اس میں ادنیٰ بال برابر بھی احتمال ہے دوسری طرف کا؟ کہ نعوذ باللہ ہوسکتا ہے کہ خدا کوئی دوسرا بھی ہو؟ اور ''محمد رسول اللہ۔'' (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) اس میں بھی بال برابر شک نہیں، بال کا بھی لاکھواں حصہ کرلو، کیا اس کا احتمال ہے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اور نبی نہ ہوں؟ نہیں، نہیں! بالکل اس کا شک نہیں! اسی کا نام ہے یقین اور عقیدہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ.''

(ترمذی ج:۲ ص:۴۵)

ترجمہ:...... ''میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

یہ ایسی حقیقت اور ایسا یقین ہے کہ کسی مسلمان کا دل اس کے خلاف کو قبول ہی نہیں کرسکتا۔

مدعیٔ نبوت سے معجزہ کا مطالبہ:

اسی لئے ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ایک آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا، لوگ پوچھتے ہیں کہ تیرا معجزہ کیا ہے؟ فرمایا اس سے معجزہ کا سوال کرنے والے بھی کافر ہیں! کیوں؟ اس لئے کہ معجزہ ہوتا ہے دلیل نبوت، اور کسی شخص میں معجزے کا احتمال ہو تو نبوت کا احتمال ہے، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپؐ کے بعد کسی کے نبی بننے کا احتمال ہی نہیں تو معجزے کا کیا سوال؟ معجزہ کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ! یہ کوئی شعبدہ دکھادے گا، تو ہم اس کو نبی مان لیں گے؟

مدعیٔ نبوت کے صدق و کذب کے لئے استخارہ بھی کفر ہے:

غلام احمد قادیانی نے اور دوسرے جھوٹوں نے لوگوں کا ایمان اسی طرح برباد کیا ہے، شیطان خواب میں بزرگ کی صورت میں آکر کہتا ہے، بہت ہی نورانی شکل میں آکر کہتا ہے کہ: ''میں تمہیں خوشخبری دینے کے لئے آیا ہوں کہ غلام احمد سچا ہے، اس کو مان لو۔'' صبح اٹھ کر قادیانی ہوگیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ! نعوذ باللہ! استغفر اللہ! اللہ کی پناہ! اور غلام احمد قادیانی کے زمانے میں مرزائی بہت تلقین کیا کرتے تھے، اب تو پتہ نہیں یہ تلقین کرتے ہوں گے کہ نہیں؟ چنانچہ جب وہ کسی مسلمان سے ملتے تو

کہتے کہ استخارہ کرلو، مرزا صاحب کے بارے میں استخارہ کرلو، اور استخارہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں پہلو برابر ہیں، میں کس کو اختیار کروں؟ اللہ سے مشورہ کرنا ہے۔ کبھی کسی نے مشورہ نہیں دیا کہ استخارہ کرلو کہ میں گُو کھالوں کہ نہ کھاؤں؟ کیا اس بارے میں کبھی کسی نے استخارہ کیا؟ کیوں نہیں کیا؟ کیا کبھی کسی نے استخارہ کیا کہ میں نماز پڑھوں کہ نہ پڑھوں؟ جن چیزوں کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دوٹوک فیصلہ فرمادیا ہو، وہاں استخارہ کی کیا گنجائش؟ استخارہ تو اس چیز میں ہوتا ہے کہ جس میں ہم کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے کہ یہ خیر ہے یا نہیں؟ تو جب تم نے قادیانی کے بارے میں یا کسی اور بے ایمان کے بارے میں استخارہ کیا، تو ایمان تو تمہارا اسی وقت سلب ہوگیا۔ "وَالرَّیْبُ مِنَ الْکُفْرِ." اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ادنیٰ سے ادنیٰ شک وشبہ کا ہوجانا، یہ کفر ہے، اب لوگوں کو نہ تو علم صحیح ہے، نہ اللہ کے بندوں کے پاس جاکر کبھی بیٹھے، نہ عقل، نہ ایمان، نہ علم، نہ عمل، اللہ کی مخلوق اسی لئے گمراہ ہورہی ہے۔

دل کا اندھا پن:

"وَشَرُّ الْعَمٰی عَمَی الْقَلْبِ." (درمنثور ج:۵ ص:۲۲۵) اور سب سے بدترین اندھا پن، دل کا اندھا ہوجانا ہے، دل اندھے ہوجائیں، نعوذ باللہ! جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ." (الحج:۴۶)

بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوئیں، آنکھیں تو کھلی ہوئی ہیں، لیکن سینوں کے اندر جو دل ہوتے ہیں وہ اندھے ہوگئے ہیں، اللہ تعالیٰ دلوں کے اندھے پن سے محفوظ فرمائے، جیسا کہ آدمی کو ظاہری بینائی سے چیزیں نظر آتی ہیں، سیاہ اور

سفید کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اور جیسا کہ یہ ظاہری بینائی مختلف درجات رکھتی ہے، بعض لوگوں کی نظر اتنی تیز ہوتی ہے کہ دن میں تارے دیکھ لیتے ہیں، اور بعض کی اتنی کمزور ہوتی ہے کہ تیسویں کا چاند بھی نظر نہیں آتا، پھر کسی کو دور کی چیزیں نظر نہیں آتیں، نزدیک کی نظر آتی ہیں، اور کسی کو نزدیک کی چیزیں نظر نہیں آتیں، دور کی چیزیں صحیح نظر آتی ہیں، مختلف درجات ہیں، مختلف کیفیات ہیں، کچھ یہی قصہ دل کے اندھے پن کا بھی ہے، دلوں کے اندر بھی روشنی ہوتی ہے، جیسا کہ آنکھوں کے اندر روشنی ہوتی ہے، اور دلوں کے اندر بھی روشنی کم و بیش ہوتی ہے، جیسا کہ آنکھوں کے اندر بینائی کم و بیش ہوتی ہے، ظاہر کی روشنی سے چیزوں کو دیکھا جاتا ہے، رنگوں کی پہچان ہوتی ہے، اور دل کی روشنی سے حق و باطل کو پہچانا جاتا ہے۔

اور جب ظاہری بینائی اور آنکھوں کی روشنی نہ رہے تو آدمی کو نابینا کہتے ہیں، اور جب دل کی روشنی نہ رہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ." (البقرۃ:۷) (مہر لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر)۔ "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ." (المطففین:۱۴) (سن رکھو کہ ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے، ان کی بدعملیوں کی وجہ سے)۔ یعنی بدعملی نے ماؤف کر دیا ہے دلوں کو۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے، اللہ تعالیٰ دل کی بصیرت نصیب فرمائے۔

دونوروں کی ضرورت ہے:

علماٴ فرماتے ہیں کہ دو نور ملتے ہیں، تو راستہ نظر آتا ہے، ایک آنکھوں کے اندر کا نور، اور ایک باہر کا نور، آدمی کی نظر صحیح ہے، لیکن اگر اندھیرا ہو تو نظر نہیں آتا، کیونکہ باہر کا نور نہیں، اور باہر کا نور موجود ہو لیکن آنکھوں میں بینائی نہ ہو تو نظر نہیں آتا کیونکہ اندر کا نور نہیں ہے، اسی طرح دل کی بصیرت کے لئے بھی دو نوروں کی ضرورت ہے، ایک دل کا نور ایک باہر کا نور، دل کا نور وہ کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ قلب میں القاٴ

فرماتے ہیں، جیسا کہ آنکھوں میں روشنی پیدا فرماتے ہیں، اور باہر کا نور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی روشنی ہے، اور انبیا کرام کے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد تو آفتاب نبوت طلوع ہے، سورج چمک رہا ہے، دوپہر کی روشنی ہے۔

آفتابِ نبوت کی شعاعیں:

شاہ ولی محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: دوسروں کے چراغ تو گل ہوگئے لیکن ہمارا آفتاب کبھی بے نور نہیں ہوگا، قیامت تک چمکتا رہے گا، تو باہر آفتاب نبوت کی شعاعیں موجود ہیں، روشنی موجود ہے، دوپہر ہے، دن چڑھا ہوا ہے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ دلوں میں روشنی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نورِ قلب عطا فرمائے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم والی روشنی ہمارے لئے انشاء اللہ ہدایت و رحمت کا ذریعہ بنے گی۔

جامع اور نافع نصیحت:

دوسرے ارشاد میں فرماتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ: اے ابوعبدالرحمٰن! مجھے چند کلمات تعلیم فرمایئے جو بہت جامع ہوں اور نافع ہوں، مجھے ان کلمات سے نفع پہنچے۔ ارشاد فرمایا کہ بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ قرآن جس طرف چلے، اس طرف چلو، یعنی قرآن کریم جس قسم کا حکم دے اس حکم کی تعمیل کرو۔

حق قبول کرو:

اور تیسری بات یہ کہ جب کوئی شخص تمہارے سامنے حق بات پیش کرے تو اس کو قبول کرلو، چاہے وہ آدمی کتنا اجنبی ہو، دور کا ہو، تمہاری اس کے ساتھ جان

پہچان نہ ہو، یا وہ آدمی کتنا ہی ناپسندیدہ ہو، تمہیں اس سے نفرت اور بغض ہو لیکن اگر وہ حق بات کہے تو قبول کرلو، اور بمقابلہ اس کے جو شخص تمہارے سامنے باطل پیش کرے اس کو قبول نہ کرو بلکہ اس پر رد کردو، اس کے منہ پر مار دو، چاہے وہ کتنا ہی قریبی دوست ہو، اور کتنا ہی قریبی رشتہ دار ہو۔

قبولِ حق کا نتیجہ خوشگواری:

اور تیسرے فقرے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حق ثقیل ہوتا ہے، یعنی بوجھل ہوتا ہے، لیکن ہوتا خوشگوار ہے، اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلتا ہے، ایک کھانا جب آدمی اس کو کھاتا ہے تو بدذائقہ ہوتا ہے، کھایا نہیں جاتا، لیکن صحت کے لئے بہت مفید ہے، جیسے کڑوی دوائی ہوتی ہے، جیسے کہ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ: ''شفا بایدت داروئے تلخ نوش۔'' اگر تمہیں شفا چاہئے تو کڑوا دارو استعمال کرو، یہی مثال حق کی ہے کہ حق پر عمل کرتے ہوئے اور اس کو قبول کرتے ہوئے بڑی تکلیف ہوتی ہے، بہت دشواری ہوتی ہے، اور وہ کسی طرح بھی گلے سے نیچے نہیں اترتا، لیکن ''مریٔ'' ہوتا ہے، یعنی خوشگوار ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کا نتیجہ بہت نفیس نکلتا ہے۔

باطل کی ظاہری لذت مہلک ہے:

اس کے مقابلہ میں باطل بہت لطیف ہوتا ہے، بڑی آسانی سے اس کو نیچے اتارا جاسکتا ہے لیکن وہ وبال جان ہوتا ہے، اس سے پیٹ کی خرابی پیدا ہوتی ہے، تخمہ ہوجاتا ہے، بدہضمی ہوجاتی ہے، ہیضہ ہوجاتا ہے، اور بالآخر اس سے موت واقع ہوجاتی ہے، یہی مثال باطل کی ہے کہ یہ زہر آلود کھانا ہے، زہر آلود حلوہ ہے، بہت ہی لذیذ معلوم ہوتا ہے، لیکن نادان نہیں سمجھتا کہ اس کے اندر زہر ملا ہوا ہے، بہت مزیدار سمجھ کر اس کو کھا رہا ہے، وہ حلق سے نیچے اترے گا تو انتڑیاں کاٹنا شروع کردے گا۔

حق و باطل کا معرکہ:

یہ حق اور باطل دو متقابل چیزیں ہیں، ''حق'' اللہ کی جانب سے ہے اور ''باطل'' کی تعلیم شیطان دیتا ہے، حق اور باطل کا معرکہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے چلا آرہا ہے، اور یہ لڑائی زندگی کے ہر میدان اور ہر شعبہ میں ہے، عقائد کے باب میں بھی حق اور باطل ہے کہ کون سا عقیدہ رکھا جائے اور کون سا نہ رکھا جائے؟ یہاں حق اور باطل کا معرکہ ایسا ہے کہ جو حق کو اختیار کرے گا، نجات پائے گا اور جو باطل کو اختیار کرے گا، وہ ہمیشہ کے لئے ہلاک ہوجائے گا۔ یہاں حق کو قبول کرنا بہت مشکل ہے، اور باطل کو قبول کرنا بہت آسان ہے۔ آپ اندازہ فرمالیجئے کہ اہل اسلام کتنے ہیں؟ اور ان کے مقابلے میں اہل باطل کتنے ہیں؟ اور ان کے کیا کیا نظریات ہیں؟ اور انہوں نے ان نظریات کو کیوں قبول کیا؟ بت پرست قومیں اپنے ہاتھ سے پتھر تراشتی ہیں اور ان کو سجدہ کرتی ہیں، ان کو نفع اور نقصان کا مالک سمجھتی ہیں، ان کو داتا اور دیوی سمجھتی ہیں، الگ الگ بتوں کے لئے الگ الگ محکمے تجویز کر رکھے ہیں، چنانچہ ان کا ایک ان داتا ہے، روٹی دینے والا، ایک جل داتا ہے، پانی دینے والا، ایک شفا کی دیوی ہے، شفا دینے والی، وغیرہ وغیرہ، حالانکہ اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے پتھر کے بت ہیں، ''لَا یَنْفَعُ وَلَا یَضُرُّ.'' نہ کسی کو نفع پہنچائیں نہ نقصان، لیکن شیطان نے عقیدے میں یہ بات داخل کردی کہ یہی نفع و نقصان رکھتے ہیں۔

عیسائیوں کو شیطان کی پٹی:

عیسائیوں کو شیطان نے پٹی پڑھادی کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، نعوذ باللہ! استغفر اللہ! لا حول ولا قوۃ الا باللہ! اور ان کو صلیب پر لٹکا دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے گناہوں کی گٹھری باندھ کر اپنے بیٹے کے سر پر رکھ دی اور اپنے بیٹے کو قربان کردیا، عیسائیوں کے یہاں یہ نجات کا مسئلہ ہے کہ جو شخص ''تثلیث'' کا

عقیدہ رکھے گا، تین خدا مانے گا، اس کی بخشش ہوجائے گی، اور جو شخص یہ عقیدہ نہیں رکھے گا اس کے لئے بخشش نہیں، اس کے لئے نجات نہیں ہے، اور کتنے مذاہب ہیں دنیا میں، یہ حق اور باطل کا معرکہ ہے۔

صراطِ مستقیم:

پھر جو فرقے اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، ان میں بھی حق اور باطل ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

"وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ." (الانعام:۱۵۳)

ترجمہ:...... "اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی۔"

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ہے میرا راستہ سیدھا، جرنیلی سڑک! ناک کی سیدھ جاتی ہے، اسلام کا راستہ اللہ تعالیٰ تک بالکل سیدھا جاتا ہے، اس میں کوئی کجی نہیں، کوئی نشیب و فراز نہیں، اور یہ وہ راستہ ہے جس پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام چلے، یہ وہ راستہ ہے جس پر تمام صدیقین چلے، تمام اولیاءُ اللہ چلے، بزرگانِ دین چلے، اکابر امت، مجددین ملت چلے، ائمہ دین چلے، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا." (اتحاف ج:۱ ص:۱۸۱) یعنی تمہیں ایک روشن راستے پر چھوڑ کر جارہا ہوں، اس کے دن اور رات ایک جیسے ہیں۔ رات کو چلو، دن کو چلو۔

گمراہی کی پگڈنڈیاں:

لیکن آج کتنی شاخیں نکل آئیں؟ کتنے نظریات گھڑ لئے گئے؟ اور شیطان نے کن کن راستوں سے لوگوں کی راہ ماری؟ عقل حیران ہو جاتی ہے۔

لوگوں کو راستہ مشتبہ ہوگیا:

میں معافی چاہوں گا! بہت سے لوگوں کے ذہن میں راستہ ہی مشتبہ ہوگیا ہے، اور کبھی کبھی اس کا اظہار اپنی زبان سے یوں کرتے ہیں کہ جی! مولوی لڑتے جھگڑتے ہیں، کس کے پیچھے چلیں؟ کس کو سچا سمجھیں؟ ان مسکینوں کے سامنے ابھی تک راستہ ہی واضح نہیں ہوا، چلیں گے کیا؟ راستہ تو چلنے کے لئے ہوتا ہے، راستہ بذات خود مقصود نہیں ہوتا، اس پر چلنا مقصود ہوتا ہے، آپ کو کسی جگہ جانا ہو اور آپ کو راستہ معلوم نہ ہو، آپ پوچھتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے نئے نئے نظریات ایجاد کر لئے، اپنے اپنے راستے الگ کر لئے، الگ الگ پگڈنڈیاں بنالیں، اور ایک عالم کا عالم اس حیرت میں مبتلا ہوگیا کہ کس راستے پر چلیں؟ ان بیچاروں کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ راستہ کیا ہے؟ اندازہ فرمائیے کہ حق و باطل کا معرکہ کتنا سخت ہے!!

صراطِ مستقیم کی نشاندہی:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے اور صحیح حدیث ہے کہ:

”عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خطًّا، ثُمَّ قَالَ: هٰذَا سَبِیْلُ اللهِ، ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ، وَقَالَ: هٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰی کُلِّ سَبِیْلٍ مِنْهَا شَیْطَانٌ یَدْعُوْ اِلَیْهِ ..... الخ.“ (مشکوٰۃ ص:۳۰)

ترجمہ:......''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچا اور اس کے دائیں بائیں چھوٹی چھوٹی لکیریں بنادیں، پھر فرمایا: یہ جو میں نے لمبی لکیر کھینچی ہے، یہ سیدھا خط تو اللہ کا راستہ ہے، (حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے چلا آرہا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلا آرہا ہے، ہم تک پہنچا اور ہم سے آگے انشاءاللہ قیامت تک سیدھا جائے گا، کوئی ادھر ادھر اس میں موڑ نہیں۔ ناقل) اور یہ جو دائیں بائیں خطوط ہیں، یہ وہ راستے ہیں کہ ہر راستے پر شیطان موجود ہے، جو اپنی طرف بلا رہا ہے۔''

شیطان کے ایجاد کردہ راستے:

یعنی یہ وہ راستے ہیں جو شیطان نے ایجاد کئے ہیں، اس میں سے شاخیں نکال دیں اور جب چلنے والا چلتا ہے تو ہر موڑ پر ایک شیطان کھڑا ہے، پوچھتا ہے کہاں جانا ہے؟ اللہ تک پہنچنا ہے؟ جی راستہ ادھر جاتا ہے، وہ راستہ جو سیدھا جارہا ہے وہ چھوڑ دو، یہ راستہ جارہا ہے چند قدم آگے چلے، ایک موڑ پر اور شیطان مل گیا، پوچھتا ہے کہ کہاں جانا ہے؟ کہا: اللہ تک پہنچنا ہے، شیطان نے کہا: ادھر سے جاتا ہے، حق پر چلنا کتنا مشکل بنادیا ہے شیطان نے؟ حق کے راستے کو پانا اور حق اور باطل کا فیصلہ کرنا، کتنا مشکل بنادیا ہے؟ حالانکہ حق اتنا واضح ہے کہ نظر آرہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جارہے ہیں، صحابہ کرامؓ جارہے ہیں، اکابر امت کا قافلہ چل رہا ہے، لیکن شیطان لوگوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کبھی دائیں کا اور کبھی بائیں کا مشورہ دیتا ہے، اور یہ وہ راستے ہیں جو کھڈے میں جاکر گرتے ہیں، اور لوگ ایسے عجیب وغریب دلائل

پیش کرتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

طوفانِ بدتمیزی:

خاص طور پر موجودہ دنیا میں، کیونکہ لوگوں کی ہمتیں صرف دنیا کی طرف متوجہ ہوگئی ہیں، دین کا صحیح فہم ہی اٹھ گیا، جس کے منہ میں جو آتا ہے، بکتا ہے، اور اس کے نوکِ قلم پر جو آتا ہے لکھتا ہے، رسالے، اخبارات چھاپنے کے لئے تیار ہیں، ایسا لگتا ہے بدتمیزی کا ایک طوفان برپا ہے، کسی کو حق و باطل سے بحث ہی نہیں ہے، جو کچھ حضرت لکھ رہے ہیں بس وہی حق ہے، باقی سب باطل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پیش کیجئے، تو کہتے ہیں: غلط ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حوالہ دیجئے تو وہ بھی قابل قبول نہیں ہے، مفسرین ہیں، محدثین ہیں، ائمہ دین ہیں، مجددین ہیں، ان کی نظر میں کسی کی کوئی قیمت ہی نہیں، اللہ مجھے معاف فرمائے۔

امام احمدؒ کو گمراہ کہنے والے، گمراہ ہیں:

میں نے مستقل طور پر ایک تحریر دیکھی ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ گمراہ تھے، مجدد الف ثانی رحمہ اللہ گمراہ تھے، ائمہ دین کو گمراہ کہا جارہا ہے، امام احمد بن حنبلؒ امام بخاریؒ کے استاد ہیں، ان کے زمانے سے آج تک ان کو اللہ تعالیٰ نے راہ مستقیم کا نشان منزل بنادیا ہے، ان کے بارے میں اکابرؒ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ امام احمد بن حنبلؒ کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ گمراہ ہے، اور یہی بات امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بھی کہی گئی تھی کہ: "امام ابوحنیفہؒ سے محبت نہیں رکھے گا مگر حق پرست آدمی، اور ان سے بغض رکھے گا مگر باطل پرست آدمی۔" میں نے اپنی کتاب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" میں یہ فقرہ باحوالہ نقل کیا ہے، تو خیر میں عرض کر رہا ہوں کہ آج ایک جماعت پڑھے لکھوں کی موجود ہے جو امام احمد بن حنبلؒ سے لے کر

آج تک تمام دنیا کو گمراہ کہتی ہے۔

حزب اللہ اور جماعت المسلمین:

یہ توحیدی پارٹی کیپٹن مسعود کی ہے، جو اپنے آپ کو "حزب اللہ" کے نام سے موسوم کرتی ہے، اور کراچی میں کیماڑی میں ان کا مرکز ہے، یہ کہتے ہیں گویا امام بخاریؒ صحیح مگر امام بخاریؒ کا استاد غلط، اور ایک "جماعت المسلمین" بنائے پھر رہے ہیں، ان کے نزدیک ساری دنیا غلط، ان کے نزدیک کسی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، ایسے ایسے عجیب وغریب لوگوں کے نظریات پڑھتا ہوں، عقل دنگ رہ جاتی ہے، عقل حیران رہ جاتی ہے کہ ان کو کیا ہوگیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ حق و باطل کا معرکہ اس کا پہلا میدان عقائد ونظریات ہیں۔

اُردو خواں مجتہد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بیان فرمائی تھی کہ: "وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا." (ترمذی ج:۲ ص:۴۴) یعنی اس امت کا آخری حصہ امت کے پہلے حصہ پر لعنت کرے گا۔ نعوذ باللہ پہلے سب بے وقوف تھے، جن کی پوری کی پوری زندگی دین کی خدمت کرتے ہوئے گزری، کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن کو نہیں سمجھتے تھے، حیرت ہے کہ ان لوگوں نے تو قرآن کو سمجھا جنہوں نے اردو ترجمے یا انگریزی ترجمے کی مدد سے قرآن کے مفہوم کو معلوم کیا، اور نعوذ باللہ! یہ تو قرآن کو جانتے ہیں اور وہ نہیں جانتے تھے، غلام احمد پرویز بھی یہی کہتا تھا کہ عجمی سازش ہے، پورے دین کو عجمی سازش کہتا تھا، اور بے شمار لوگ ہیں جو اس احمق کے مقلد ہیں، اور یہ لوگ برملا کہتے ہیں کہ حدیثیں بعد میں لکھی گئی ہیں، اس لئے یہ قابل اعتماد نہیں۔

گمراہوں کے ہاتھوں ملنے والا قرآن کیونکر صحیح ہے!

میرے پاس ایک ساتھی آئے، جو میرے دوست ہیں اور اسٹیل مل میں رہتے ہیں، انہوں نے کہا کہ منکرین حدیث بہت خفیہ طور پر بہت شر پھیلا رہے ہیں، لوگوں کو انکار حدیث پر مائل کر رہے ہیں، ان کو کیا کہا جائے؟ میں نے ان تمام باطل فرقوں کے مقابلے میں ایک چیز ایجاد کرلی، الحمدللہ! ایک ہی ہتھیار مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھلا دیا اور دے دیا ہے، اس ہتھیار کے مقابلہ میں کوئی بھی نہیں ٹھہرتا، وہ ہتھیار یہ ہے کہ یہ جتنے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، حتیٰ کہ منکرین حدیث بھی، حتیٰ کہ شیعہ اور رافضی بھی، منکرین صحابہ بھی، یہ سارے کے سارے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں، قادیانی بھی کہتے ہیں کہ ہم مولویوں کی بات نہیں مانتے، میں نے کہا: بہت اچھا! تم درمیان کے واسطوں کو نکال کر اور ان سے عدم اعتماد کا اعلان کر کے دلیل کے ساتھ یہ ثابت کردو (جس کا میں بھی قائل ہوجاؤں، جو ساتھ بیٹھا ہوا ہو وہ بھی قائل ہوجائے) کہ یہ قرآن وہی قرآن ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، اور میں دلیل سے ثابت کرتا ہوں کہ تمہارے عقیدے کے مطابق (نعوذ باللہ!) یہ قرآن باطل ہے، معاف کیجئے! میں کیا کہہ رہا ہوں، سوچ لیجئے! ان کے عقیدے کے مطابق کہہ رہا ہوں اپنے عقیدے کے مطابق نہیں کہہ رہا، اس لئے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو دیا، جبریل علیہ السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیا، صحابہؓ نے تابعینؒ کو دیا، تابعینؒ نے تبع تابعینؒ کو دیا، انہوں نے اپنے بعد والوں کو دیا، اس طرح صدی درصدی یہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، جو آج ہم تک پہنچا اور قیامت تک جائے گا، ایک مرتبہ یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کے پاس وحی کون لاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جبریل علیہ السلام! یہودیوں نے کہا

کہ: ہم نہیں مانتے، قرآن کے منکر ہوگئے، جبریلؑ کا حوالہ دے کر قرآن کے منکر ہوگئے، قریش مکہ نے کہا کہ: ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اعتماد نہیں، لہٰذا ہم قرآن کو نہیں مانتے، رافضیوں نے کہا کہ: ہمیں صحابہؓ پر اعتماد نہیں، لہٰذا ہم قرآن کو نہیں مانتے، اور تم لوگوں نے کہا کہ تمام مولوی مُلاّ یہ عجمی سازش کا شکار ہوگئے، تو پوری کی پوری امت چودہ صدیوں کی جب گمراہ ہوئی تو تم بتاؤ کہ گمراہوں کے راستے سے جو قرآن کریم ہم تک پہنچا وہ برحق کیسے ہوسکتا ہے؟

میں قادیانیوں سے بھی کہتا ہوں، منکرین حدیث سے بھی کہتا ہوں، جماعت المسلمین والوں سے بھی کہتا ہوں، ان توحیدیوں سے بھی کہتا ہوں، تمام گمراہوں کے لئے میرا ایک ہی جواب ہے، تمہارے نزدیک امت کی صدیوں کی صدیاں گمراہ ہوگئیں، اور تم کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے، تمہاری نظر میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو حق پر ہو، تو یہ قرآن گمراہوں کے راستے سے آیا ہے، انہی کے ہاتھوں سے تمہیں ملا، یہ قابل اعتماد کیسے ہوگیا؟ حدیث تو قابل اعتماد نہیں، کیونکہ تمہارے نزدیک راوی کمزور ہیں، تو قرآن بھی تو روایت اور نقل ہوتے ہوئے آیا ہے نا۔

چیلنج:

قرآن کریم میں یہ آیت کئی بار آئی ہے: "وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ." (البقرہ:۱۷۳) اور "وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ." (المائدہ:۳) ایک جگہ "بہٖ" پہلے اور باقی جگہ "بہٖ" بعد میں آتا ہے، تم دلیل سے ثابت کرو کہ یہاں "بہٖ" پہلے ہے اور یہاں بعد میں، قرآن کا ایک ہی لفظ ہے، پہلی جگہ سورہ بقرہ میں جہاں آیا ہے، وہاں "وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ." "بہٖ" کو پہلے لائے ہیں، اور باقی جگہ جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں "وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ." "بہٖ" بعد میں ہے، ایسا کیوں ہے؟ کوئی منکر حدیث، کوئی قادیانی مجھے بتادے کہ "بہٖ" یہاں پہلے کیوں ہے اور وہاں بعد میں کیوں

ہے؟ اور اس پر دلیل قائم کر کے دکھا دیں۔

مجموعہ امت معصوم ہے:

میں دلیل دیتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ جس امت نے اس قرآن کو نقل کیا ہے وہ برحق ہے، وہ جھوٹی نہیں ہو سکتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی معصوم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں، آپؐ کی زبانِ مبارک سے جو لفظ نکلا، جس طرح نکلا وہ ٹھیک ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی معصوم نہیں، لیکن مجموعہ کا مجموعہ امت معصوم ہے، یہ ممکن نہیں کہ ساری کی ساری امت یک لخت گمراہ ہو جائے، ممکن ہی نہیں، اس لئے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشین ہے، اور ان کو آگے دین پہنچانا ہے، مجھ سے غلطی ہو سکتی ہے، میں معصوم نہیں، بڑے سے بڑے عالم سے غلطی ہو سکتی ہے، وہ معصوم نہیں، اور ہمارے عقیدے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی معصوم نہیں، ہم تو صحابہؓ کو بھی معصوم نہیں کہتے، معصوم صرف ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے، نہ بارہ معصوم مانتے ہیں، نہ چودہ، ایک ہی معصوم مانتے ہیں، لیکن جس طرح یہ بات محال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یا زبانِ مبارک سے کوئی غلط لفظ نکلے، اسی طرح ناممکن ہے کہ پوری کی پوری امت کسی غلط بات پر متفق ہو جائے، یہ ممکن نہیں ہے۔

سچے کی نقل سچی اور جھوٹے کی جھوٹی:

میں نے اس دوست کو یہ بات سمجھائی کہ جو تم سے یہ بحث کرتا ہے، اس کو بولو پہلے قرآن کا ثبوت دو، حدیث کی بات بعد میں کریں گے، لاؤ تو کسی منکر حدیث کو، مجھے اس کا جواب دے دے، کہتا ہے جی! قرآن تو قرآن ہے نا، میں نے کہا کہ قرآن تو قرآن ہے، لیکن تجھ پر تو نازل نہیں ہوا، اور نہ مجھ پر نازل ہوا ہے، نہ میرے ابا پر، نہ تیرے ابا پر نازل ہوا ہے، قرآن تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور

نقل در نقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچا۔ کیا کوئی اس بات کا انکار کرے گا؟ اور جب بھی کوئی چیز نقل کی جاتی ہے تو نقل کرنے والے پر اعتماد ہوتا ہے، اگر سچا آدمی ایک بات کو نقل کرے تو ہم سچی سمجھتے ہیں، اور اگر جھوٹا آدمی ایک بات کو نقل کرے تو ہم اس پر اعتماد نہیں کرتے، ہدایت یافتہ بات کرے تو ہم اس کو قبول کرتے ہیں، اور گمراہ آدمی اگر بات کرے تو ہم نہیں مانتے۔

چودہ صدیاں گمراہ؟

تمہارے نزدیک دس پانچ مولوی نہیں بلکہ ساری کی ساری امت گمراہ اور ایک صدی نہیں، نسلوں کی نسلیں گمراہ، ایک صدی میں تین نسلیں بدلتی ہیں، چودہ صدیوں میں باون نسلیں گزریں، تم کہتے ہو کہ امت کی باون نسلیں گمراہ ہیں، تو پھر تم اسلام سے کیا لیتے ہو؟ لیکن شیطان نے جال لگادیا ہے، اس میں لوگ پھنس رہے ہیں، تو ایک معرکہ حق و باطل کا عقائد میں ہے، سب سے پہلا معرکہ، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سیدھی شاہراہ روشن کردی ہے، الحمدللہ! لائٹیں لگی ہوئی ہیں، پوری روشنی آرہی ہے، راستے میں پڑی ہوئی سوئی تک نظر آرہی ہے، اللہ تعالیٰ اس امت کے اکابرؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے اپنے دین کی، اپنی کتاب کی اور اپنے نبیؐ کی جتنی خدمت کی ہے دوسری قوموں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

یہود و نصاریٰ اپنے بزرگوں کے نام کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے:

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی سیرت طیبہ پر ایک چھوٹی سی کتاب ہے ''النبی الخاتم'' کے نام سے، بہت عجیب و غریب کتاب ہے، اس کے شروع میں دوسری قوموں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تم سے اپنے بزرگوں کے نام کا بوجھ نہیں اٹھایا جاسکا، تو تم ان کے کارناموں کا بوجھ کیسے اٹھا سکتے ہو؟ ان کے دین کی کیسے حفاظت کرسکتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک جس

طرح قرآن کریم کو حفظ کیا گیا، کوئی قوم اس کی ایک مثال پیش کردے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبہ کو جس طرح اس امت نے ضبط کیا، کوئی قوم اس کی ایک مثال پیش کردے۔

ہماری ہر بات کی سند ہے:

میں تمہارے سامنے منبر پر بیٹھ کر یہ کہا کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، یہ فرمایا اور یہ فرمایا، میں گپ نہیں ہانکتا، یہ سب کچھ کتاب میں سند کے ساتھ لکھا ہوا ہے، میں نے اپنے استاد سے پڑھا، انہوں نے اپنے استاد سے پڑھا، انہوں نے اپنے استاد سے پڑھا، انہوں نے اپنے استاد سے پڑھا، سینتیس (۳۷) واسطوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں، یعنی ہر بات ہر استاذ سند کے ساتھ کہتا ہے، بغیر سند کے نہیں۔

کسی یہودی اور عیسائی کے پاس سند نہیں:

کسی یہودی سے کہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اقوال سند کے ساتھ بیان کرے، اقوال تو الگ رہے، اپنی کتاب کی سند بیان کردے، یہ جو بائبل لئے پھر رہے ہیں، اس کی سند بیان کریں، کسی عیسائی عالم سے کہو کہ اپنی کتاب کی سند حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بیان کردے، اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے اقوال، ان کے افعال، ان کے ارشادات، ان کا عملی نمونہ کہ آپؑ اس طرح نماز پڑھتے تھے، اس طرح حج کرتے تھے، اس طرح روزہ رکھتے تھے، اس طرح سوتے تھے، اس طرح جاگتے تھے، اس طرح چلتے تھے، اس طرح پھرتے تھے۔

کوئی امت ایسا ریکارڈ پیش کرسکتی ہے؟

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو ریکارڈ جمع کیا ہے اور محفوظ رکھا ہے کوئی قوم ایسا ریکارڈ پیش کرسکتی ہے؟

اگر ہے تو لاؤ، ہمارے دین کی ایک ایک چیز اللہ کے فضل سے محفوظ ہے، اس کے عقائد پر الگ کتابیں لکھی گئیں، اصول پر الگ کتابیں لکھی گئیں، تفسیر پر الگ لکھی گئیں، حدیث شریف پر الگ لکھی گئیں، ایک ایک فقرہ قرآن کریم کا اور اس کی تشریح علمائے امت نے کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک جملے کی شروحات کی گئیں، تشریحات کی گئیں، الحمدللہ! لوگوں کے کہنے کے مطابق ہم اندھیرے میں نہیں ہیں۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ جی کس کے پیچھے چلیں؟ ہمیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہوئے نظر آرہے ہیں، ہمارے دین کی ایک ایک بات منقح ہے، اور یہی مسئلہ بعد میں اعمال میں بھی آجاتا ہے۔

بدعات کی کوئی سند نہیں:

بدعات کا ایک طوفان برپا کر رکھا ہے لوگوں نے، یہ بھی ایک چیز (دین) ہے، یہ بھی چیز (دین) ہے، یہ بھی چیز (دین) ہے، نعوذ باللہ! اب سڑکوں پر مارچ کرنا، عید میلاد النبی کا جلوس نکالنا، یہ بھی دین ہے، یہ دین کس وقت سے ایجاد ہوا تھا؟ کیا ایک حدیث پیش کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جلوس نکالے تھے؟ کسی صحابیؓ نے نکالے تھے؟ امام ابوحنیفہؒ نے نکالا تھا؟ شاہ عبدالقادر جیلانیؒ نے نکالا تھا؟ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اس قسم کے جلوس نکالے تھے؟ تم نے شیعوں کی نقل اتارنا شروع کر دی، وہ تو گمراہ تھے اور اسی قسم کی اور بے شمار بدعات لوگوں نے ایجاد کر لیں۔

گلشن محمدیؐ سدا بہار ہے:

لیکن اللہ کا شکر ہے کہ علمائے اہل سنت نے ایک ایک چیز کو منقح کر کے، چھانٹ کر کے رکھ دی، جتنے یہ فالتو پودے اُگے ہوئے تھے سب کو کاٹ کر رکھ دیا، گلشن

محمدی الحمدللہ! سدا بہار ہے، اور قیامت تک رہے گا، چودہ صحابہؓ سے یہ حدیث مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِیْنَ عَلَی الْحَقِ.“ (ترمذی ج:۲ ص:۴٦) یعنی میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر لڑتی رہے گی، ایک لمحہ کے لئے بھی یہ سلسلہ نہیں رکے گا، دوام کے ساتھ لڑتی رہے گی، ایک امت، ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، چلتی رہے گی یہاں تک کہ وہ مسیح دجال سے لڑے گی۔

اور صحیح مسلم کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: ”فَیَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ.“ (ج:۱ ص:۸۷) یعنی حتیٰ کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوجائیں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں دے کر ہم فارغ ہوجائیں گے، جب تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل نہیں ہوجاتے یہ امانت اپنے سینے سے لگائے رکھیں گے، اور لڑتے رہیں گے، قتال و جہاد جاری رہے گا، ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے اور طریقے سے ایک انچ ہٹنے نہیں دیں گے، نکیر کریں گے۔ تو باطل لوگوں کو کتنا خوشنما نظر آتا ہے کوئی کوئی نظریہ ایجاد کرتا ہے، کوئی کوئی نعرہ لگاتا ہے، لیکن انجام کار کچھ بھی نہیں۔

دعا:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں حق پر قائم رکھے، حق ہی پر ہمیں مارے، حق ہی پر ہماری موت ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رسالت و نبوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمیں وابستہ رکھے، آپؐ کی سنت پر ہمیں قائم رکھے اور جو اعمال، جو اخلاق، جو عقائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دے کر گئے تھے، الحمدللہ! محفوظ چلے آتے ہیں، مٹے نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر قائم رکھے، اگر ہم میں عملی کوتاہیاں اور کمزوریاں پائی جاتی ہیں تو ہم اس کا اقرار کریں گے، ہماری غلطی ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات برحق ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی
چند دعائیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے معمولات:

آج میں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی کچھ دعائیں نقل کرتا ہوں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد کا معمول تھا کہ وہ اپنی مجلس وعظ میں یہ دعائیں کیا کرتے تھے:

''اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ بِوَصْلِکَ مِنْ صَدِّکَ وَبِقُرْبِکَ مِنْ طَرْدِکَ وَبِقُبُوْلِکَ عَنْ رَدِّکَ وَاجْعَلْنَا مِنْ اَھْلِ طَاعَتِکَ وَوُدِّکَ وَاَھِلْنَا لِشُکْرِکَ وَحَمْدِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.'' (قلائد الجواہر ص:۴۱)

ترجمہ:...... ''اے اللہ! ہم پناہ لیتے ہیں آپ کے وصل کی آپ کے منہ پھیرنے سے، اور ہم پناہ لیتے ہیں آپ کے قرب کی آپ کے دھتکارنے سے، اور ہم پناہ لیتے ہیں آپ کے

قبول کی آپ کے رد کردینے سے، اے اللہ! ہمیں اپنی اطاعت اور دوستی کرنے والوں میں سے بنا، اور ہمیں اپنے شکر و حمد کا اہل بنا کہ ہم ہردم آپ کا شکر بجالاتے رہیں اور آپ کی حمد کرتے رہیں۔"

اس کے بعد دوسری دعا نقل کی ہے:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ اِیْمَانًا یَصْلُحُ لِلْعَرْضِ عَلَیْکَ، وَاِیْقَانًا نَقِفُ بِہٖ فِی الْقِیَامَۃِ بَیْنَ یَدَیْکَ، وَعِصْمَۃً یُنْقِذُنَا بِھَا مِنْ وَرَطَاتِ الذُّنُوْبِ، وَرَحْمَۃً تُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ دَنَسِ الْعُیُوْبِ، وَعِلْمًا نَفْقَہُ بِہٖ اَوَامِرَکَ وَنَوَاھِیَکَ، وَفَھْمًا نَعْلَمُ بِہٖ کَیْفَ نُنَاجِیْکَ، وَاجْعَلْنَا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مِنْ اَھْلِ وِلَایَتِکَ، وَامْلَأْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ، وَاکْحُلْ عُیُوْنَ عُقُوْلِنَا بِاِثْمَدِ ھِدَایَتِکَ، وَاحْرُسْ اَقْدَامَ اَفْکَارِنَا مِنْ مَّزَالِقِ مَوَاطِئِ الشُّبُھَاتِ، وَامْنَعْ طُیُوْرَ نُفُوْسِنَا مِنَ الْوُقُوْعِ فِیْ شُبَّاکِ مُوْبِقَاتِ الشَّھَوَاتِ، وَاَعِنَّا فِیْ اِقَامَۃِ الصَّلٰوَاتِ عَلٰی تَرْکِ الشَّھَوَاتِ، وَامْحُ سُطُوْرَ سَیِّاٰتِنَا مِنْ جَرَائِدِ اَعْمَالِنَا بِاَیْدِی الْحَسَنَاتِ، کُنْ لَنَا حَیْثُ یَنْقَطِعُ الرَّجَاءُ مِنَّا اِذَا اَعْرَضَ اَھْلُ الْجُوْدِ بِوُجُوْھِھِمْ عَنَّا حِیْنَ تَحْصُلُ فِیْ ظُلَمِ اللُّحُوْدِ رَھَائِنُ اَفْعَالِنَا اِلٰی یَوْمِ الْمَشْھُوْدِ، وَاَجِرْ عَبْدَکَ الضَّعِیْفَ عَلٰی مَا اَلِفَ، وَاَعْصِمْہُ مِنَ الزَّلَلِ، وَوَفِّقْہُ وَالْحَاضِرِیْنَ لِصَالِحِ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ، وَاَجْرِ عَلٰی لِسَانِہٖ مَا یَنْتَفِعُ بِہِ السَّامِعُ وَتَذْرُفُ لَہُ الْمَدَامِعُ وَیَلِیْنُ الْقَلْبُ

الْخَاشِعُ، وَاغْفِرْ لَهُ وَلِلْحَاضِرِيْنَ وَلِجَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ."
(قلائد الجواہر ص:۴۱)

ترجمہ:......"یا اللہ! ہم آپ سے مانگتے ہیں ایسا ایمان جو صلاحیت رکھتا ہو آپ کی بارگاہ عالی میں پیش ہونے کی، یا اللہ! ہم آپ سے مانگتے ہیں ایسا یقین جس کے ساتھ قیامت میں ہم آپ کے سامنے کھڑے ہوں، یا اللہ! ہم آپ سے مانگتے ہیں ایسی عصمت جس کے ذریعہ آپ ہمیں گناہوں کے گرداب سے بچالیں، یا اللہ! ہم آپ سے ایسی رحمت کی درخواست کرتے ہیں جس کے ساتھ آپ ہمیں عیوب کی گندگی سے پاک کردیں، یا اللہ! ہمیں ایسا علم عطا فرما، جس کے ذریعہ ہم آپ کے امر و نہی کو سمجھیں، یا اللہ! ہمیں ایسا فہم نصیب فرما جس کے ذریعہ ہم یہ جان لیں کہ آپ کے ساتھ کیسے مناجات کریں، یا اللہ! ہمیں دنیا اور آخرت میں اپنے اہل ولایت میں سے بنادے، یا اللہ! ہمارے دلوں کو اپنی معرفت کے نور سے بھردے، یا اللہ! ہماری عقلوں کی آنکھوں میں اپنی ہدایت کا سرمہ لگادے، یا اللہ! ہمارے افکار کے قدموں کی شبہات کے موقعوں پر پھسلنے کی جگہوں سے حفاظت فرما، یا اللہ! ہمارے نفسوں کے پرندوں کو ہلاک کرنے والی شہوتوں کے جال میں پھنسنے سے بچا، یا اللہ! نمازوں کے قائم کرنے میں شہوتوں کو چھوڑنے پر ہماری مدد فرما، یا اللہ! نیکیوں کے انعامات کے ذریعہ ہمارے نامۂ اعمال کے صحیفوں سے ہماری برائیوں کی سطروں کو مٹادے، یا اللہ! جب قبروں کی تاریکیوں میں ہم اپنے کئے ہوئے افعال میں قیامت

تک محبوس ہوں گے، اس حالت میں جب تمام اہل سخاوت ہم سے منہ پھیرلیں گے اور جب ہماری امیدیں سب سے منقطع ہوجائیں گی، اس وقت آپ ہماری امیدوں کا سہارا بن جایئے، یا اللہ! اپنے اس کمزور بندے کو اس تالیف پر اجر عطا فرما اور لغزشوں سے اس کو بچا اور اس کو اور تمام حاضرین کو اچھی بات کہنے اور اچھے کام کرنے کی توفیق عطا فرما، یا اللہ! اس کی زبان پر وہ مضامین جاری فرما جن سے سننے والوں کو نفع ہو، جن سے آنسو بہ پڑیں اور خشوع والے دل تر ہوجائیں، یا اللہ! اپنے اس بندے کی اور تمام حاضرین کی اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کی بخشش فرما۔“

قیامت کی پیشی:

اس دعا میں عرض سے مراد سب سے بڑی پیشی، قیامت کی پیشی، اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا۔

اور حضرت شیخ رحمہ اللہ مجلس کے ختم ہونے پر حاضرین سے فرمایا کرتے تھے:

”جَعَلَنَا اللہُ وَاِیَّاکُمْ مِمَّنْ تَنَبَّہَ لِخِدْمَتِہٖ وَتَنَزَّہَ عَنِ الدُّنْیَا وَتَذَکَّرَ یَوْمَ حَشْرِہٖ وَاقْتَفٰی آثَارَ الصَّالِحِیْنَ اِنَّہٗ وَلِیُّ ذَالِکَ وَالْقَادِرُ عَلَیْہِ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ.“ (قلائد الجواہر ص:۴۱)

ترجمہ:......”اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں سے بنائیں جو اس کی خدمت کے لئے بیدار اور چوکنے رہتے ہیں، جو دنیا کی آلائشوں سے پاک وصاف رہتے ہیں، جو اپنے حشر کے دن کو یاد رکھتے ہیں، اور جو سلف صالحین کے نشان قدم

کی پیروی کرتے ہیں، بے شک وہ اس کا مالک ہے اور اس پر
قادر ہے، اے رب العالمین! ایسا ہی کیجئے۔"
اور پھر یہ شعر پڑھتے تھے:

وَمَنْ یَتْرُکُ الْآثَارَ قَدْ ضَلَّ سَعْیُهٗ
وَهَلْ یَتْرُکُ الْآثَارَ مَنْ کَانَ مُسْلِمًا

(قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر ص:۱۴۱ مطبوعہ حلبی مصر)

ترجمہ:....."اور جو شخص سلف صالحین کے نشان قدم کو
چھوڑ دے اس کی محنت رائیگاں گئی اور کیا کوئی شخص جو مسلمان ہو
سلف صالحین کے نشان قدم کو چھوڑ سکتا ہے؟"

قرب اور وصل الٰہی کی دعا:

اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنا وصل نصیب فرما کر ہماری طرف سے منہ پھیر لینے سے ہمیں اپنی پناہ عطا فرما، ایسا نہ ہو کہ جب قیامت میں ہم آپ کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوں تو آپ ہم سے منہ پھیرنے والے ہوں، اور ہم سے اعراض کرنے والے ہوں، اور ہمیں اپنا قرب نصیب فرما کر ہمیں اپنی بارگاہ سے دھتکار دینے سے پناہ عطا فرما، ایسا نہ ہو کہ آپ ہمیں اپنی بارگاہ سے نکال دیں اور راندۂ درگاہ بنادیں، جیسے ابلیس کو فرمایا گیا: "اُخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ." (نکل جا کہ تو مردود اور راندۂ درگاہ ہے)۔

قبولیت کی درخواست:

یا اللہ! ہمیں اپنا قبول نصیب فرما کر ہمیں اور ہمارے اعمال کو رد کرنے سے پناہ عطا فرما، یعنی ہم سے جو کچھ بن پڑتا ہے اس کو شرف قبول نصیب فرما، اور جو کچھ بھی ہم پیش کر رہے ہیں، اس کو رد نہ فرما۔

اہل طاعت ومحبت سے ہونے کی درخواست:

یا اللہ ہمیں اپنے اہل طاعت اور اہل محبت میں سے بنا، جو لوگ کہ آپ کی طاعت کرتے ہیں، بندگی کرتے ہیں، آپ کے حکموں کی فرمانبرداری کرتے ہیں، ہمارا شمار قیامت کے دن اہل محبت اور طاعت میں سے کیجیو، اور ہمیں اپنے شکر اور حمد کا اہل بنا کہ ہم ہر دم آپ کا شکر بجالاتے رہیں اور آپ کی حمد کرتے رہیں۔

لوگوں کی مختلف حالتیں:

یا ارحم الراحمین قیامت کے دن کچھ لوگ ایمان کے ساتھ حاضر ہوں گے، کچھ لوگ نفاق کے ساتھ حاضر ہوں گے، کچھ لوگ نعوذ باللہ! کفر کے ساتھ حاضر ہوں گے، کچھ لوگ اخلاص لے کر حاضر ہوں گے اور کوئی دکھلاوا اور ریاکاری لے کر حاضر ہوں گے، کوئی طاعت لے کر حاضر ہوں گے اور کوئی نافرمانیاں لے کر حاضر ہوں گے، کوئی اس حالت میں حاضر ہوں گے کہ ملائکہ ان کو مبارکباد دے رہے ہوں گے اور کچھ اس حالت میں حاضر ہوں گے کہ فرشتے ان پر لعنت کر رہے ہوں گے، کچھ ایسے حضرات حاضر ہوں گے کہ ان کی مہمان نوازی کی جائے گی، "نُزُلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِيمِ." (رب رحیم کی طرف سے ان کی مہمانی کی جائے گی)، کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو ذلیل کیا جائے گا، اے اللہ ہمیں ایسا ایمان نصیب فرما جو قیامت کی پیشی کی صلاحیت رکھتا ہو اور ایسا یقین نصیب فرما جس کے ساتھ ہم قیامت کے دن آپ کے سامنے کھڑے ہوسکیں اور ہمیں ایسی عصمت عطا فرما (عصمت کے معنی بچانا) جو ہمیں گناہوں کی دلدل سے نکال دے۔

عصمتِ انبیاءؑ کا مفہوم:

حضرات انبیاء علیہم السلام کو عصمت عطا فرمائی جاتی ہے، نبی معصوم ہوتے ہیں کہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، نہ کبیرہ گناہ، نہ صغیرہ گناہ، نہ نبوت سے

پہلے، نہ نبوت کے بعد، ہاں! بھول چوک اور خطا ان سے ہوسکتی ہے، لیکن ان کی خطا بھی رضائے الٰہی کے لئے ہوتی ہے۔

خطا کے معنی یہ ہیں کہ ایک کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنے کا قصد کیا، وہ کام اپنی جگہ صحیح تھا، جائز تھا، لیکن ان حضرات انبیأ کے مقام رفیع سے نیچا تھا، ان حضرات کی شان کے لائق یہ تھا کہ اس سے اونچی بات کو سوچتے، اس سے اونچی بات کا قصد کرتے، اور اسی کو اختیار کرتے، الغرض یہ حضرات کبھی بھول چوک کی وجہ سے افضل کو چھوڑ کر غیرافضل کو اختیار کرلیتے ہیں، جو ان کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے خطائے اجتہادی کہلاتی ہے، حضرات انبیأ کرام علیہم السلام کی جتنی خطائیں ذکر کی گئی ہیں وہ سب اسی طرح کی ہیں کہ وہ کبھی شاذ و نادر طور پر افضل کو چھوڑ کر غیرافضل کو اختیار کرلیتے ہیں، وہ بھی قصداً نہیں بلکہ خطائے اجتہادی کے طور پر، بہرحال حضرات انبیأ کرام علیہم السلام پر ہمیشہ عصمت کا پہرہ رہتا ہے۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ اور عصمتِ انبیأ کا مفہوم:

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا فارسی میں ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جس کا نام "منصب امامت" ہے، اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوچکا ہے، اس میں فرماتے ہیں:

> "ومعنی عصمت آنست کہ آنچہ بایشاں تعلق می دارد اقوال و افعال و احوال آن ہمہ را حق جل و علا از مداخلت نفس و شیطان وخطأ ونسیان بقدرت کاملہ خود محفوظی دارد، و ملائکہ حافظین را بر ایشاں می گارد، تا غبار بشریت دامن پاک ایشاں را نہ آلاید ....."

ترجمہ:...... "اور عصمت کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمام

چیزیں جو ان حضرات سے تعلق رکھتی ہیں، خواہ وہ اقوال ہوں یا افعال، (عبادات ہوں یا عادات، معاملات ہوں یا مقامات، اخلاق ہوں) یا احوال، حق تعالیٰ شانہ ان تمام چیزوں کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ نفس و شیطان کی مداخلت سے محفوظ رکھتے ہیں، اور محافظ فرشتوں کو ان پر مقرر فرمادیتے ہیں تاکہ بشریت کا غبار ان کے پاک دامن کو آلودہ نہ کرے......"

(سبحان اللہ! ہمارے کچھ دوست حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کو "وہابی" کہتے ہیں۔ ناقل)

تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر ہمیشہ عصمت کا پہرہ رہتا ہے تاکہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے بقول ان کے مقدس دامن پر غبار بشریت کا کوئی داغ دھبہ نہ آنے پائے۔

انبیاءؑ سے باوجود طاقت کے معصیت کا صدور محال ہے:

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ایک ہے گناہ کرنے کی طاقت نہ ہونا، یہ عصمت نہیں اور ایک یہ ہے کہ گناہ کرنے کی طاقت تو ہے لیکن اس کے باوجود گناہ کا صادر ہونا ممکن نہیں، اسی کو عصمت کہتے ہیں۔

اس کی مثال ایسے سمجھ لیجئے کہ ایک شخص روزے دار ہے، شام کا وقت ہے، افطار کے وقت بہت اچھی اچھی چیزیں اس کے سامنے رکھی ہوئی ہیں، بھوک اور پیاس بھی ہے، کھانے کی خواہش بھی ہے، اور یہ ان کو کھا بھی سکتا ہے، اس کو کھانے کی طاقت بھی ہے، یہ نہیں کہ کھانے کی قدرت نہ ہو، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جب تک سورج غروب نہیں ہوجاتا نہیں کھاؤ گے، اس لئے یہ نہیں کھاتا، اس حکم الٰہی کے احترام میں ممکن نہیں کہ یہ کھائے، اگر کوئی اس کو زبردستی کھلانا چاہے تب بھی نہیں

کھائے گا، الغرض کھانے کی طاقت ہے لیکن اس کے باوجود محض حلم الٰہی سمجھتے ہوئے نہیں کھاتا، یہی مثال انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کی سمجھ لیجئے، عصمت کے یہ معنی نہیں جس کام کو ہم گناہ کہتے ہیں ان حضرات کو اس کے کرنے کی قدرت و طاقت نہیں ہوتی، بلکہ ان میں بھی طاقت موجود ہے، لیکن وہ عصمت کی وجہ سے گناہ نہیں کرسکتے، کیونکہ ہمہ وقت ان پر عصمت کا پہرہ رہتا ہے، یہ معنی ہیں عصمت کے، ان میں طاقت ہوتی ہے بلکہ دوسرے لوگوں سے زیادہ طاقت ہوتی ہے۔

چالیس ہزار مردوں کے برابر طاقت:

چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے کہ:

"قَالَ (اَنَسٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ): کُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّہٗ اُعْطِیَ قُوَّۃَ ثَلٰثِیْنَ." (بخاری ج:۱ ص:۴۱)

ترجمہ:...... "ہم آپس میں یہ بات ذکر کیا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس مردوں کی قوت عطا کی گئی ہے۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس جنتیوں کی طاقت عطا کی گئی تھی۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وقع فی روایة الاسماعیلی من طریق ابی موسیٰ عن معاذ بن هشام: "اربعین" بدل ثلاثین ...... وفی صفة الجنة لابی نعیم من طریق مجاهد مثله، وزاد: "من رجال اهل الجنة." ومن حدیث عبدالله بن عمرو رفعه: "اعطیت قوة اربعین فی البطش والجماع."

(فتح الباری ج:۱ ص:۳۷۸)

ترجمہ:..... ''اور اسماعیلی من طریق ابوموسیٰ عن معاذ بن ہشام کی روایت میں تیس کے بجائے چالیس مردوں کی طاقت کا ذکر ہے، اور ابونعیم کی صفت جنت میں مجاہد کے حوالے سے بھی اسی طرح ہے، البتہ اس میں جنت کے آدمیوں کا اضافہ ہے، اور عبداللہ بن عمرو کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مجھے پکڑنے اور جماع کے معاملہ میں چالیس مردوں کی طاقت دی گئی ہے۔''

اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ ایک جنتی کو سو مردوں کی قوت عطا کی جائے گی، چنانچہ متعدد کتب حدیث میں ہے:

''وعند احمد والنسائی وصححه الحاکم من حدیث زید بن ارقم رفعه: ان الرجل من اهل الجنة لیعطٰی قوة مائة فی الاکل والشرب والجماع والشهوة.'' (ترمذی ج:۲ ص:۷۶ عن انسؓ، مسند احمد ج:۴ ص:۳۷۱، ابن ابی شیبہ ج:۱۳ ص:۱۰۸، دارمی ج:۲ ص:۲۴۱، موارد الظمان ص:۶۰۰ عن زید بن ارقمؓ)

ترجمہ:..... ''احمد، نسائی میں حضرت زید بن ارقم سے مرفوع حدیث ہے اور اس کی امام حاکم نے تصحیح کی ہے کہ ایک جنتی کو جنت میں کھانے، پینے، جماع کرنے اور شہوت میں سو مردوں کی طاقت دی جائے گی۔''

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں کے ملانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت چالیس ہزار مردوں کے برابر ثابت ہوئی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"فَعَلٰی ھٰذَا یُعْطٰی قُوَّۃُ نَبِیِّنَا اَرْبَعَۃَ آلَافٍ."

(فتح الباری ج:۱ ص:۳۷۸)

ترجمہ:......"پس اس اعتبار سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ہزار جوانوں کی طاقت دی جائے گی۔"

انبیاءؑ کا مجاہدہ:

تو انبیاءؑ کرام علیہم السلام میں طاقت زیادہ ہوتی ہے، اس کے باوجود عصمت کی بنا پر وہ ضبطِ نفس سے کام لیتے ہیں، صبر کرتے ہیں، اس لئے ان کا مجاہدہ بھی بڑھ جاتا ہے، اور ان کا اجر بھی بڑھ جاتا ہے۔

بیس روٹی کھانے والا اگر چار کھائے تو مجاہدہ ہے:

ہمارے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کی خدمت میں شکایت کی گئی کہ خانقاہ میں ایک آدمی روٹیاں بہت کھاتا ہے، یہ شخص خانقاہ کے ذاکرین میں سے تھا، یہ حضرات حکیم ہوتے ہیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی! یہ جو خانقاہ میں کھانا کھاتا ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو، اس سے پوچھو کہ خانقاہ میں آنے سے پہلے کتنا کھایا کرتا تھا؟ چنانچہ اس سے پوچھا گیا کہ یہاں آنے سے پہلے کتنی روٹیاں کھایا کرتے تھے؟ کہنے لگا: بیس کھایا کرتا تھا، یہاں آکر چار نہیں پانچ کھالیتا ہوں، تو جس شخص کو بیس روٹیوں کی بھوک ہو اور وہ پانچ روٹیاں کھائے، اس نے چوتھائی بھوک کے مقدار روٹی کھائی، اور جو ڈیڑھ روٹی نہ کھاسکتا ہو، اگر وہ دو روٹیاں کھالے تو اس نے اپنی بھوک سے آدھی روٹی زیادہ کھائی، اب غور کرو کہ کس نے تھوڑا کھایا؟ ڈیڑھ روٹی کی بھوک رکھنے والا اگر دو روٹیاں کھا جائے، اس نے تو مجاہدہ نہیں کیا، اس نے تو اپنی بھوک سے زیادہ کھالیا، لیکن جس بے چارے کی بھوک بیس روٹیوں کی تھی، اس نے پانچ کھائیں، اس نے واقعی مجاہدہ کیا کہ اپنی بھوک کا چوتھا حصہ پورا کیا، تین حصے

پورے نہ کیے، تو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں سے زیادہ قوتیں عطا فرمائی ہیں، ان قوتوں کے باوجود وہ صبر کرتے ہیں۔

تعدّد ازواج کی حکمتیں:

میں ماموں کانجن میں ہوتا تھا، ہمارے سامنے ایک خاتون ڈاکٹر تھیں، اس کا بھائی اس سے ملنے کے لئے آیا، بالکل نوعمر سا تھا، بیس، بائیس سال کی عمر ہوگی، بے چارا بہت سے مسائل میں غلط فہمیوں میں الجھا ہوا تھا، وہ ہر بات میں کہتا تھا کہ یا تو یہ مسئلہ غلط ہے یا مولوی جھوٹ بولتے ہیں، خیر مجھ سے گفتگو کرنے لگا، میں نے کہا کہ بے چارہ نوعمر ہے، اس کو سمجھانا چاہئے، کہنے لگا کہ ہم نے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں، اور مولوی کہتے ہیں کہ صرف چار نکاح کرسکتے ہیں، یا تو مولوی جھوٹ بولتے ہیں یا حدیث غلط ہے، میں نے اس کو سمجھایا کہ نہ تو مولوی جھوٹ بولتے ہیں اور نہ حدیث غلط ہے، ہمیں چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، چار سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا سے تشریف لے گئے، اس وقت آپؐ کے عقد میں نو ازواج مطہراتؓ تھیں، میں نے اس کو تعدد ازواج کے مسئلہ میں بہت سی چیزیں سمجھائیں، ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ہزار مردوں کی طاقت عطا فرمائی گئی تھی، اور جب ہر مرد کے لئے چار بیویوں کی اجازت ہے تو جو شخص چار ہزار مردوں کے برابر طاقت رکھتا ہو، اس کو سولہ ہزار بیویوں کی اجازت ہونی چاہئے تھی، مگر آپؐ نے صرف نو بیویوں پر کفایت فرمائی، ادھر میرا اور آپ کا یہ حال ہے کہ شاید ایک بیوی کے بھی لائق نہیں، اب ایک شخص وہ ہے جس کی طاقت ایک بیوی کی بھی متحمل نہیں، اس کو چار بیویوں کی اجازت ہے، اور ایک شخص وہ ہے جس کو سولہ ہزار کی طاقت ہے، اس کو صرف نو بیویاں دی گئیں، اب تم بتاؤ کہ کس کے ساتھ رعایت کی گئی؟

دعوتِ نبوت کے لئے عورتوں کی ضرورت:

دوسری بات یہ ہے کہ ہر آدمی کے کچھ نظریات ہوتے ہیں، اور اس کو اپنی دعوت کو پھیلانے کا حق دیا گیا ہے، مردوں میں تو آدمی خود کام کرسکتا ہے، لیکن عورتوں میں کام کرنے کے لئے اس کو کسی نائب کی، کسی سیکریٹری کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیوی کو تجویز کیا ہے۔

ہمارے زمانے کا دستور:

یہ تو ہمارے زمانے کا دستور ہے کہ نامحرم بھی سیکریٹری ہیں، عورتوں کے مرد اور مردوں کی عورتیں۔ عورتوں کے اعضائ مستورہ کا علاج مرد کرتے ہیں، اور مردوں کے اعضائ مستورہ کا علاج بے چاری لڑکیاں کرتی ہیں، میرے پاس بہت سی لڑکیوں کے خطوط آتے ہیں کہ ہم ڈاکٹری پڑھتی ہیں، اور ہمیں مردوں کے اعضائ مستورہ کو دیکھنا اور چھونا پڑتا ہے، ہم کیا کریں؟ میں لکھ دیتا ہوں کہ یہ اس معاشرے کی خرابی ہے، یا تو تم ڈاکٹری پڑھنا چھوڑ دو، یا گورنمنٹ سے اس قباحت کے خلاف احتجاج کرو، ہوتا یہ ہے کہ میت کی برہنہ لاش رکھی ہوئی ہے اور لڑکے اور لڑکیاں سب مل کر اس کا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں، اور سب کے سامنے مردہ کے اعضائ مستورہ کو ہاتھ لگاتے ہیں، نہ معلوم جدید معاشرے نے شرم و حیا کا جامہ کیوں تار تار کردیا ہے؟ مرد اور عورت کا کوئی امتیاز نہیں رہنے دیا گیا۔

جدید فیشن نے مرد اور عورت کی تمیز ہی ختم کردی:

اب دیکھئے کہ زچہ خانوں میں بعض مرد ڈاکٹر زچگی کرواتے ہیں، حالانکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہمیشہ سے عورتوں کے ساتھ خاص سمجھی گئی ہے، لیکن یہ جدید فیشن ہے جس نے مرد کو مرد نہیں رہنے دیا اور عورت کو عورت نہیں رہنے دیا، حیا اور شرم کا تصور ہی ختم کردیا، نرسنگ کا پیشہ خاص طور سے لڑکیوں کے ساتھ خاص کردیا گیا ہے،

اور کہا جاتا ہے کہ عورت بہتر تیمارداری کر سکتی ہے، حالانکہ محرم عورتیں بھی اپنے محرم مرد کو پیشاب، پاخانہ کرواتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہیں، لیکن ہسپتالوں میں نامحرم لڑکیوں کو اس خدمت پر مقرر کر دیا گیا ہے، اور وہ اجنبی مردوں کو پیشاب، پاخانہ کراتی ہیں، اس کا کوئی احساس ہی نہیں کہ شرم و حیا بھی کوئی چیز ہے، تو میں اس زمانے کی بات نہیں کر رہا یہ تو ماشاءاللہ بیسویں صدی ہے، میں اس معاشرے کی بات کر رہا ہوں جس میں غیر عورتیں سیکریٹری نہیں بن سکتیں تھیں۔

ایک مرد کو چار کی اجازت ہے، تو نبی کی دعوت کے لئے کتنی ہونی چاہئیں؟

تو اللہ تعالیٰ نے ہر مرد کو چار تک سیکریٹری رکھنے کی اجازت دے دی ہے کہ عورتوں کے میدان میں دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کے لئے تم اپنے چار معاون رکھ سکتے ہو، وہ تمہارے لئے محرم ہوں گی، نامحرم نہیں، تم ان کو سمجھا دو گے اور وہ مستورات تک تمہاری دعوت پہنچا دیں گی، یہ تو اللہ تعالیٰ نے عام آدمیوں کو اجازت دی ہے، اب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر غور کرو، جن کا دین اسود و احمر کے لئے ہے، گورے اور کالے کے لئے ہے، مشرق اور مغرب کے لئے ہے، موجود اور غائب کے لئے ہے، ہر وقت اور ہر زمانے کے لئے ہے، ہر خطہ اور ہر جگہ کے لئے ہے، ہر شخص اور ہر قوم کے لئے ہے، تم بتاؤ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو امت کی تمام عورتوں تک پہنچانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کتنی عورتیں ہونی چاہئے تھیں؟

اس وقت پتہ نہیں کہاں سے مضامین کی آمد ہوئی تھی، اس نوجوان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ بیویاں ہونے کی حکمتیں سمجھاتے ہوئے جب میں نے چار نکات بیان کر کے یہ کہا کہ نمبر پانچ، تو وہ صاحب کہنے لگے کہ اگر آپ مجھے

آدمی سمجھتے ہیں تو یہ مسئلہ میں سمجھ گیا ہوں۔

انبیاءؑ کی جتنی قوت ہوتی ہے ضبط بھی اسی طرح کا ہوتا ہے:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں اور لوگوں سے زیادہ قوت ہوتی ہے، اور جتنی زیادہ قوت اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے، اتنا ہی کامل ضبط و نفس بھی انہیں عطا فرمایا ہے، یہی مجاہدہ ہے جس سے ان کا اجر بھی بڑھتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

"عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یُوْعَکُ. فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّکَ تُوْعَکُ وَعْکًا شَدِیْدًا. قَالَ: اَجَلْ! اِنِّیْ اُوْعَکُ کَمَا یُوْعَکُ رَجُلَانِ مِنْکُمْ. قُلْتُ: ذَالِکَ بِاَنَّ لَکَ اَجْرَیْنِ. قَالَ: اَجَلْ! ذَالِکَ کَذَالِکَ ..... الخ."

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۸۴۳)

ترجمہ:...... "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، (میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار ہے، اور بہت ہی شدید بخار ہے) میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو تو بہت ہی شدید بخار ہے، فرمایا: ہاں! مجھے تم لوگوں سے دوگنا بخار ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر بھی دوہرا ملے گا۔ فرمایا: ٹھیک سمجھے ہو۔"

اللہ اکبر! دو آدمیوں کے برابر بخار، اگر معمولی بخار ایک سو دو یا ایک سو تین

درجہ کا فرض کرلیا جائے تو اس کا ڈبل کتنا ہوگا؟ معمول کا بخار اگر ایک سو چار یا ایک سو پانچ تک پہنچ جائے تو ہمارا جو حال ہوجاتا ہے وہ آپ کو معلوم ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بخار جو اس کا ڈبل ہوجاتا ہوگا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہاں! تمہارے دو آدمیوں کے برابر مجھے بخار ہوتا ہے۔

خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ عصمت کے یہ معنی نہیں کہ نبیوں میں طاقت نہیں ہوتی، طاقت ہوتی ہے، اگر طاقت نہ ہو تو ان کو ثواب کیا ملے گا؟ ان میں طاقت ہوتی ہے، طاقت ہونے کے باوجود ان پر عصمت کا پہرہ رہتا ہے۔

اس عصمت کی بدولت ممکن نہیں کہ ان کی آنکھ بھٹک جائے، ممکن نہیں کہ ان کی زبان بھٹک جائے، ممکن نہیں کہ ان کے کان بھٹک جائیں، ممکن نہیں کہ ان کے ہاتھ پاؤں بھٹک جائیں، ان کے وجود کے کسی حصہ سے گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، یہ عصمت ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، یہ جو شیعہ لوگ بارہ معصوم اماموں کا عقیدہ رکھتے ہیں، محض غلط ہے، عصمت صرف انبیائے کرام علیہم السلام کا خاصہ ہے، کسی کو معصوم سمجھنا گویا اس کو نبی سمجھنا ہے۔

اولیائ محفوظ ہوتے ہیں:

ہاں! اولیائ اللہ محفوظ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی بھی گناہوں سے حفاظت کرتے ہیں تو اسی حفاظت کو طلب کرنے کے لئے حضرت شیخ رحمہ اللہ دعا کر رہے ہیں:

> ''یا اللہ! ہمیں ایسی حفاظت نصیب فرما جس کے
> ذریعہ آپ ہمیں گناہوں کی دلدل سے نکال دیں۔''

مطلب یہ کہ ہم گناہوں کی دلدل میں مبتلا نہ ہوں، کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونے والا ولی اللہ نہیں ہوسکتا، اور اگر کبھی غلبۂ بشریت کی وجہ سے کبیرہ گناہ سرزد ہو بھی جائے تو وہ بغیر توبہ کے نہیں رہ سکتا، جس شخص کا حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ صحیح تعلق ہو وہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہے، اور کبیرہ گناہوں سے بچنے کے لئے صغیرہ گناہوں سے بھی بچتا ہے، کیونکہ صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔

مؤمن اور منافق میں فرق:

ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اَنَّ الْمُؤْمِنَ یَرٰی ذُنُوْبَهٗ کَاَنَّهٗ فِیْ اَصْلِ جَبَلٍ یَخَافُ اَنْ یَّقَعَ عَلَیْهِ، وَاِنَّ الْفَاجِرَ یَرٰی ذُنُوْبَهٗ کَذُبَابٍ وَّقَعَ عَلٰی اَنْفِهٖ، قَالَ بِهٖ هٰکَذَا فَطَارَ ..... الخ."

(ترمذی ج:۲ ص:۷۳)

ترجمہ:..... "مؤمن سے جب گناہ سرزد ہوتا ہے تو اسے ایسا لگتا ہے کہ جیسے پہاڑ کے نیچے آگیا ہوں، (جو شخص پہاڑ کے نیچے دب جائے اس پر کتنا بوجھ ہوگا؟ اور وہ اس سے نکلنے کی کتنی کوشش کرے گا؟) بخلاف منافق کے، منافق کو ایسا لگتا ہے کہ مکھی ناک پر بیٹھی تھی، اڑادی۔"

منافق التفات بھی نہیں کرتا کہ مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے، اور مجھے توبہ کی ضرورت ہے، ہمارے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے درمیان یہی فرق ہے، ہم اپنی زندگی گزارتے ہوئے پرواہ نہیں کرتے کہ ہم سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ تو سرزد نہیں ہورہا؟

ہماری بے اعتنائی:

اول تو ہمیں توجہ نہیں ہوتی اس لئے کہ ہمیں پرواہ نہیں، فکر نہیں کہ ہم سے کوئی نافرمانی سرزد نہ ہو اور اگر کبھی توجہ ہو بھی جائے تو کہتے ہیں کہ چلو جی اللہ تعالیٰ معاف کرے گا، یعنی ہمیں بچنے کی ضرورت نہیں ہے، بس یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ وہ خود ہمیں معاف کردیا کرے، ہمیں یہ کہنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہوگئی، اپنی رحمت سے مجھے معاف کردیجئے، بس یہ کہہ دیتے ہیں کہ کوئی بات نہیں، اللہ معاف کرے گا۔

ہماری غفلت اور شیطان کی ہوشیاری کی مثال:

یہ بے پروائی ہے اور جو شخص اپنے دین کے بارے میں بے پرواہ ہوجاتا ہے وہ دین کو غارت کرڈالتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی بہت بڑے خزانے پر کسی شخص کو پہرے دار مقرر کیا گیا ہو، وہ آرام سے سوجائے، یا کہیں بے پروائی سے چلا جائے اور چور ڈاکو اس کا خزانہ لوٹ کر لے جائیں، ہمیں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ پر پہرے دار مقرر فرمایا کہ اعمال صالحہ کرو، اور ان کا پہرہ بھی دو کہ وہ ضائع نہ ہوجائیں، اور یہ اعمال صالحہ بہت بڑی دولت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں، یہ جو ہمارے اعضا ہیں، ہاتھ پاؤں، یہ بہت بڑی دولت ہیں، اور یہ اعمال صالحہ کے خزانے ہیں، لیکن ہمیں نہ تو یہ احساس ہے کہ ہمارے پاس کتنا خزانہ ہے اور نہ اس کا احساس ہے کہ اس خزانے کو لوٹ بھی لیا جاتا ہے۔

شیطان، انسان کے تعاقب میں ہے:

شیطان ہمارے تعاقب میں ہے، ہمہ دم چوکس بیٹھا ہے، جیسے بلی گھات لگا کر بیٹھتی ہے، اسی طرح ہمارے اعمال صالحہ کو اچکنے کے لئے شیطان گھات لگا کر بیٹھتا ہے، اس کی صرف ایک مثال دے دیتا ہوں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"عَنْ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلشَّیْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ، فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ."

(مشکوٰۃ ص:۱۹۹)

ترجمہ:......"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: شیطان آدمی کے دل پر جم کر بیٹھتا ہے، اگر بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے، اور جوں ہی بندہ ذکر الٰہی سے غافل ہو جائے شیطان وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔"

شیطان کی قسم:

ادھر یہ غافل ہوا نہیں ادھر شیطان نے اپنا کام کیا نہیں، تو معلوم ہوا کہ شیطان تو ہر دم تاک میں رہتا ہے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم کھائی تھی، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ." (ص:۸۲)

ترجمہ:......"تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کروں گا، ہاں تیرے مخلص بندے بچ جائیں تو دوسری بات ہے۔"

تو ہم لوگ اول تو بے پرواہ ہیں، گناہ ہوتے ہیں تو کوئی پرواہ نہیں، نہیں ہوتے تب بھی ٹھیک ہے، یعنی گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں ہے، اپنے دامن کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام نہیں ہے، اور جب گناہ ہو جاتا ہے اور ہمیں اس کا

احساس بھی ہوجاتا ہے کہ ہم سے گناہ سرزد ہوا ہے تو اب رجوع الی اللہ کا اور حق تعالیٰ شانہ کی طرف توبہ کرنے کا اہتمام نہیں ہے، یہ فکر نہیں کہ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، اور اس گناہ کی نجاست سے اپنے دامن کو توبہ کے پانی سے دھوڈالیں، بس یوں کہہ دیتے ہیں کہ چلو جی! کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں، بھئی اللہ تعالیٰ کی ذات تو بڑی کریم ہے، نہ معلوم کس کس کو کس کس بات پر بخش دیں گے، ان کی بخشش میں تو کوئی شبہ نہیں، کوئی کلام نہیں، گفتگو تو اس میں ہے کہ اگر ہم سے گناہ ہوجائے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ کیا ہمیں اس پر بے چین نہیں ہونا چاہئے تھا؟ کیا ہمارا صرف یہ کہہ لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی بخش دیں گے۔

اہل اللہ کا گناہوں سے بچنے کا اہتمام:

تو میں نے کہا اللہ کے بندوں کے درمیان اور ہمارے درمیان یہ فرق ہے کہ وہ اول تو اہتمام کرتے ہیں گناہوں سے بچنے کا، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود
گر زباغش یک خلائے کم شود

سالک کے دل پر ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں اگر اس کے باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہوجاتا ہے، یہ جو باغ اس نے لگا رکھا ہے دل میں، اگر اس میں ایک تنکے کی بھی کمی آجاتی ہے تو اس پر ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں، تو وہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں، خدانخواستہ اگر کبھی سہو کی بنا پر، بشریت کی بنا پر کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو فوراً توبہ کرتے ہیں۔

جب تک اللہ راضی نہ ہوجائے:

ایک حدیث شریف میں دعا کا مضمون آتا ہے:

"وَلَکَ الْحَمْدُ حَتّٰی تَرْضٰی وَلَکَ الْحَمْدُ اِذَا

رَضِيْتَ يَا اَهْلَ التَّقْوٰى وَيَا اَهْلَ الْمَغْفِرَةِ.“

(کنزالعمال ج:۲ حدیث:۵۱۰۰)

ترجمہ:......”اور تجھ کو منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہوجائے اور تیرے لئے حمد ہے جب تو راضی ہوجائے، اے تقویٰ (کو پسند کرنے) والے اور معاف کرنے والے۔“

عجیب الفاظ ہیں! اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے ہیں کہ یا اللہ! اگر آپ ہماری کسی غلطی کی وجہ سے ناراض ہوجائیں تو چین سے نہیں بیٹھیں گے، بلکہ آپ کو بہرصورت منانا ہے، اور جب تک آپ راضی نہ ہوجائیں ہم بدستور آپ کو مناتے رہیں گے، پس اگر کہیں غلطی ہوجائے تو جب تک اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوجائیں اور اس بات کا اطمینان نہ ہوجائے کہ ہاں توبہ قبول ہوگئی، اس وقت تک وہ چوکھٹ کو نہیں چھوڑتے، اور جب آپ راضی ہوجائیں تو آپ کا شکر ادا کرنا ہے۔

گناہوں کی دلدل:

تو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اپنی دعا میں فرماتے ہیں کہ:

”یا اللہ! ہمیں ایسی عصمت عطا فرما کہ آپ ہمیں گناہوں کی دلدل سے بچالیں، اس دلدل میں مبتلا نہ ہونے دیں۔“

اس کو دلدل اس لئے کہا کہ جیسے دریا میں بھنور ہوتا ہے، اس میں اگر کوئی شخص پھنس جائے تو پھر اس کا نکلنا بہت مشکل ہوجاتا ہے، ہاں کوئی اس کا ہاتھ پکڑ لے تو پھر دوسری بات ہے، کوئی دوسرا ہاتھ پکڑ کر نکال لے تو نکال لے، ورنہ بھنور اسے نیچے لے جاتا ہے اور غرق کرکے چھوڑتا ہے، اسی طرح گناہوں کے گرداب میں جو شخص جا پہنچتا ہے، پھر اس کے لئے نکلنا بہت مشکل ہوجاتا ہے، جب تک کہ کوئی

دست گیری کرنے والا نہ ہو، ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو، تو اللہ ہی بچائیں، یا اللہ! ہمیں ایسی عصمت عطا فرما جو ہمیں گناہوں کے ورطہ سے، گناہوں کے بھنور سے، گناہوں کی دلدل سے، گناہوں کے گرداب سے نکال دے۔

رحمت اور مغفرت کا مفہوم:

”یا اللہ ہمیں ایسی رحمت عطا فرما جو ہمیں عیوب کی
گندگی سے، میل کچیل سے پاک صاف کر دے۔“

اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے، ایک مغفرت اور ایک رحمت، ایک ہے بخش دینا، اور ایک ہے رحمت کر دینا، تو یہ بخش دینا اور رحمت کرنا کیا ہوا؟ بزرگ فرماتے ہیں کہ بخش دینا تو یہ ہوا کہ گناہ پر مؤاخذہ نہ کیا جائے بلکہ گناہوں کو ڈھانک دیا جائے، لیکن گناہ کا اثر تو باقی رہے گا، پکڑ تو نہ کی لیکن گناہ کا عیب تو لگا ہوا ہے، بھئی میرے دامن کو دھبہ لگا ہوا ہو اور گندگی لگی ہوئی ہو، آپ اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں کرتے، لیکن آپ کے اس مؤاخذہ نہ کرنے سے گندگی تو دور نہیں ہو جائے گی، وہ تو لگی رہے گی، تو رحمت یہ ہے کہ اس گندگی کو بھی دھوڈالے، پاک صاف کر دے۔ حق تعالیٰ شانہ گناہوں کی مغفرت بھی فرماتے ہیں اور اپنی رحمت سے گناہوں کے داغ دھبے بھی دھوڈالتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

”فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّئَاتِہِمْ حَسَنَاتٍ.“

(الفرقان:۷۰)

ترجمہ:......”یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سیئات
کو حسنات سے بدل دیں گے۔“

برائیوں کو جھاڑ دیں گے، جیسے کہ کپڑے کو دھو کر پاک صاف کر دیا جاتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ شانہ گناہوں کی آلودگی سے، ان کی گندگی سے، ان کی نجاست سے

ہمارے دامن ایمان کو پاک کردیں گے، یہ رحمت ہے اور اسی کو شیخ رحمہ اللہ ذکر فرما رہے ہیں کہ: ''ہمیں اپنی طرف سے ایسی رحمت عطا فرما جس کے ذریعہ عیوب کی گندگی اور اس کے میل کچیل سے آپ ہمیں پاک کردیں۔''

رحمت کا دوسرا معنیٰ:

ایک معنی رحمت کے اور بھی ہیں۔ وہ یہ کہ قصوروار کے قصور کو معاف کردینا، یعنی اس پر مؤاخذہ نہ کرنا، پکڑ نہ کرنا تو مغفرت ہے اور جب قصوروار ندامت کے ساتھ آئے تو اس کو انعامات سے نوازنا رحمت ہے، تو حق تعالیٰ شانہ صرف گناہوں کی مغفرت پر کفایت نہیں فرماتے بلکہ جو بھی توبہ لے کر آئے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے نوازشیں اور عنایات فرماتے ہیں، گناہ بھی معاف ہوئے اور ساتھ کے ساتھ عنایات الٰہیہ کے تحائف بھی لے کر آئے، حق تعالیٰ شانہ ہم سب کو اپنی رحمت ومغفرت کا مورد بنائیں۔

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حاضرین سے فرمایا کرتے تھے:

''جَعَلَنَا اللّٰهُ وَإِيَّاكُمْ مِمَّنْ تَنَبَّهَ لِخِدْمَتِهٖ وَتَنَزَّهَ عَنِ الدُّنْيَا وَتَذَكَّرَ يَوْمَ حَشْرِهٖ وَاقْتَفٰى آثَارَ الصَّالِحِيْنَ اِنَّهٗ وَلِيُّ ذَالِكَ وَالْقَادِرُ عَلَيْهِ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ.'' (قلائدالجواہر ص:۴۱)

ترجمہ:...... ''اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان لوگوں میں سے بنائیں جو اللہ تعالیٰ کی خدمت کے لئے متنبہ ہوجائیں اور جاگ جائیں، (خدمت سے مراد ہے اللہ کی عبادت کے لئے کھڑا ہونا) اور دنیا سے پرہیز کریں اور اپنے حشر کے دن کو یاد کریں، اور نیک لوگوں کے آثار کی اقتدا کریں (اللہ تعالیٰ ہمیں

ان لوگوں میں سے بنائیں)، بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ولی
ہیں اور اس پر قادر ہیں۔"

سلف صالحین کی اتباع:

اور آخر میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

وَمَنْ يَتْرُكُ الْآثَارَ قَدْ ضَلَّ سَعْيُهُ
وَهَلْ يَتْرُكُ الْآثَارَ مَنْ كَانَ مُسْلِمًا

(قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر ص:۴۱)

ترجمہ:......"جو شخص کہ سلف صالحینؒ کے نشاناتِ قدم
کو چھوڑ دے اس کی محنت رائیگاں جاتی ہے، اور کیا کوئی مسلمان
اپنے سلف صالحینؒ کے آثار اور نشانات کو چھوڑ سکتا ہے؟"

یہ گویا ان کی دعا کا خلاصہ ہوتا تھا کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو خدمت کے لئے متنبہ ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مشغول رہتے ہیں، عقلمند اور دانشمند غلام اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے، بیدار رہتا ہے، غافل نہیں ہوتا، اور سوتا نہیں، سونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے دل کی آنکھیں بند نہیں ہوتیں، اگر آرام کرتا ہے تو اس مقصد کے لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی مشین ہے، اس کو آرام دینا بھی ضروری ہے، غرضیکہ اپنی خواہشات میں مشغول ہونے کی بجائے اپنے مالک کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے۔

دنیا سے نزاہت:

اور دوسری چیز دنیا سے منزہ ہونا ہے، اور یہ اس لئے نزاہت اور پاکیزگی حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ دنیا ہے ہی ایسی چیز کہ اس سے پاکیزگی حاصل کی جائے، چنانچہ کنزالعمال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے:

"اَلدُّنْیَا جِیْفَةٌ، فَمَنْ اَرَادَھَا فَلْیَصْبِرْ عَلٰی مُخَالَطَةِ الْکِلَابِ." (کنز العمال ج:۳ حدیث:۸۵۶۴)

ترجمہ:...... "دنیا مردار ہے، جو شخص اس کو حاصل کرنا چاہے، وہ کتوں سے میل جول پر صبر کرے۔"

اسی مضمون کو عام طور پر اس طرح ذکر کیا جاتا ہے کہ:

"اَلدُّنْیَا جِیْفَةٌ وَطَالِبُھَا کِلَابٌ."

ترجمہ:...... "دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔"

دنیا کو مقصد بنانے کے نقصانات:

جب دنیا کو مقصد بنایا جائے تو اسی طرح ہوتا ہے جس طرح آج ہو رہا ہے، لڑائیاں بھڑائیاں ہوتی ہیں، مناقشت ہوتی ہے، چھینا جھپٹی ہوتی ہے، ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش ہوتی ہے، ایک دوسرے سے حسد ہوتا ہے، کینہ ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

دنیا آخرت کے لئے ہو:

لیکن اگر دنیا کی زندگی اس مقصد کے لئے ہو کہ آخرت کی تیاری کرنی ہے، اور آدمی کو آخرت کی فکر ہمیشہ لگی رہے، اور آخرت کا مقصد سامنے رہے تو پھر آدمی کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا اور اس کے تمام کام دنیا نہیں، بلکہ سب کچھ آخرت کے حساب میں شمار ہوتا ہے۔

دنیا آخرت کے لئے ہو تو وہ بھی دین ہے، ایک مثال!

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر فرمایا کہ جب کھانے کا حساب کرتے ہیں کہ کھانے کی مد میں اتنے پیسے خرچ ہوئے، یعنی مطبخ کا

حساب کرتے ہیں تو اس میں لکڑیوں اور اوپلوں کی بھی قیمت لگاتے ہیں، گائے اور بھینس کا گوبر ایندھن کے کام آتا ہے، اس سے کھانا پکایا جاتا ہے، تو لکڑی اور اوپلے بھی کھانے کی مد میں لگائے جاتے ہیں، اب کوئی پوچھنے والا ہو کہ تم نے کھانے کے حساب میں لکھا ہے کہ کھانے پر اتنا خرچ ہوا، تو کیا اوپلے بھی کھائے جاتے ہیں؟ کہ ان کو کھانے کے حساب میں شمار کیا، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اوپلے کھائے تو نہیں جاتے لیکن ان کے بغیر کھانا تیار نہیں ہوتا، اس لئے جب کھانے کا حساب کیا جائے گا، تو اوپلوں کو بھی ان میں شامل کیا جائے گا۔

بس اسی مثال سے سمجھ لیجئے کہ مؤمن آدمی دنیا میں کھاتا ہے، پیتا ہے، نکاح کرتا ہے، بیوی بچے رکھتا ہے، مشاغل اختیار کرتا ہے، لیکن یہ تمام چیزیں خود مقصد نہیں بلکہ اوپلے ہیں، ان کو کھانے کے لئے نہیں خریدتا بلکہ جلانے کے لئے خریدتا ہے، ان سے کھانے کی تیاری میں کام لینا مقصود ہے، اگر ان تمام چیزوں سے آخرت کی تیاری کا کام لینا مقصود ہے تو یہ چیزیں دنیا نہیں بلکہ دین کی مد میں اور آخرت کے حساب میں شمار ہوتی ہیں۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفْقَةً عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ." (مشکوٰۃ ص:۱۷۰)

ترجمہ:...... "جب مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو وہ اس کے لئے صدقہ شمار ہوتا ہے۔"

جائز خرچ پر اجر:

گویا مؤمن کو اس کے جائز خرچ میں اجر دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ جو لقمہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے، اس پر بھی اس کو اجر دیا جاتا ہے، اب بیوی کو کھلانا یہ تو دنیاداری کی چیز ہے، ہر کافر اور ہر مؤمن میں مشترک ہے، نیک اور بد میں

پائی جاتی ہے، اپنے گھر والوں کو بھی کما کر کھلاتے ہیں، لیکن مؤمن کو اس پر اجر دیا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ آخرت کے لئے یہ کام کرتا ہے، صرف دنیا مقصد نہیں بلکہ آخرت مقصد ہے، ایک حدیث میں ہے کہ:

''عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ بِکُلِّ تَسْبِیْحَۃٍ صَدَقَۃً، وَکُلِّ تَکْبِیْرَۃٍ صَدَقَۃً، وَکُلِّ تَحْمِیْدٍ صَدَقَۃً، وَکُلِّ تَھْلِیْلَۃٍ صَدَقَۃً، وَاَمْرٍ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃً، وَنَھْیٍ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃً، وَفِیْ بُضْعِ اَحَدِکُمْ صَدَقَۃً. قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَیَاْتِیْ اَحَدُنَا شَھْوَتَہٗ وَیَکُوْنُ لَہٗ فِیْھَا اَجْرٌ؟ قَالَ: اَرَأَیْتُمْ لَوْ وَضَعَھَا فِیْ حَرَامٍ اَکَانَ عَلَیْہِ فِیْہِ وِزْرٌ، فَکَذَالِکَ اِذَا وَضَعَھَا فِی الْحَلَالِ کَانَ لَہٗ اَجْرٌ.'' (مشکوٰۃ ص:۱۶۸)

ترجمہ:...... ''ہر تسبیح (سبحان اللہ کہنا) صدقہ ہے، ہر تکبیر (اللہ اکبر کہنا) صدقہ ہے، ہر تحمید (الحمدللہ کہنا) صدقہ ہے، ہر تہلیل (لا الٰہ الا اللہ کہنا) صدقہ ہے، نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے، بیوی کے پاس جانا صدقہ ہے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ایک آدمی بیوی سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے، کیا اس کو بھی اجر ملتا ہے؟ فرمایا: دیکھو اگر وہ ناجائز جگہ خواہش پوری کرتا تو اس کو گناہ ہوتا ہے، اسی طرح جب حلال جگہ جنسی خواہش پوری کرتا ہے تو اس کو اجر ملتا ہے۔''

تو ''تنزہ عن الدنیا'' جس کو شیخ رحمہ اللہ فرما رہے ہیں، یعنی دنیا کی زندگی سے تنزہ حاصل کرنا، وہ یہی ہے کہ اب دنیا کی آسائشوں اور یہاں کی لذتوں میں ایسا مشغول نہ ہوا جائے کہ اپنے مقصد کو بھول جائے، اگر یہ اپنے مقصد کو بھول گیا تو پھر

یہ دنیادار ہے۔

مؤمن دنیا دار نہیں ہوتا:

مؤمن کو دنیادار نہیں ہونا چاہئے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے اگر کوئی شخص کہتا کہ ہم تو دنیادار ہیں، تو حضرتؒ فرماتے کہ کیا مسلمان بھی دنیادار ہوتا ہے؟ مؤمن تو آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، ایک روایت میں فرمایا گیا ہے:

"اَنَّمَا الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ."

ترجمہ:......"دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔"

عجیب فقرہ ہے! تو ہم یہاں کھانے کمانے کے لئے پیدا نہیں ہوئے، مکان بنانے کے لئے پیدا نہیں کئے گئے ہیں، یہ چیزیں بھی چلیں گی، یہ بھی بند نہیں ہوں گی، لیکن یہ سب کچھ دنیا کی معیشت ہے، خود مقصود نہیں۔

دنیا ہمارا مقصد نہ ہو:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے:

"وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا غَایَۃَ رَغْبَتِنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا. رواہ الترمذی." (مشکوٰۃ ص:۲۱۹)

ترجمہ:......"اور نہ بنادینا دنیا کو ہمارا مقصود اعظم، اور نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود، اور نہ ہماری معلومات کی انتہا، اور ہم پر اس کو حاکم نہ کر جو ہم پر مہربان نہ ہو۔"

مسلمان دنیا میں مشقت میں ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، فرمایا: "مُسْتَرِيْحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ." (یہ راحت پانے والا ہے، یا اس سے راحت حاصل ہوگئی) عرض کیا گیا: اس کا کیا مطلب ہے کہ یہ راحت پانے والا ہے یا اس سے راحت مل گئی؟ فرمایا: مؤمن بندہ دنیا کی مشقتوں سے، یہاں کی تکلیفوں سے خلاصی حاصل کرلیتا ہے، راحت پالیتا ہے، مرگیا تو سب چیزوں سے آرام مل گیا، ہرقسم کی رحمت نصیب ہوگئی، اور فاجر اور بدکار آدمی اس سے اللہ کی مخلوق اور اللہ کی زمین راحت پاتی ہے، مرجاتا ہے تو اس سے سب کی جان چھوٹ جاتی ہے، زندگی ہوتو ایسی ہوکہ خیر ہی خیر سمیٹنے والی ہو۔

آدمی سے خیر پھیلے:

آدمی کو ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے وجود سے خیر پھیلے اور شر بند ہو، زندگی ایسی ہوکہ اس کی ذات سے اس کو بھی نفع پہنچے، راحت پہنچے اور اللہ کی دوسری مخلوق کو بھی نقصان نہ پہنچے، آدمی کا وجود نفع رساں ہونا چاہئے، پھر تو انشاءاللہ زندگی ہر خیر میں زیادتی کا باعث ہوگی، اور اگر آدمی کا وجود ایسا ہے کہ اپنے آپ کو بھی ہلاک کر رہا ہے اپنی بدعملیوں کی وجہ سے اپنے کو غارت کر رہا ہے اور اللہ کی مخلوق بھی اس سے تنگ ہے، زمین کے جن ٹکڑوں پر بدعملی کرتا ہے، وہ اس پر لعنت کرتے ہیں، تو ظاہر ہے ایسی زندگی سے موت اچھی ہے۔

زندگی کی معاش سے چارہ نہیں:

تو مقصد یہ ہے کہ زندگی کی معاش سے تو چارہ نہیں ہے، جب یہاں زندگی گزرے گی تو یہاں کی زندگی کے لوازم بھی حاصل کرنے پڑیں گے، کھانا پینا ہے، رہنا سہنا ہے، لباس و پوشاک ہے، اور دوسری ضروریاتِ زندگی ہیں، مگر مؤمن و کافر میں

یہی فرق ہے کہ مؤمن ان کو مقصد نہیں بناتا، کافر ان کو مقصد بناتا ہے۔

حضراتِ انبیاءؑ اور شیطان کی تلقین کا فرق:

حضرات انبیاءؑ کرام علیہم السلام دنیا کے لوگوں کو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ کھاؤ، پیو اور حدود کے اندر رہ کر دنیا برتو، لیکن یہاں کی چیزوں کو مقصد نہ بناؤ، اور شیطان لوگوں کو یہ تعلیم وتلقین کرتا ہے کہ بس انہیں چیزوں کو مقصد بناؤ، تم نے آخرت کہاں دیکھی ہے؟ کون مرے گا، کون جئے گا؟ چھوڑو اس قصے کو، تو ''تنزہ عن الدنیا'' یہ ہے کہ دنیا کو ایک نجاست سمجھتے ہوئے اس سے اپنے دامن کو پاک رکھنے کی کوشش کرو تاکہ تمہارے دامنِ ایمان کو اس کی کوئی آلودگی نہ لگے، وہ آلودگی کیا چیز ہے؟ حرام، ممنوع اور ناجائز چیزیں تمہاری زندگی کے دامن کو آلودہ نہ کریں، یہ ''تنزہ عن الدنیا'' ہے۔

بارگاہِ الٰہی کی پیشی کی یاد کی ضرورت:

اور تیسری دعا یہ فرمائی ہے کہ:

''یا اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو تیرے سامنے جمع ہونے کو اور تیری بارگاہ میں پیش ہونے کو یاد رکھتے ہیں۔''

اس کو یاد رکھنے میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں، اللہ کی بارگاہ میں پیشی کا ایک دھندلا سا تصور ہمارا بھی ہے، کسی بھی مسلمان سے پوچھو کہ ہم نے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے؟ فوراً کہے گا: ہاں! بھئی بڑی اچھی بات ہے، واقعی یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے، لیکن بندہ پرور! اس عقیدے کا اور تصور کا ہماری زندگی میں کیا اثر ہے؟

بارات کی تیاری اور آخرت سے غفلت:

آپ کے لئے کسی بارات میں شامل ہونے کی ایک تاریخ مقرر کردی گئی،

آپ اس کے لئے تیاری کرتے ہیں، کپڑے سلواتے ہیں، اور ضرورت کی چیزیں خریدتے ہیں، اور خوب بن ٹھن کر جاتے ہیں، اسی طرح اگر آپ کے لئے کسی بڑے افسر سے ملاقات کی تاریخ مقرر کردی گئی ہو تو آپ کا رکھ رکھاؤ دیکھنے کے لائق ہوتا ہے، اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ وہ افسر صاحب شلوار قمیص کو پسند نہیں کرتے، تو آپ اس افسر سے ملاقات کے لئے سوٹ سلواتے ہیں۔

دنیاوی افسر سے ملاقات کا لباس:

ایک صاحب نے لکھا تھا کہ میں ایک صاحب سے ملنے کے لئے گیا تھا، اس نے میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، میں واپس آگیا، اس کے بعد میں سوٹ پہن کر گیا، یعنی انگریزوں کا لباس، تو کھڑا ہوگیا، اور اس نے کھڑے ہوکر میرا استقبال کیا اور کہا کہ: ہاں! اب آدمیوں کا لباس پہن کر آئے ہو نا! تو اگر حاکم خاص قسم کا لباس پسند کرتا ہے تو آپ اس لباس کا اہتمام کرتے ہیں، اور ان تمام آداب کا اہتمام کرتے ہیں جو اس حاکم کی ملاقات کے لئے ضروری ہیں۔

ملاقاتِ الٰہی کا یقین ہے تو اہتمام کیوں نہیں؟

اب میں پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا واقعی یقین ہے تو کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا بھی کبھی اہتمام کیا ہے؟ کہ فلاں قسم کے لباس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں، اس لئے وہی لباس پہنا کریں گے، کیونکہ میری اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تاریخ مقرر ہوچکی ہے، اور پھر مجھے اپنا پورا نامہ اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنا ہے، اس نامۂ اعمال میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہئے جو کل قیامت کے دن میرے لئے باعثِ ندامت ہو، جس سے مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے، میرے نامۂ اعمال میں کوئی عمل ایسا نہیں ہونا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں یا میں اللہ تعالیٰ کے غضب یا ناراضگی کا مورد بن جاؤں۔

ملاقاتِ الٰہی کا دھندلا تصور:

تو میں نے کہا کہ تصور تو ہمارا بھی یہی ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنی ہے، مگر یہ تصور اتنا دھندلا ہے کہ ہمیں ملاقات کی تیاری پر آمادہ نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے اس پیشی کے مضمون کو قرآن کریم میں بار بار دہرایا ہے، مختلف عنوانات سے، مختلف پیرایوں سے، اور مختلف اسالیب سے اس کو ذکر فرمایا ہے تا کہ لوگوں کی سمجھ میں بات آجائے اور وہ اس کی تیاری کریں۔

چنانچہ سورۂ المطففین میں فرماتے ہیں:

”وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ. وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ. اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ. لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ. يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ.“ (المطففین:۱ تا ۴)

ترجمہ:...... ”ہلاکت ہے ان کمی کرنے والوں کے لئے جب لوگوں سے لیتے ہیں، تو پورا کر لیتے ہیں۔ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کو یہ گمان نہیں ہے؟ (کیا ان کو یہ دھیان اور خیال نہیں ہے؟) کہ ان کو اٹھایا جائے گا ایک بڑے دن میں۔ جس دن کھڑے ہوں گے لوگ رب العالمین کے سامنے۔“

کیا دنیا کا کوئی شخص یہ چاہے گا کہ مجھے کم چیز دی جائے؟ ہرگز نہیں! پھر جب دوسروں کو ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی کی پیشی ان کے سامنے نہیں۔ کیا ان لوگوں کو رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے کا اور اس دن کے حساب و کتاب کا خیال نہیں؟ یہاں تو تم نے

ایک پیسے کی یا معمولی سی چیز کی کمی کر کے اپنے نفس کو خوش کر لیا، لیکن ذرا سوچو کہ تم نے اپنی زندگی میں جو گھپلا کیا ہے، جب اس کا حساب دینا پڑے گا تو کہاں سے پورا کرو گے؟ یہاں تو جو کچھ لے لیا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ایک پیسہ آیا تو کیا نہ آیا تو کیا لیکن تم لوگ تھوڑی تھوڑی جو کمی کرتے گئے، جب پوری زندگی کا میزانیہ لگایا جائے گا تو کہاں سے پورا کر کے دو گے؟ ذرا سوچو! جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا یقین ہو، کیا ان کا کردار یہی ہونا چاہئے کہ کسی کے ساتھ ٹھگی کرتے رہیں؟ کسی کی چوری کرتے رہیں؟ کسی کے ساتھ ناپ تول میں گھپلا کرتے رہیں؟

متقین کی پیشی کا نقشہ!

قرآن کریم میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

”یَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِیۡنَ اِلَی الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا.“

(مریم:۸۵)

ترجمہ:...... ”جس دن ہم حشر کریں گے متقیوں کا رحمٰن کی طرف وفد کی شکل میں۔“

جیسے کوئی معزز وفد کسی بڑے حاکم سے ملنے کے لئے جاتا ہے، اسی طرح متقی اور پرہیزگار لوگوں کو فرشتے اعزاز و اکرام کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ تم سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

مجرمین کی پیشی کا منظر!

اور مجرموں کے بارے میں فرمایا:

”وَنَسُوۡقُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرۡدًا.“

(مریم:۸٦)

ترجمہ:...... ”اور ہم مجرموں کو ہانک ہانک کر جہنم کی

طرف لے جائیں گے، اس حال میں کہ وہ پیاسے ہوں گے۔"
کسی کا حشر اُس طرح ہوگا، کسی کا اِس طرح ہوگا۔

میدانِ حشر میں لوگوں کی حالت:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا. قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَلرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ؟ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ! اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَّنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ."

(مشکوٰۃ ص:۴۸۳)

ترجمہ:......"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: لوگ قیامت کے دن اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ پاؤں سے ننگے، برہنہ اور غیر مختون ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا مرد اور عورتیں سب ننگے اٹھائے جائیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ فرمایا: عائشہ! معاملہ اس سے کہیں سنگین ہے کہ کوئی کسی کو دیکھے۔"

قیامت کے دن لوگ ننگے ہوں گے:

یعنی قیامت کے دن لوگ اس طرح ننگے ہوں گے جیسا کہ پہلے دن پیدا ہوئے تھے، گویا جس شکل اور حالت میں ماں کے پیٹ سے تشریف لائے تھے، اس

حالت میں دوسری ماں یعنی زمین کے پیٹ سے نکلیں گے، چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: "کَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ." (الانبیاء:۱۰۴) یعنی جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔

سب سے پہلے کس کو لباس پہنایا جائے گا؟

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَاَوَّلُ مَنْ یُّکْسٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِبْرَاھِیْمُ."

(مشکوٰۃ ص:۴۸۳)

ترجمہ:......"قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔"

حضرات علمأ کرام فرماتے ہیں کہ اس روایت میں دو احتمال ہیں:

ایک احتمال یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے پہنایا جائے گا، لیکن چونکہ متکلم اپنی بات نہیں کیا کرتا بلکہ دوسروں کی بات کیا کرتا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولیت اپنے علاوہ دوسری مخلوق کے اعتبار سے بیان فرمائی ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر باقی مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، اس صورت میں یہ اولیت اضافی ہوگی۔

حضرت ابراہیمؑ کی جزوی فضیلت:

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اولیت حقیقی ہو یعنی ابراہیم علیہ السلام کو یہ خاص فضیلت دی گئی ہو تو یہ بھی بعید نہیں، کیونکہ بعض باتوں میں دوسرے انبیأ کو بھی فضیلت دی گئی، جس کو فضیلت جزئی کہتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی خاطر برہنہ کیا گیا تھا، ان کے کپڑے اتار کر ان کو نار نمرود میں ڈالا گیا تھا، اور اللہ کی ذات کی

خاطر ان کو ذلیل کیا گیا تھا، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معززوں کے سردار تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کا یہ بدلہ عطا فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بے ہوش نہ ہونا:

جیسا کہ ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"....... فَاِنَّهٗ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَيَصْعَقُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللهُ. قَالَ: ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ اُخْرٰى فَاَكُوْنُ اَوَّلُ مَنْ بُعِثَ اَوْ فِيْ اَوَّلِ مَنْ بُعِثَ فَاِذَا مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ آخِذٌ بِالْعَرْشِ فَلَا اَدْرِيْ اَحُوْسِبَ بِصَعْقَتِهٖ يَوْمَ الطُّوْرِ اَوْ بُعِثَ قَبْلِيْ .... الخ."

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۶۷)

ترجمہ:......"جب صور پھونکا جائے گا تو سب آسمان و زمین والے بے ہوش ہوجائیں گے، سوائے ان کے جن کو اللہ چاہیں گے، پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا، تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرشِ الٰہی کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اب میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بے ہوش ہی نہیں ہوئے، یا یہ کہ وہ بے ہوش تو ہوئے تھے لیکن مجھ سے پہلے ان کو ہوش آگیا، کیونکہ وہ ایک دفعہ کوہ طور پر تجلیٔ الٰہی سے بے ہوش ہوگئے تھے۔"

یہ تجلّی براہ راست حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نہیں ہوئی تھی، بلکہ یہ تجلّی کوہِ طور پر ہورہی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو بھی برداشت نہ کرسکے، حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے تو جمالِ جہاں آرا کے دیدار کی درخواست کی تھی، دیدار نہیں ہوا تھا، صرف تجلّی ہوئی تھی، ایک جھلک دکھادی گئی تھی، پورا جمال نہیں دکھایا گیا، موسیٰ علیہ السلام پر تجلّی ہوجاتی تو شاید برداشت نہ کرسکتے، موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے، بہت دیر کے بعد ہوش آیا۔

”فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبحَانَکَ تُبتُ اِلَیکَ وَاَنَا اَوَّلُ المُؤمِنِینَ.“ (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ:......”جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ: آپ پاک ہیں، میں آپ کی طرف توبہ کرتا ہوں، رجوع کرتا ہوں، اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔“

تو چونکہ کوہ طور پر تجلّی ہوئی اور اس تجلّی کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوگئے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ہوسکتا ہے کہ اس بے ہوشی کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت بے ہوش ہونے سے محفوظ رکھا ہو۔

جزوی فضیلت:

تو میں عرض کررہا تھا کہ بعض خصوصیات میں بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو بعض پر جزئی فضیلت حاصل ہے، رہی فضیلت کلی، جو تمام کمالات کی جامع ہے، وہ تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام بھی سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محبوب ومقبول اور مقرب بندے ہیں۔ اس لئے یہ بھی احتمال ہے کہ سب سے پہلے لباس پہنایا جانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت ہو، ملا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ:

”وعندی واللہ اعلم ان الانبیاء بل الاولیاء

يقومون من قبورهم حفاة عراة لكن يلبسون اكفانهم بحيث لا ينكشف عوراتهم علىٰ احد ولا علىٰ انفسهم ثم يركبون النوق يحضرون المحشر فيكون هٰذا الا لباس محمولًا على الخلع الالهية والحلل الجنتية علىٰ الطائفة الاصطفائية واولية ابراهيم يحتمل ان يكون حقيقة او اضافية. مرقاة.“ (حاشیہ مشکوٰۃ ص:۴۸۳)

ترجمہ:...... ”میرے نزدیک، واللہ اعلم، انبیائے کرام علیہم السلام بلکہ اولیائے اللہ بھی اپنے کفنوں میں اٹھائے جائیں گے، جس سے ان کا ستر نہ کھلے، پھر سواریوں میں سوار ہوکر میدان محشر میں حاضر ہوں گے، وہاں بارگاہ الٰہی سے انہیں خلعتیں عطا کی جائیں گی، اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خلعت کا عطا کیا جانا جو اس حدیث مذکور میں ہے، وہ حقیقی بھی ہوسکتا ہے اور اضافی بھی۔“

میدانِ حشر میں لوگوں کی مختلف حالتیں:

خیر میں عرض یہ کر رہا تھا کہ لوگوں کا حشر مختلف صورتوں میں ہوگا، کچھ ایسے حضرات ہوں گے جن کو لباس پہنایا جائے گا، اور پھر لباس بھی ہر ایک کی شان کے مطابق ہوگا، اس کے بعد بارگاہ الٰہی میں لے جانے کے اعتبار سے بھی لوگوں کے حالات مختلف ہوں گے، بعض خوش قسمت حضرات کو سواری عطا کی جائے گی، اور انہیں میدان محشر میں سواری پر لے جایا جائے گا، اور بعضوں کو پیدل لے جایا جائے گا، پھر بعضوں کو مجرمانہ طور پر طوق پہنا کر لے جایا جائے گا، اور بعضوں کو سر کے بل چلاکر لے جایا جائے گا۔ نعوذ باللہ!

"عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ! کَیْفَ یُحْشَرُ الْکَافِرُ عَلٰی وَجْھِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ؟ قَالَ: اَلَیْسَ الَّذِیْ اَمْشَاہُ عَلَی الرِّجْلَیْنِ فِی الدُّنْیَا قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّمْشِیَہٗ عَلٰی وَجْھِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ." (مشکوٰۃ ص:۴۸۳)

ترجمہ:......"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک نے کہا: یا رسول اللہ! کافر لوگ قیامت کے دن سر کے بل کیسے چلیں گے؟ فرمایا: جو ذات دنیا میں ٹانگوں کے بل چلاسکتی ہے، وہ ذات قیامت کے دن سر کے بل بھی چلاسکتی ہے، (اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے)۔"

قرآن کریم میں ہے:

"یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ. وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ." (القارعہ:۴،۵)

ترجمہ:......"جس دن کہ لوگ ہوجائیں گے پروانوں کی طرح، (حیرت کے مارے لوگوں کا یہ حال ہوگا) اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔"

قیامت کے دن کی ہولناکی:

قیامت کے دن کی ہولناکی کے سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

"یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ. یَوْمَ تَرَوْنَھَا تَذْھَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا

هُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ." (الحج:۱،۲)

ترجمہ:......"اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے، قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے، جس دن بھول جائے گی دودھ پلانے والی اپنے بچے کو اور حاملہ کا حمل جھڑ جائے گا، اور تم لوگوں کو دیکھو گے مدہوشوں کی طرح پھریں گے، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

اس دن کے ہول سے دودھ پلانے والی مائیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہوجائیں گے، اور لوگوں پر مدہوشی کا سا عالم طاری ہوگا، اوسان خطا ہوجائیں گے اور ہوش وحواس اڑ جائیں گے۔

یہ بارگاہِ خداوندی میں پیشی کی ایک جھلک ہے، ہر آدمی کو بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا ہے، اور اپنی پوری زندگی کا کچا چٹھا پیش کرنا ہے، ملائکہ گواہی دینے والے ساتھ ہوں گے، اور فرمایا جائے گا:

"اِقْرَأْ کِتَابَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا." (الاسراً:۱۴)

ترجمہ:......"پڑھ لے کتاب اپنی، تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔"

اس حشر کو یاد رکھنا اور اس بارگاہ الٰہی میں پیشی کو یاد رکھنا، یہ بہت بڑی بات ہے، ہم میں سے اکثر لوگ اس کو فراموش کئے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں یاد کرنے والوں میں سے بنائے، آمین!

شیخ رحمہ اللہ نے چوتھی دعا یہ فرمائی ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائیں جو سلف صالحین کے نشانات قدم پر چلتے ہیں۔"

نئے راستے نہ ڈھونڈو:

لوگوں کو شوق ہوتا ہے نئے راستے اختیار کرنے کا، یہ شوق پتہ نہیں کہاں سے آیا کہ ایسا کام کریں، ایسا کام کریں کہ پہلے کسی نے نہ کیا ہو، لوگ کوشش کرتے ہیں کہ بچہ کا ایسا نام رکھا جائے جو پہلے کسی نے نہ رکھا ہو، لیکن اس میں عافیت نہیں ہے۔

بھئی یہ بات یاد رکھو! کسی کے آگے چلنے میں عافیت نہیں ہے، لوگ بھول گئے، نئے نئے راستے تلاش کرتے ہیں، نئی نئی راہیں ڈھونڈتے ہیں، اور پھر بعض دفعہ ایسے گم ہوجاتے ہیں کہ وہیں بھٹک کر رہ جاتے ہیں، راستہ ہی نہیں ملتا، آگے راستہ گم ہوگیا، اب کدھر جائیں؟

اسلاف کی راہ ہی صراطِ مستقیم ہے:

بھئی پائمال راستہ اختیار کرو، جس پر سب اکابر چلتے گئے ہیں، اور جس پر سب کے نشان قدم موجود ہیں، یہی صراط مستقیم ہے جس کی سورہ فاتحہ میں دعا کرتے ہیں کہ: یا اللہ! ہمیں چلا صراط مستقیم پر، صراط مستقیم کیا ہے؟ جس پر انبیاءؑ کرام علیہم السلام چلتے رہے ہیں، جس پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے ہیں، جس پر امت کے صدیقین چلے ہیں، شہداء چلے ہیں، اولیاء اللہ اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے چلے ہیں، تو ہمیں اس راستے پر چلتے ہوئے کیوں عار آتی ہے؟

اپنے طور طریق اور اپنا طرز عمل ان اکابرؒ کے مطابق بناؤ، بعید نہیں کہ ان کے پیچھے چلتے چلتے تم بھی پہنچ جاؤ، آدمی صحیح راستے پر ہو اور کسی کا دامن پکڑا ہوا ہو اور کسی کے پیچھے چل رہا ہو تو کسی نہ کسی دن انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا، اور اگر پائمال راستے کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ لے لے گا تو اندیشہ ہے کہ کہیں بھٹک نہ جائے، ہلاک نہ ہوجائے، پس سلف صالحین کے آثار کی پیروی کرو، جس راستہ پر وہ چلے ہیں

اس راستہ پر چلو، جو عمل انہوں نے اختیار کیا ہے اس کو اختیار کرو، جو طرز زندگی انہوں نے اختیار کیا ہے اس طرز زندگی کو محبوب سمجھو، یہ اللہ کو محبوب بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور بہ بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم بھی ہے۔

دین کا خلاصہ:

اگر مجھ سے پوچھو تو میں نے ساری زندگی میں دین کا خلاصہ دو ہی چیزیں پائی ہیں، ساری زندگی کا خلاصہ دو حرف ہیں:

ایک یہ کہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندوں کا ساتھ نصیب ہو جائے۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے، بس بات ختم۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا ساتھ اسی شخص کو نصیب ہوگا جس کو ان کے عمل میں، ان کے طریق کار میں، ان کے راستے میں ان کا ساتھ نصیب ہو گیا، اور جو شخص یہاں ان کے راستے سے ہٹ کر چلتا ہے اس کو وہاں ان کا ساتھ کیسے نصیب ہوگا؟ ساتھ تو ساتھ والوں کو نصیب ہوتا ہے۔

دولتِ کبریٰ:

مقبولانِ الٰہی کا ساتھ نصیب ہو جانا وہ دولت کبریٰ ہے جس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں، یہ بہت بڑی دولت ہے، دولت کیا ساری دولتوں کا خلاصہ ہے، دولتوں کی کنجی ہے، خزانوں کی کنجی ہے، یہ دو چیزیں اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجیاں ہیں، ایک یہ کہ اللہ کی رضا نصیب ہو جائے اور دوسری یہ کہ اللہ کے مقبول بندوں کا ساتھ نصیب ہو جائے، سارے پاپڑ ان ہی دونوں کے لئے بیلتے ہیں، اور یہ وہ دولت کبریٰ ہے جس کی انبیائے کرام علیہم السلام بھی دعا کرتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کی دعا:

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قرآن کریم میں مذکور ہے:

"فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ."

(یوسف:۱۰۱)

ترجمہ:......"اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے، آپ ہی میرے رب ہیں دنیا و آخرت میں، مجھے وفات دے مسلمان ہونے کی حالت میں، اور ملادے مجھے نیک لوگوں کے ساتھ۔"

حضرت سلیمانؑ کی دعا:

حضرت سلیمان علیہ السلام تخت سلیمانی پر بیٹھ کر، فقیر بن کر اور محتاج بن کر دعا کر رہے ہیں، دیکھو دنیا کے اس بڑے بادشاہ کو، یہ بھی کسی کے دروازے کا فقیر ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت تو مشہور ہے، تخت سلیمانی پر بیٹھ کر کسی کے دروازے کے فقیر بن رہے ہیں اور دعا کر رہے ہیں:

"رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ." (النمل:۱۹)

ترجمہ:......"اے پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ میں شکر کروں اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر کی ہے، اور میرے ماں باپ پر کی ہے اور میں نیک عمل کروں، جس سے تیری رضا حاصل ہوجائے اور داخل کردے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں۔"

اس سعادت کی قدر چاہئے:

ہم لوگ بڑے ہی خوش قسمت ہیں، بڑے ہی سعادتمند لوگ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے سچے متبعین کا ساتھ ہمیں اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمادیا ہے، ہم بڑے خوش قسمت ہیں، ہمیں اللہ تعالیٰ نے محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب فرمادیا، لیکن بڑے بے قدرے ہیں، ہمیں اس کی قدر نہیں، اے کاش! ہمیں قدر ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنی بڑی نعمت عطا فرمائی ہے۔

دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی خدمت میں کھڑا ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں، دنیا کی نجاستوں سے اللہ تعالیٰ ہمارے دامن کو پاک رکھیں، اور اللہ تعالیٰ ہمیں بارگاہ عالی میں حاضری کو یاد کرنے والوں میں سے بنائے، اور اپنے نیک بندوں اور مقبول بندوں کا راستہ ہمیں نصیب فرمائیں، ان کی معیت نصیب فرمائیں، ان کے نشان قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائیں، یا اللہ! ہم آپ کے کمزور بندے ہیں، نالائق ہیں، نادان ہیں، یا اللہ اپنی رحمت سے ہماری دستگیری فرما، جو آپ نے اپنے مقبول اور محبوب بندوں کو نصیب فرمائی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

امتی ہونے کا حق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

آج سے چند سال قبل (۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۹۹۹ء)
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد ملتان میں ''مکین گنبد خضریٰ'' کانفرنس
منعقد کی گئی، جس کے مہمان خصوصی حضرت شہیدؒ تھے، اس موقع
پر آپؒ نے جو چشم کشا بیان فرمایا، پیش خدمت ہے۔ ....(ادارہ)

مولانا رشید احمدؒ کو خراج عقیدت:

سب سے پہلے حضرت مولانا رشید احمد مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے، آمین! اور اللہ تعالیٰ ان کے لگائے ہوئے باغیچے کو اور زیادہ بارآور کرے۔

اساتذہ کو مبارک باد:

دوسرے نمبر پر جناب مولانا زبیر احمد صاحب اور مدرسہ کے دوسرے حضرات مدرسین کی خدمت میں ہدیہ مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اس مدرسہ کو

نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ترقی عطا کی، اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور اپنے اکابرؒ کے ساتھ ہمیشہ ان کو منسلک فرمائے رکھے۔

چند نصیحتیں:

آپ حضرات یہاں بیانات سننے کے لئے تشریف لائے ہیں، بہت سے علمأ حقانی و علمأ ربانی آپ کو اپنے بیانات سے مستفید فرما رہے ہیں، چند گزارشات آپ کی خدمت میں میں بھی عرض کرتا ہوں۔

نعرہ بازی میرا مزاج نہیں:

پہلی بات تو یہ کہ یہ نعرے بازی اور ہاؤ ہو، میرے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی، اس لئے نہ میں نعرہ لگواؤں گا اور نہ آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ نعرے لگائیں، البتہ یہ گزارش کروں گا کہ توجہ کے ساتھ میری بات کو سنیں۔

مسلمانوں پر اللہ کا احسان:

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل فرمایا، میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر اللہ نے ہم پر یہ احسان نہ فرمایا ہوتا اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے منور نہ کیا ہوتا، تو خدا جانے ہم کہاں ہوتے؟ (نعوذ باللہ!) میں نے انگلینڈ میں بھی دیکھا ہے اور دوسرے ممالک میں بھی دیکھا ہے کہ عورتوں کا برا حال ہے، مردوں کا برا حال ہے، نہ ان بے چاروں کو کھانے کی تمیز اور نہ پینے اور رہنے کی تمیز، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان نہیں بلکہ حیوانات ہیں۔

اللہ کا کرم:

میں اکثر سوچتا ہوں کہ میرے اللہ نے ہم پر کرم نہ فرمایا ہوتا تو ہمارا بھی وہی

حال ہوتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی صحابہ کرامؓ کو یہ کلمات تلقین کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

(بخاری ج:۱ ص:۳۹۸)

ترجمہ:...... ''اے اللہ آپ اگر نہ ہوتے تو ہم نہ ہدایت پاتے، نہ ہم صدقہ ادا کرتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔''

غرضیکہ ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمادیا۔ الحمدللہ! ثم الحمدللہ!

کیا ہم نے امتی ہونے کا حق ادا کیا؟

دوسری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بھائی! الحمدللہ! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی تو ہیں، لیکن ایک بات ہمارے لئے سوچنے کی ہے کہ کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا کوئی حق بھی ادا کرتے ہیں یا نہیں؟

رفاقتِ نبویؐ کی شرائط:

ایک حدیث شریف میں ہے:

''(حَدَّثَنِیْ رَبِیْعَةُ بْنُ كَعْبٍ الْاَسْلَمِیّ) قَالَ كُنْتُ اَبِیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاٰتِیْهِ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ، فَقَالَ لِیْ: سَلْ! فَقُلْتُ: اَسْأَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ. قَالَ: اَوَ غَیْرَ ذَالِکَ؟ قُلْتُ: هُوَ ذَاکَ! قَالَ: فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِکَ بِکَثْرَةِ السُّجُوْدِ.''

(صحیح مسلم ج:۱ ص:۱۹۳)

ترجمہ:...... ’’حضرت ربیعہ بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزاری، میں (رات کو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کا پانی اور آپؐ کی (دوسری) ضروریات کی چیزیں لے آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے! میں نے کہا کہ: میں جنت میں آپؐ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اس کے علاوہ (کیا مانگتا) ہے؟ میں نے کہا: بس یہی (چاہتا ہوں کہ جنت میں آپؐ کی رفاقت مل جائے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میری مدد کرو کثرت سجود کے ساتھ۔‘‘

مطلب یہ کہ صحابیؓ سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ مبارک جہاں لگا ہوا تھا، انہوں نے طے کرلیا کہ آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاؤں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے دروازہ پر سر رکھ کر سوگئے، انہوں نے سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر نکلیں گے یا اندر کھٹ کھٹ کی آواز آئے گی تو مجھے فوراً جاگ آجائے گی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کے وقت اپنے معمول کے مطابق جب اٹھے تو اس صحابیؓ کو فوراً جاگ آگئی، رات کو آپؐ کی جو ضروریات تھیں یعنی پانی وغیرہ انہوں نے وہ تمام ضروریات مہیا کیں، پانی کا لوٹا لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروایا، تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے! وہ کہنے لگے کہ میں اور کچھ نہیں مانگتا ہوں، صرف ایک چیز مانگتا ہوں وہ یہ کہ جنت میں آپؐ کی رفاقت نصیب ہوجائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے علاوہ کچھ اور مانگو، اس صحابیؓ نے کہا یا رسول اللہ! بس یہی ایک چیز مانگنی ہے، یہ مل جائے تو ٹھیک ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ: دیکھو وعدہ ہوگیا لیکن تم میری مدد کرنا کثرت سجود کے ساتھ۔

تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہو، لیکن من مانی اپنی کرتے ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ بھائی! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتے ہو تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چال ڈھال، آپؐ کی شکل و شباہت، آپؐ کی رفتار و گفتار، طور طریقے اختیار کرو۔

اسلامی وضع قطع:

میں اپنے تمام بھائیوں سے گزارش کروں گا کہ میری بات کو نوٹ کرلیں اور آئندہ میرے ساتھ وعدہ کرلیں کہ ہم اپنی چال ڈھال، شکل و شباہت، رفتار و گفتار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی بنائیں گے، مگر ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم نے بال بھی الٹے بنائے ہیں، سر بھی ننگے ہیں، قمیصوں کو کالر لگائے ہوئے ہیں، غرضیکہ ہم نے اپنا حلیہ انگریزوں جیسا بنایا ہے اور کہلاتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی...!!

اہل جنت میں مسلمانوں کی تعداد:

اس پر ایک بات مجھے یاد آگئی کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ:

"اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالُوْا: نعمْ! قالَ: اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالُوْا: نَعَمْ! قَالَ: اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ ....الخ." (ترمذی ج:۲ ص:۷۷)

ترجمہ:...... "کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ اہل جنت میں تم چوتھائی ہو (یعنی کل دنیا تین حصہ ہو اور ایک حصہ تمہارا)؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: جی ہاں! آپؐ نے پھر فرمایا کہ: کیا تم

چاہتے ہو کہ ایک تہائی تم ہو اور دو تہائی تمام امتیں ہوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: جی ہاں! آپؐ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ آدھے جنت میں تم ہو اور آدھی دوسری تمام امتیں ہوں؟....الخ۔"

امت پر آپؐ کی شفقت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے:

"وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى." (الضحیٰ:۵)

ترجمہ:....."عنقریب دے گا آپ کو آپؐ کا رب اتنا کہ آپؐ راضی ہوجائیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ آپ کو راضی کرنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم! جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہے اس وقت تک میں راضی نہ ہوں گا۔

امت کی نالائقی:

ایسا شفیق نبیؐ، ایسا محبوب نبیؐ، ایسا پیارا نبی کہ تم اس کی شکل بھی نہ اپناؤ، تم اس کا طور طریقہ بھی نہ اپناؤ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں جو لائن دی ہے، تم اس کو چھوڑ کر دوسری لائن اختیار کرو اور وہ تمہاری مغفرت اور نجات کے لئے بے چین ہو، الغرض تم اپنی شکلوں کو بدلو، اپنی عقلوں کو بدلو، اپنے رسم و رواج کو بدلو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلو، صحابہ کرامؓ نے یہی سیکھا تھا کہ جدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے، ادھر صحابہ کرامؓ بھی چلتے تھے، جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، وہی صحابہ کرامؓ کرتے تھے۔

نبوت کے رنگ میں صحابہ کرامؓ کا رنگ جانا:

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں باہر سے کوئی آدمی آجاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما ہوتے تھے، صحابہ کرامؓ کا مجمع لگا ہوتا تھا، تو باہر سے آنے والا آدمی پہچان نہیں سکتا تھا کہ ان میں نبی کون سے ہیں؟ اس لئے باہر کا آدمی آکر پوچھتا تھا کہ: "مَا مُحَمَّدٌ مِنْکُمْ؟" تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم اشارہ کر کے کہتے: "هٰذَا الْاَبْیَضُ!" یہ گورے چٹے جو بیٹھے ہیں، یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والے صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں اتنے رنگین ہو گئے تھے کہ کوئی دوسرا باہر کا بندہ پہچان نہ سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کون ہیں؟

صحابہؓ کی نقل اتارو:

میرے بھائیو! اگر ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کہلانا چاہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی شمار ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی چاہئے کہ ہم صحابہ کرامؓ کی نقل اتاریں، ہماری نمازیں بھی خراب ہیں، میں تو بعض دفعہ دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ ماشاءاللہ نماز تو پڑھتے ہوں گے، تو کہنے لگتے ہیں: کہ اجی! کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں۔ (بہت اچھی بات ہے) کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں، میرا بھائی! تم سے اگر کوئی پوچھے کہ روٹی کھاتے ہو؟ تو تم اس کو جواب دو کہ کبھی کبھی کھالیتا ہوں، کیا یہ معقول جواب ہوگا؟ بلکہ کیا کہتے ہو کہ نہیں نہیں، روٹی دو وقت نہیں بلکہ تین وقت کھاتے ہیں لیکن افسوس کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کے لئے ہم سے پوچھا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ: جی! کبھی کبھی کر لیتے ہیں۔ یہ طرز عمل چھوڑ دو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ صحیح صحیح اپناؤ۔

قبر کے احوال کو پیش نظر رکھو:

تیسری بات یہ ہے کہ ہم سب کے سب ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں، میں بھی اپنی والدہ کے پیٹ سے پیدا ہوا ہوں اور جب میں پیدا ہوا تو میرا نام محمد یوسف رکھ دیا گیا، اسی طرح آپ حضرات بھی سارے کے سارے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں، کسی آدمی کو اس کے حالات جو ماں کے پیٹ میں ہوئے ہیں وہ محفوظ نہیں ہیں، میرے اوپر جو حالات گزرے ہیں مجھے یاد نہیں، ہوسکتا ہے کہ آپ کو یاد ہوں گے لیکن جب پیدا ہوگئے تو ہم رو رہے تھے اور ماں باپ خوشی کر رہے تھے۔ سبحان اللہ! اور لوگ مبارک باد کہہ رہے تھے، بچپنا تھا، بچپن سے پھر جوان ہوئے، جوانی سے بڈھے ہوگئے اور پھر جوان اولاد اپنے ماں باپ کو کہنے لگی کہ یہ بات نہیں سمجھے ہیں، اکبرالہ آبادی کہتے ہیں کہ:

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کر بچے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

بچوں نے پڑھ لیا اور پڑھنے کے بعد باپ کو خبطی سمجھنے لگے، خیر باپ تو چلے گئے اور اب آپ بھی جانے والے ہو۔

میرے والد ماجد کا انتقال شوال ۱۳۹۵ھ میں ہوا، یعنی چودہویں صدی کے پانچ سال باقی تھے، میرے والد کو گویا فوت ہوئے پچیس سال ہوگئے ہیں، میں اس وقت جوان تھا، اب خود بوڑھا ہوگیا ہوں، میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں جو ہم پر گزری وہ ہم کو یاد نہیں، مگر جب دوسری ماں کے پیٹ ''قبر'' میں ہم جائیں گے وہ ہم کو ضرور معلوم ہوگا۔

قبر میں ہوش ہوگا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا

کہ: یا رسول اللہ! یہ جو آپؐ فرماتے ہیں کہ قبر میں عذاب وثواب ہوگا، جزا وسزا ہوگی، اس میں ہمیں کچھ ہوش بھی ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ: اتنا ہوش سب کو ہوگا جتنا اب تم کو ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: پھر ہم نمٹ لیں گے۔

قبر کی تیاری:

میرے بھائیو! قبروں میں سب جارہے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے مولانا رشید احمد صاحبؒ تک، اور آپ بھی سب تیار بیٹھے ہیں، کبھی کسی کو بھول کر بھی خیال آیا کہ ہمیں بھی جانا ہے؟ اور ہم نے اس کے لئے کوئی تیاری بھی کی ہے؟ یہاں پلاٹ لینے کے لئے، دوسری چیزیں حاصل کرنے کے لئے ہم ہر طرح کی تیاریاں کرتے ہیں، لیکن قبر میں جانے کے لئے اور وہاں رہنے کے لئے بھی کوئی تیاری کی ہے؟

قبر کا خطاب:

حدیث شریف میں ہے کہ:

"فَاِنَّهٗ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمٌ اِلَّا تَكَلَّمَ فَيَقُوْلُ: اَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ وَاَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَاَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَاَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ ..... الخ." (مشکوٰۃ ص:۴۵۷)

ترجمہ:..... "کوئی دن ایسا نہیں آتا کہ قبر پکار کر ہر آدمی کو کہتی ہے کہ میں مسافری کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں۔"

قبر کی فکر کرو!

کبھی کسی کو دفن ہوتے ہوئے دیکھو، دفن کرنے والے دفن کرنے کے بعد مٹی ڈال دیتے ہیں، مٹی کے بعد اگر اللہ کی طرف سے کوئی انتظام نہ ہو تو میرے

بھائی! کیا صورت بنے گی؟ اس لئے قبر کی بہت فکر کرو، ہمیں بھی جانا ہے اور ہمارے بچے ہمارے پیچھے آئیں گے، یہاں مت پھنسو، ٹھیک ہے، کھانا پینا، لباس وغیرہ یہ آدمی کی ضرورت ہے، لیکن یہ نہیں کہ کپڑے جوڑے سی سی کر جمع کرتے رہو، نہیں! اپنی آخرت کی بھی فکر کرو، کیونکہ ہم ایک ماں کے پیٹ سے نکلے ہیں اور دوسری ماں کے پیٹ میں جانے کے لئے تیار ہیں، کچھ اس کا انتظام بھی کرلو۔

میدانِ حشر کا منظر:

چوتھی بات، قبر میں جو حالات گزرتے ہیں ان میں سے اتنی مختصر سی بات ذہن میں رکھو کہ جب قبروں سے آدمی اٹھیں گے اس وقت پچاس ہزار سال کا ایک دن ہوگا۔

''عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ...... قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَلرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ؟ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ! اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَّنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ.'' (مشکوٰۃ ص:۴۸۳)

ترجمہ:...... ''ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: میں نے کہا: یا رسول اللہ! قیامت کے دن سب لوگ ننگے اٹھائے جائیں گے، مرد وعورت سب یکساں ہوں گے تو ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عائشہ! معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہوگا (ایسا نہیں ہوگا، بلکہ ہر ایک کی آنکھیں آسمان پر لگی ہوئی ہوں گی) کس کو ستر دیکھنے کا اس وقت ہوش ہوگا؟''

''وَفِيْ رِوَايَةٍ: وَاَوَّلُ مَنْ يُّكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اِبْرَاهِیْمُ۔" (مشکوٰۃ ص:۴۸۳)

ترجمہ:......"ایک اور روایت میں ہے کہ: سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جوڑا پہنایا جائے گا۔"

اور فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو ننگا کرکے آگ میں ڈالا گیا تھا، اور بعض اکابرؒ فرماتے ہیں کہ متکلم اپنی بات نہیں کرتا ہے، دوسروں کی کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا، صحابہ کرامؓ کو الگ لباس پہنایا جائے گا، اپنے اپنے درجوں کے مطابق لباس پہنایا جائے گا، لیکن میرے بھائی! یہاں پر سِلا سِلا کر رکھتے ہو، وہاں کے لئے بھی کچھ بھیج دو! وہاں کا لباس بھی کبھی بھیجا؟

میدانِ عرفات میں امت کے لئے دعائیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے، زوال کے بعد سارا دن اونٹنی پر کھڑے دعائیں مانگتے رہے، اپنی امت کے لئے دعائیں مانگتے رہے اور جب شام ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ سے کہا کہ یا اللہ! آپ میری امت کی بخشش کردیجئے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میں اپنے حقوق تو معاف کردوں مگر لوگوں کے حق کیسے معاف کردوں؟ میں نے بہت کہا کہ: یا اللہ! آپ اپنا حق بھی معاف کردیں اور دوسروں کے حق بھی معاف کردیں، فرمایا کہ: ایسا نہ ہوگا!

مزدلفہ میں دعائیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے مزدلفہ چلے گئے، مزدلفہ پہنچے، صبح صادق ہوئی، اذان ہوئی، آپ نے نماز پڑھائی اور پھر وقوف مزدلفہ شروع کردیا، اللہ سے مانگ رہے ہیں بمع صحابہ کرامؓ کے، دعا مانگتے مانگتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوجائیں، یا رسول اللہ! یہ کوئی ہنسنے کا موقع نہیں تھا، آپؐ کیسے مسکرائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے

کل جو دعا کی تھی وہی دعا یہاں کی کہ یا اللہ! میری امت کی بخشش فرمادیجئے، اللہ پاک نے فرمایا کہ: میں اپنے حقوق چھوڑتا ہوں مگر بندوں کے حق کیسے چھوڑ دوں؟ میں نے کہا کہ یا اللہ! آپ ایسا بھی تو کرسکتے ہیں کہ بندوں کو اپنے پاس سے حقوق دے دیں اور مستحقوں کو معاف کردیں، فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا کہ: چلو قبول ہوا۔ ادھر میں نے جب یہ بات اللہ پاک سے کی تو قبول فرمالی، ادھر شیطان کو پتہ چلا تو وہ مٹی لے کر اپنے سر پر ڈالنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بخشش ہوگئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے احسانات ہیں ہم پر، لیکن ناز نہیں کرنا چاہئے کہ معلوم نہیں کہ ہم پر کیا کیا گزرنے والی ہے، اپنی عاقبت کی فکر کرو!

تین جگہوں میں سے کسی ایک پر ملاقات!

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عنہُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّشْفَعَ لِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ. فَقَالَ: اَنَا فَاعِلٌ. قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! فَاَیْنَ اَطْلُبُکَ؟ قَالَ: اُطْلُبْنِیْ اَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِیْ عَلَی الصِّرَاطِ. قُلْتُ: فَاِنْ لَّمْ اَلْقَکَ عَلَی الصِّرَاطِ؟ قَالَ: فَاطْلُبْنِیْ عِنْدَ الْمِیْزَانِ. قُلْتُ: فَاِنْ لَّمْ اَلْقَکَ عِنْدَ الْمِیْزَانِ؟ قَالَ: فَاطْلُبْنِیْ عِنْدَ الْحَوْضِ فَاِنِّیْ لَا اُخْطِئُ ھٰذِہِ الثَّلَاثَ الْمَوَاطِنَ.'' (ترمذی ج:۲ ص:۶۶)

ترجمہ:...... ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ: آپؐ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں ضرور آپ کی شفاعت کروں گا۔ میں

نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: پہلے پل صراط پر دیکھنا۔ میں نے کہا: اگر میری وہاں آپؐ سے ملاقات نہ ہو تو؟ فرمایا: میزان پر دیکھنا۔ میں نے کہا: اگر میزان پر ملاقات نہ ہو تو؟ فرمایا: حوض کوثر پر دیکھنا، میں ضرور ان تین جگہوں (میں سے کسی ایک جگہ) پر ہوں گا۔"

یعنی ہر جگہ دیکھنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے غم میں ہر جگہ ہوں گے، مگر یہ امت وفا کرنے والی نہیں ہے، قیامت کا دن ہوگا، بعض لوگوں کے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور بعض کے بائیں ہاتھ میں، ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ یہ کھیل ہے، میرے بھائیو! اب پیدا ہوگئے ہو تو اب یہ سارا سلسلہ سامنے آنے والا ہے، اس کے لئے تیاری کرو۔

بس میں تھک گیا ہوں، اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اصولِ زندگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

''عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَانَ یَقُوْلُ: وَیْلٌ لِکُلِّ جَمَّاعٍ فَاغِرٍ فَاہُ کَاَنَّہٗ مَجْنُوْنٌ، یَرٰی مَا عِنْدَ النَّاسِ، وَلَا یَرٰی مَا عِنْدَہٗ،وَلَوْ یَسْتَطِیْعُ لَوَصَلَ اللَّیْلَ بِالنَّھَارِ، وَیْلُہٗ مِنْ حَسَابٍ غَلِیْظٍ وَعَذَابٍ شَدِیْدٍ۔''

(حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۱۷)

''عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَانَ یَقُوْلُ: یَا مَعْشَرَ اَھْلَ دِمَشْقَ! اَلَا تَسْتَحْیُوْنَ؟ تَجْمَعُوْنَ مَا لَا تَأْکُلُوْنَ، وَتَبْنُوْنَ مَا لَا تَسْکُنُوْنَ، وَتَأْمَلُوْنَ مَا لَا تَبْلُغُوْنَ، قَدْ کَانَ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِکُمْ یَجْمَعُوْنَ فَیُوْعُوْنَ وَیَأْمَلُوْنَ فَیُطِیْلُوْنَ، وَیَبْنُوْنَ فَیُوْثِقُوْنَ فَاَصْبَحَ جَمْعُھُمْ بُوْرًا، وَاَمَلُھُمْ غُرُوْرًا وَبُیُوْتُھُمْ قُبُوْرًا، ھٰذِہٖ عَادٌ قَدْ مَلَأَتْ مَا بَیْنَ عَدَنٍ اِلٰی عَمَّانَ اَمْوَالًا وَاَوْلَادًا فَمَنْ یَشْتَرِیْ مِنِّیْ تَرِکَۃَ اٰلِ عَادٍ بِدِرْھَمَیْنِ۔''

(حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۱۷)

ترجمہ:...... ''حضرت ابودرداٗ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہلاکت ہے ہر مال جمع کرنے والے کے لئے جو اپنا منہ کھولے رکھتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ وہ پاگل ہے، وہ ان چیزوں کو دیکھتا ہے جو لوگوں کے پاس ہیں اور اس کو نہیں دیکھتا جو اس کے پاس ہیں، اگر اس کے بس میں ہو تو وہ رات کو دن کے ساتھ ملائے، اس کے لئے ہلاکت ہے سخت حساب سے اور شدید عذاب سے۔''

ترجمہ:...... ''حضرت ابودرداٗ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل دمشق! تم شرم نہیں کرتے، تم جمع کرتے ہو وہ چیز جس کو کھاتے نہیں اور وہ عمارتیں بناتے ہو جن میں رہتے نہیں اور وہ امیدیں لگائے بیٹھے ہو جن کو تم پہنچ نہیں سکتے، تم سے پہلے بہت سی امتیں ہوئی ہیں، انہوں نے مال جمع کیا تو خوب جمع کیا، وہ امیدیں رکھتے تھے تو بڑی لمبی امیدیں اور عمارتیں بناتے تھے، بڑی مضبوط عمارتیں، پس ان کی جمعیت نے نقصان میں صبح کی، ان کی آرزوئیں دھوکہ نکلیں اور ان کے مکانات ان کی قبریں بن گئے، یہ قوم عاد ہے، جس نے عدن سے عمان تک سارے خطے کو مال اور اولاد سے بھر دیا تھا، آج کوئی ہے جو آل عاد کا ترکہ مجھ سے دو درہموں کے بدلے خرید سکے؟''

قابل مذمت حالت:

پہلے ارشاد میں اس شخص کی قابل مذمت حالت بیان فرمائی ہے جو مال جمع

کرتا جائے لیکن اس کا پیٹ نہ بھرے، یہ آدمی گویا ایسا ہے کہ اس نے سب کچھ ہڑپ کرنے کے لئے منہ کھولا ہوا ہے اور مال کی تلاش اور دولت کے جمع کرنے میں گویا دیوانہ اور پاگل ہو رہا ہے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو دوسروں کے پاس کی چیزیں نظر آتی ہیں مگر اپنے پاس کی چیزیں نظر نہیں آتیں، جب بھی کبھی کسی کے پاس کوئی چیز دیکھتا ہے تو فوراً اس کے دل میں تڑپ اٹھتی ہے کہ یہ چیز مجھے ملنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اور بھی بہت سی نعمتیں دے رکھی ہیں ان میں اس کو مزہ نہیں آتا، حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اس کے لئے ہلاکت ہوگی، اس کا حساب و کتاب بڑا سخت ہوگا اور بڑا شدید عذاب ہوگا۔

ضرورت سے زیادہ تعمیر:

دوسری روایت میں ہے کہ جب دمشق شہر آباد ہوا، لوگوں نے وہاں درخت لگائے، بڑی اچھی اچھی عمارتیں بنائیں تو حضرت ابوالدرداءؓ رضی اللہ عنہ ان کی مسجد میں کھڑے ہوگئے، فرمانے لگے: اے اہل دمشق! تم لوگ شرم نہیں کرتے، تم کو حیا نہیں آتی کہ تم لوگ وہ جمع کرتے ہو جو کھاتے نہیں یعنی اپنی تھال سے بچا ہوا ہے اور جمع کر کے رکھا ہوا ہے، اور تم وہ عمارتیں بناتے ہو جس میں تم رہتے نہیں، وہ عمارتیں تمہاری رہائش کی ضرورت کی نہیں، مکان رہائش کی ضرورت کے لئے ہوتا ہے مگر تم مکان پر مکان بنائے جاتے ہو خواہ تمہاری ضرورت ہو یا نہ ہو اور تم لمبی لمبی امیدوں میں مبتلا ہو جن تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔

پہلی قوموں کا انجام:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے کچھ امتیں ہوئی ہیں انہوں نے مال جمع کیا اور خوب جمع کیا، مال جمع کر کر کے ڈھیر لگا دیا اور انہوں نے بھی امیدیں پالی تھیں بڑی لمبی لمبی امیدیں، اور وہ عمارتیں بناتے تھے بڑی پختہ، بڑی پکی عمارتیں لیکن

ان کا نتیجہ کیا ہوا کہ ان کا تمام کا تمام سامان تباہ ہوگیا، ان کی تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں اور ان کے وہی مکانات ان کی قبریں بن گئے۔

قوم عاد کا انجام:

دور کیوں جاتے ہو؟ یہ قوم عادتم سے پہلے ہوئی ہے، عدن سے عمان تک ان کی آبادی تھی اور اس خطے کو انہوں نے مال و اولاد سے بھر دیا تھا، قرآن کریم میں ہے:

''اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ. اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ. الَّتِیْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ. وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ.'' (الفجر:٦ تا ٩)

ترجمہ:...... ''تو نے دیکھا نہیں تیرے رب نے کیا کیا تھا قوم عاد کے ساتھ، یہ قوم عاد ارم کہلاتی تھی بڑے لمبے لمبے ستونوں والے (آدمی کا قد اونچا ہو تو دروازہ بھی اونچا رکھتا ہے، اور چھتری نیچی رکھتا ہے، ان کے قد بہت لمبے تھے، قدآور قوم تھی اس لئے قرآن کریم نے ان کو ذات العماد فرمایا) یہ قوم تھی کہ اس جیسی قوم دنیا میں پیدا ہی نہیں کی گئی (اتنی طاقتور قوم تھی) اور تم نے قوم ثمود کو نہیں دیکھا جنہوں نے وادی قریٰ میں چٹانوں کو تراش تراش کر مکان بنائے، پہاڑوں کو کھود کھود کر مکان بنادیئے تھے۔''

دوسری جگہ قرآن کریم میں اس قوم کا ذکر ہے:

''وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ.'' (ہود:٥٠)

ترجمہ:...... ''اور ہم نے قوم عاد کے پاس بھیجا ان کے بھائی ہود کو، انہوں نے دعوت دی کہ اے قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

''اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ آيَةً تَعْبَثُوْنَ، وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ.'' (الشعرآ: ۱۲۸، ۱۲۹)

ترجمہ:...... ''کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار بناتے ہو، جس کو محض فضول بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔''

کیا ہمیں ہمیشہ رہنا ہے؟

تم ایسی فیکٹریاں اور ایسے کارخانے، ایسی عمدہ اور مضبوط عمارتیں بناتے ہو گویا کہ تم رہتی دنیا تک رہو گے، یہ اس قوم کی بیماری تھی اور یہی حال دوسری قوموں کا ہوا، بنیاد یہ تھی کہ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ ہمیں یہیں رہنا ہے، آخرت میں کچھ نہیں ہے، یہی زندگی بس یہی زندگی ہے، یہاں کی خوشحالی ہی خوشحالی ہے، یہاں کی تکلیف ہی تکلیف ہے، یہاں کی راحت راحت ہے، یہاں کا دکھ دکھ ہے، یہاں کی عزت عزت ہے اور یہاں کی ذلت ذلت ہے، ان قوموں کا تصور ہی یہ تھا، آخرت کا یقین ان کے ذہن میں نہیں تھا، آخرت کی تیاری اور آخرت کے حساب و کتاب کا اس قوم کو خیال نہیں تھا، تو حضرت ابوالدرداؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ قوم عاد ہوئی ہے عدن سے عمان تک ان کی آبادیاں تھیں اور اس خطے کو انہوں نے مال و اولاد سے بھر دیا تھا، لیکن کوئی ہے جو دو درہم میں ان کا ترکہ لے لے، مٹ گئیں ہیں یہ قومیں ان کا تمام ساز و سامان مٹا ڈالا گیا، کیا تم بھی ان کے نقش قدم پر چل رہے ہو؟

پہلے حکیم الامت کی تشخیص:

یہ امت کے پہلے حکیم ہیں، یہ سب سے پہلے حکیم الامت ہیں، اس امت میں ان کو سب سے پہلے حکیم الامت کا لقب دیا گیا، کیوں؟ اس لئے کہ اس بیماری کا علاج کرتے تھے، حکیم الامت اس لئے تھے جو امت کے اس مرض کا علاج کرتے تھے، اور وہ مرض تھا دنیا کی محبت کا دلوں میں بیٹھ جانا اور جم جانا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آنکھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی، انہوں نے آپؐ کا نقشہ زندگی دیکھا تھا، آپؐ کا سامان معیشت دیکھا تھا، کیسا لباس آپ پہنتے تھے؟ کیسا کھانا کھاتے تھے؟ کیسی زندگی گزارتے تھے؟ یہ سب کچھ ان حضرات نے دیکھا تھا۔

ازواجِ مطہراتؓ سے خفگی کی وجہ:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امہات المؤمنین سے ناراض ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی: "یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا زِیْنَتَهَا .... الخ." یہ پورا رکوع نازل ہوا اکیس ویں پارے کا آخری اور بائیس ویں پارے کے شروع میں یہ رکوع ہے۔

صحابہ کرامؓ کی معاشی تنگی:

ہوا یہ تھا کہ شروع میں بہت تنگی تھی، ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ حضور! ایک کپڑے میں نماز پڑھ سکتے ہیں؟ اکیلی چادر پہنی ہوئی ہے اور نماز پڑھ رہے ہیں، فرمایا: تم میں سے کتنے ہیں جن کے پاس دو دو کپڑے ہیں۔ یعنی صحابہ کرامؓ کی اکثریت ان لوگوں کی تھی جن کے پاس تن ڈھکنے کے لئے کپڑا نہیں تھا، ایک چادر میں نماز پڑھتے تھے، بعض

اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ایک چادر بھی نہیں ہوتی تھی تو وہ کوئی کمبل وغیرہ جو رات کو اوڑھنے کا ہوتا تھا لپیٹ کر آجاتے تھے اور کانٹوں کے ساتھ ان کے بٹن لگا لیتے تھے، اور جن کے پاس کپڑے تھے وہ بھی ہماری طرح ان کے پاس نہیں تھے کہ یہ فلاں کپڑا ہے، یہ فلاں کپڑا ہے، بازار بھرے پڑے ہیں اور دوکانیں بھری پڑی ہیں، ان کا سادا لباس تھا، سوتی نہیں، جانوروں کی اون سے اس طرح کے کپڑے بنا لیتے تھے۔

جمعہ کے غسل کی وجہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جمعہ کے دن مجمع زیادہ ہوتا تھا، ارد گرد سے بھی لوگ آجاتے تھے، صحابہ کرامؓ محنت کار تھے، موٹا موٹا ان کا لباس تھا، گرم موسم، چھت بھی اتنی نیچی کہ ہاتھ لگتا تھا، صحابہ کرامؓ جب جمعہ میں جمع ہوتے تو پسینہ آتا، پسینہ سوکھ کر ایسی بدبو آتی تھی جیسے بدبو پسینہ کی ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مسجد میں آؤ تو کپڑے دھو کر آؤ اور غسل کر کے آؤ اور خوشبو لگا کر آؤ چاہے تم کو گھر والوں کی خوشبو لگانی پڑے، یہ نقشہ تھا صحابہ کرامؓ کا، جہاد میں جاتے تو ٹوٹی ہوئی تلواریں، زرہ پہننے کا کیا سوال اور یہ کپڑے بھی نہیں ہیں بلکہ ننگے بدن ہے اور جہاد کر رہے ہیں۔

قدرے وسعت:

لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے کچھ آسانی فرمادی تھی جب خیبر فتح ہوگیا لوگوں کی حالت اچھی خاصی ہوگئی، گھر میں روٹی پکنے لگی، لباس بھی ذرا تبدیل ہو گئے۔

کاشانۂ نبوت کی معیشت:

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں وہی نقشہ ہے، وہی حالت، وہی کیفیت، وہی پرانی حالت کوئی تبدیلی نہیں آئی، امہات المؤمنین ازواج مطہرات تھیں اور دو باندیاں تھیں پھر ان ازواج مطہرات کی دو جماعتیں تھیں، ایک کی قیادت

حضرت عائشہؓ کرتی تھیں اور ایک پارٹی حضرت زینبؓ کی قیادت میں تھی، لیکن اس موقع پر نو کی نو جمع ہوگئیں۔

ازواجِ مطہراتؓ کی درخواست:

انہوں نے بیٹھ کر میٹنگ کی کہ امت کے گھروں میں تو خوشحالی آ گئی، ہمارا وہی حال ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنا چاہئے کہ ہمارا بھی خرچ بڑھادیں، ایک نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو میں سر کا دوپٹہ مانگوں گی، ایک نے کہا کہ میں فلاں چیز مانگوں گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو سب جمع ہوگئیں اور یہی بات پیش کی کہ حضورؐ سب کے گھر میں خوشحالی ہے جبکہ اس گھر میں وہی سختی، کچھ ہمارا بھی خرچ بڑھادیں۔

آپؐ کا فقر اختیاری تھا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کنگال نہیں تھے کہ آپؐ کے پاس کچھ نہیں تھا، آپ کو معلوم ہے کہ قربانی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں ایک سو اونٹ قربان کئے تھے، دنیا کے کس سیٹھ نے اتنے اونٹ قربان کئے ہوں گے؟ س وقت کس حاتم طائی نے اتنے اونٹ قربان کئے ہوں گے؟ اور پورا خیبر حضور صلی للہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا، اور ہزاروں من غلہ وہاں سے آتا تھا، تھوڑا تھوڑا خرچ مہات المؤمنینؓ کو سال کا دیتے تھے باقی غریب غربا کو تقسیم کردیتے تھے اور باقی جو بچتا تھا وہ اللہ کے راستے میں جہاد کی غرض سے ہتھیار خریدنے کے لئے اور دوسری چیزیں خریدنے کے لئے، امت کی ضرورتوں کے لئے خرچ کرتے تھے، گویا کہ کل آمدنی کے تین حصے کئے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب تقسیم کرکے اٹھتے تھے، بچا ہوا کچھ نہیں ہوتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بیت المال جس کو سرکاری خزانہ کہتے ہیں، نہیں تھا، سرکاری خزانے کے نام کی بھی کوئی چیز نہیں تھی، کوئی چیز جمع کرنے

کے لئے ہوتی ہی نہیں تھی۔

صدیق اکبرؓ اور بیت المال:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت المال بنایا گیا لیکن قانون یہ تھا کہ ہر ہفتہ کو جھاڑو دے دی جائے اور جو کچھ سرکاری خزانے میں ہے اس کو نکال کر پھینک دیا جائے، تقسیم کردیا جائے، تو میں نے کہا کہ یہ بات نہیں تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ ہوتا نہیں تھا بلکہ لیتے ہی نہیں تھے، بڑی بات یہ ہے کہ ملے اور آدمی نہ لے اور اس سے کم تر بات یہ ہے کہ لے بھی اور الحمد للہ بھی نہ کہے۔

ایلا کا واقعہ:

تو امہات المؤمنینؓ نے مطالبہ کیا کہ حضور! ہمارا بھی کچھ خرچ بڑھا دیا جائے، آپؐ خاموش رہے، کچھ نہیں کہا، نہ غصہ ہوئے اور نہ کوئی اور بات، لیکن وہاں سے اٹھے تو قسم کھالی کہ ایک ماہ ان کے پاس نہیں جاؤں گا، یہ مجھ سے خرچ مانگتی ہیں اور ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوٹا سا بالاخانہ تھا، اس بالاخانہ کو سیڑھی لگی ہوئی تھی، کیسے سیڑھی لگی ہوئی تھی؟ ایک لمبا سا کھجور کا تنا رکھ دیا گیا تھا اس پر پاؤں رکھ کر آدمی اوپر چڑھ جاتا تھا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محل کی سیڑھی تھی، اور یہی کیفیت حضرات ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کی تھی، اگرچہ حضرت عثمانؓ بہت بڑے مالدار تھے لیکن مال اللہ کے لئے تھا، اپنے لئے نہیں تھا، اور حضرت علیؓ کے پاس تو تھا ہی نہیں، حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ کے پاس بھی نہیں تھا، بعد میں فتوحات میں ملتا رہا اس کو بھی اپنے لئے استعمال نہیں کیا۔

تاریخ کا مشہور قصہ:

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جس دن شاہِ ایران، کسریٰ کا خزانہ مدینہ منورہ

میں آیا، جس میں اس کا تاج بھی تھا جو حضرت سراقہ بن مالکؓ کو پہنایا گیا، سونے کا تاج، تاج کسروی کیا تھا؟ جواہرات کا ایک ڈھیر تھا جو اس میں لگادیا گیا اور یہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ تھا جو بیت المال پہنچایا گیا، چار حصے مجاہدین میں تقسیم کردیئے گئے تھے، پانچواں حصہ مدینہ میں بھیجا گیا، اس دن مدینے میں جتنی خوشی تھی وہ دیکھنے کے لائق تھی، سب لوگ خوش تھے، فرحاں وشاداں تھے

حضرت عمرؓ کا وسعت دیکھ کر رونا:

اس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کے کونے میں بیٹھے رو رہے تھے، ایک آدمی رو رہا تھا باقی سب خوش تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں ہیں، ان کے پاس گئے، کہا: یا امیرالمؤمنین! ساری دنیا خوش ہے اور آپ بیٹھے رو رہے ہیں! یہ رونے کا موقع ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ جو مال ان کے مالکوں کو نہیں بچا ہے، وہ ہمیں کیسے بچے گا؟ جس مال نے قیصر و کسریٰ کو ہلاک کردیا وہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا؟

تو میں نے کہا حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ کو جو حکیم الامت کہتے ہیں وہ صرف اس بنا پر کہ وہ صحابہ کرامؓ کو دنیا کی بے ثباتی کا بتاتے تھے، ماشاءاللہ! اللہ تعالیٰ نے بہت فتوحات دے دی تھیں لیکن ان کا یقین کامل تھا، دنیا کا زہر ان کو نقصان نہیں دے سکتا تھا لیکن رفتہ رفتہ رنگ بدلتا گیا۔

آخرت کے بجائے دنیا کو ترجیح دینے والا:

صحابہ کرامؓ کے بعد جو لوگ آئے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا، دنیا ان کے دل میں بیٹھتی گئی، دنیا دل میں آئے اور دین بھی رہ جائے ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ دونوں کا آپس میں بیر ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ

اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ، وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاہُ، فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی." (مشکوٰۃ ص:۴۴۱)

ترجمہ:...... ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے دنیا کو پسند کیا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا، اور جس نے آخرت کو پسند کیا اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا، باقی رہنے والی چیز کو فنا ہونے والی چیز پر ترجیح دو۔''

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (دنیا اور آخرت دونوں سوکنیں ہیں) اگر ایک خوش ہوگی تو دوسری ناراض ہوجائے گی، کبھی دونوں سوکنیں شوہر سے خوش نہیں ہوسکتیں، ایک خوش ہوگی تو دوسری ناراض ہوگی، ایک کے ساتھ ہنس کر بولے گا تو دوسری ناراض ہوجائے گی۔

دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ:

تو امت کی سب سے بڑی بیماری دنیا کی محبت ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار مختلف عنوانات سے امت کو اس سے ڈرایا ہے، دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے اور دنیا بہت میٹھی ہے اور بہت سرسبز معلوم ہوتی ہے، کھاؤ تو بہت مزے دار ہے، دیکھو تو آنکھوں کو بہت بھاتی ہے، جس شخص نے اس کو حق کے ساتھ لیا اور حق کے ساتھ خرچ کیا اس کے لئے یہ معین و مددگار ہوگی، اور جو شخص اس کو حاصل کرنے میں اور اس کے خرچ کرنے میں حق کا تابع نہ رہا اس کو یہ ہلاک کردے گی۔

دنیا کی سرسبزی کا نقصان:

فرمایا جیسے برسات کے زمانے میں سبزہ ہوتا ہے، جانوروں کو بہت بھاتا ہے، سبزہ بہت میٹھا ہوتا ہے جانور کھاتا ہے، ایک جانور تو وہ ہے جس نے ضرورت کے مطابق کھایا اور بند کردیا، پھر دھوپ میں چلا گیا پسینہ آیا سب کچھ ہضم ہوگیا، پھر کھالیا اتنا کھاتا ہے جتنا ہضم ہوجائے، اور اگر وہ میٹھا سمجھ کر اور لذیذ سمجھ کر کھاتا

جائے تو اس کو بیماری ہوجائے گی، کیونکہ سبز چارے سے پیٹ پھول جاتا ہے اور آخرکار جانور مر جاتا ہے۔

سب سے بڑی حکمت:

تو سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ امت کے دلوں سے دنیا کی محبت کو نکالا جائے، مگر ہماری سب سے بڑی بیماری یہ ہے کہ کبھی معاشی شکایت اور کبھی کوئی دوسری شکایت، کبھی یہ شکایت کہ ہاتھ بہت زیادہ تنگ ہے، حالانکہ گھر میں سارا سامان موجود ہے مگر کہتے ہیں کہ بہت زیادہ تنگی ہے، اگر کسی کی آمدن دس ہزار تھی اور اس کی جگہ پانچ ہزار رہ گئی تو کہتے ہیں کہ پوچھو نہیں کتنی تکلیف اور تنگی ہے؟ اے کاش! کہ یہ ان لوگوں کو دیکھ لیتے جن کی آمدنی دو ہزار یا اس سے بھی کم ہے، آخر وہ بھی تو ہمارے جیسے انسان ہیں مگر جتنا ان کو ملتا ہے بہرحال جیسے کیسے کرکے وہ بھی زندگی بسر کر ہی رہے ہیں۔

اپنی حالت کا جائزہ:

تو حضرت ابوالدرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو مال کو جمع کرنے والا ہو اور ہر وقت اس کا منہ کھلا ہی رہے، اس کی خواہش پوری نہ ہو اور جو لوگوں کے پاس ہے اس کو دیکھے اور جو اپنے پاس ہے اس کو نہ دیکھے، بڑے سے بڑے آدمی پر ہماری نظر جاتی ہے لیکن چھوٹے سے چھوٹے آدمی کو تو کبھی دیکھ لو، مالداروں کو بھی اور فقیروں کو بھی ایک لائن میں کھڑا کردو اور پھر اپنی حالت کا جائزہ لو! اگر تم بہت سارے لوگوں سے کمتر ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ ان سے زیادہ لوگوں سے بہتر ہو۔

ساری دنیا کا جمع ہونا:

اگر کھانے کے لئے رات کو پیٹ بھر کر روٹی مل جائے، پہننے کو جیسا بھی

لباس ہے مل جائے اور گھر میں اطمینان اور امن سے سوئے، تو حدیث میں فرمایا گویا دنیا اپنے سارے ساز وسامان کے ساتھ اس کے گھر میں جمع ہوگئی ہے، تو جو اس حال میں صبح کرے کہ بدن میں الحمدللہ عافیت ہے، کوئی بیماری نہیں، اللہ کا فضل ہے کہ چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، سو فیصد تندرست تو کوئی بھی نہیں ہوتا، پھر اپنے گھر میں امن ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اطمینان ہے، اور اس کے پاس ایک دن کی روزی موجود ہے، آج کا کام چل سکتا ہے، یوں سمجھو کہ ساری دنیا بمع ساز وسامان کے جمع کر کے اس کے گھر میں ڈال دی گئی ہے، لیکن اب تو ہمارا ایمان بہت کمزور ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کی تیاری کی توفیق دے، بھائی! جتنا زیادہ جمع کریں گے اور اڑائیں گے اتنا زیادہ طویل حساب دیں گے، جو تمہاری ضرورت کی چیزیں ہیں اگر بقدر ضرورت ملتی رہیں تو حساب بھی نہیں ہوگا، اگر فالتو ملے گا تو اس کا حساب بھی دینا ہوگا، اسی پر ختم کرتا ہوں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

ریاکاری اور اخلاص

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: رَأَیْتُ عُثْمَانَ عَلَی الْمِنبَرِ قَالَ: اَیُّهَا النَّاسُ! اِتَّقُوا اللّٰهَ فِیْ هٰذِهِ السَّرَائِرَ، فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: "وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ! مَا عَمِلَ اَحَدٌ عَمَلًا قَط سِرًّا اِلَّا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ رِدَائَهٗ عَلَانِیَةً اِنْ خَیْرًا فَخَیْرٌ وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ." ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ وَرِیَاشًا وَلَمْ یَقُلْ وَرِیْشًا وَّلِبَاسُ التَّقْوٰی ذَالِکَ خَیْرٌ. قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ." (کنز العمال ج:۳ حدیث:۸۴۲۷)

ترجمہ:..... "حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منبر پر دیکھا آپ یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ لوگو! ان پوشیدگیوں میں اللہ سے ڈرو! کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! نہیں عمل کیا کسی نے کوئی عمل کبھی بھی چھپ کر مگر اللہ تعالیٰ

اس کو پہنا دیتے ہیں اس کی علانیت کی چادر، برا (عمل) ہوتو بری (چادر)، بھلا (عمل) ہوتو بھلی (چادر)۔ پھر آپ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی: "وَرِیَاشًا وَّلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰالِکَ خَیْرٌ." اور آپ نے "رِیْشًا" کو "رِیَاشًا" پڑھا۔"

اعمال کی دو قسمیں:

ایک علانیہ عمل ہوتا ہے جو سب کے سامنے کیا جاتا ہے، اور ایک پوشیدہ عمل ہوتا ہے جس کی اطلاع دوسروں کو نہیں ہوسکتی جب تک ان کو اطلاع نہ دی جائے، علانیہ عمل کبھی ظاہر ہوتا ہے اور کبھی باطن۔

ظاہری عمل:

مثال کے طور پر ہم لوگوں کے سامنے نماز پڑھتے ہیں تو ایک اس کا ظاہری ڈھانچہ ہے، مثلاً رکوع کرتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں، قرأت کرتے ہیں، اللہ اکبر کہنے سے لے کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک جتنے افعال یا اقوال ہیں یہ سب ظاہری اعمال ہیں، ظاہری ڈھانچہ ہے۔

ظاہری عمل کا باطن:

ایک اس کا باطن ہے کہ ہم کس جذبے سے یہ اعمال کرتے ہیں؟ کس نیت سے کرتے ہیں؟ اور اس عمل کو کرتے وقت ہماری کیا کیفیت ہوتی ہے؟ قلب کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ غفلت کی کیفیت ہے یا حضوری کی کیفیت ہے؟ نماز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یا: "اَلَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ" کے مصداق بنتے ہیں؟ تو ایک عبادت کا ظاہر ہے اور ایک اس کا باطن ہے یعنی اندر کا پوشیدہ پہلو۔

پوشیدہ عمل:

اور دوسرا عمل ہے پوشیدہ، اس کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ عمل تو کیا ظاہری اعضا سے مگر چھپ کر کیا، خواہ نیک عمل ہو یا برا عمل لوگوں کی نظر سے چھپ کر کیا گیا اور اس عمل کا اللہ تعالیٰ کو پتہ ہوگا یا اس کے ''کراماً کاتبین'' (عمل لکھنے والے فرشتوں) کو پتہ ہوگا باقی کسی کو کچھ پتہ نہیں۔

باطنی اعضاء کا عمل:

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عمل باطنی اعضا سے کیا گیا کہ لوگوں کو اس کا پتہ نہیں چلا، جیسے صبر ہے، شکر ہے، رضا بالقدر ہے، اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اس کے دین کی محبت ہے، یہ اعمال باطنی ہیں کہ کسی کو معلوم نہیں کہ اس کے دل میں کیا ہے؟ جب تک وہ خود اس کا اظہار نہ کرے، اسی طرح یہ کہ قلب میں کبر ہے یا تعلّی ہے، اللہ تعالیٰ کی ناشکری کا مضمون ہے یا اللہ تعالیٰ سے ناراضگی کا مضمون ہے، یا نعوذ باللہ! دل میں کفر چھپا ہوا ہے، یا اسی قسم کے اور اعمال جن کا تعلق دل سے یا قلب سے ہے ان میں سے بعض اعمال وہ ہیں جن کا کراماً کاتبین کو پتہ چلتا ہے۔

کراماً کاتبین کو خبر نہیں!

اور بعض وہ ہیں جن کا کراماً کاتبین کو بھی پتہ نہیں چلتا، اسی کو کہتے ہیں کہ:

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

یعنی عاشق و معشوق کے درمیان اور محبوب کے درمیان ایسی رمز ہے، ایسا اشارہ ہے کہ کراماً کاتبین کو بھی اس کا پتہ نہیں چلتا۔

ذکرِ خفی کی فضیلت:

ایک روایت میں ہے اور یہ روایت ذرا کمزور ہے کہ:

"اَلذِّکْرُ الَّذِیْ لَا یَسْمَعُہُ الْحَفَظَۃُ یَزِیْدُ عَلَی الذِّکْرِ الَّذِیْ یَسْمَعُہُ الْحَفَظَۃُ سَبْعِیْنَ ضِعْفًا."

(کنز العمال ج:۱ حدیث:۱۷۵۰)

یعنی ذکر خفی، ذکر جلی سے ستر گنا افضل ہے۔ ذکر خفی وہ ذکر ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پتہ نہ چلے، دل سے ذکر کرتا ہے، یہ ذکر جلی سے کئی گنا افضل ہے، ستر گنا افضل فرمایا ہے۔

ایک اور روایت میں یوں آتا ہے:

ترجمہ:...... "بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ ایسے اعمال کی جزا دیں گے جو کراماً کاتبین کے نامۂ اعمال میں لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ (یہ اعمال سر ہیں یعنی پوشیدہ اعمال)۔"

دو باتیں:

تو ایک بات تو میں نے یہ سمجھائی کہ اس روایت میں ہے کہ ایک ہیں ظاہری اعمال اور ایک ہیں باطنی اعمال، یا یوں کہئے کہ ایک ہیں علانیہ اعمال اور ایک ہیں پوشیدہ اعمال۔

پھر دوسری بات یہ سمجھائی کہ ظاہری اعمال میں اس کا ظاہری پہلو تو مخلوق کے سامنے ہے لیکن باطنی اعمال مخلوق کے سامنے نہیں وہ صرف اللہ کے سامنے ہیں۔

ظاہری اعمال کے پوشیدہ اعمال:

باطنی اعمال یا پوشیدہ اعمال کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ اعمال تو ظاہری

اعضا سے کیے گئے ہیں لیکن کسی کو پتہ نہیں چلنے دیا گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

"یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ."

(المؤمن:۱۹)

ترجمہ:......"اللہ تعالیٰ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو اور اس کو جس کو چھپاتے ہیں سینے میں۔"

مثلاً: کسی نامحرم کو دیکھا آنکھوں کی چوری کے ساتھ اور کسی کو معلوم بھی نہیں ہونے دیا، لوگوں کو کچھ پتہ نہیں کہ یہ صوفی جی بھی غیر عورتوں کو دیکھ رہے ہیں، اس کو "خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ" کہتے ہیں، یا ظاہری کانوں سے گانے کی آواز آرہی ہے، کسی کو معلوم نہیں کہ یہ صوفی صاحب اس سے لذت لے رہے ہیں یا نفرت کر رہے ہیں؟ تو سن بھی رہے ہیں یا نہیں سن رہے؟

تو بعض اعمال ایسے ہیں کہ ظاہری اعضا سے کیے جاتے ہیں لیکن مخلوق کو پتہ نہیں چلتا، لوگوں کی نظر وہاں تک نہیں جاتی، اپنے گھر میں چھپ کر کے عمل کیا گھر کی تنہائی میں، میں نے کہا کہ ان اعمال کو اللہ تعالیٰ بھی جانتے ہیں اور کراماً کاتبین بھی جانتے ہیں کیونکہ وہ تو ڈیوٹی پر ہیں وہ تو لکھیں گے۔

باطنی اعضا کے اعمالِ بد:

کچھ اعمال ایسے ہیں جو ظاہری اعضا سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ باطنی اعضا سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کسی عورت کے محاسن کو سوچنا، صوفی جی مراقبہ میں ہیں اور سوچ رہے ہیں کسی نامحرم عورت کے حسن کو، اس عورت کے حسن میں ڈوبے ہوئے ہیں اور یہ مسئلہ لوگوں کو معلوم نہیں ہے۔

مردہ بیوی کا تصور:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی کسی کی بیوی سے لذت لیتا ہو، اس آدمی کے لئے یہ بھی گناہ اور حرام ہے اور اسی طرح اپنی مردہ بیوی کا ناجائز تصور کرتا ہے تو یہ بھی حرام ہے، اس لئے کہ مرنے کے بعد یہ اس کی بیوی نہیں رہی، اس کے نکاح سے نکل چکی ہے، مرنے سے پہلے یہ اس کی بیوی تھی چاہے جتنا اس کا مراقبہ کرتا، لیکن مرنے کے بعد اس کا ناجائز تصور بھی گناہ ہے، لوگ اس سے غافل ہیں، مستورات سن رہی ہیں اور مجمع میں مجھے بات کرتے ہوئے بھی شرم آرہی ہے لیکن شرعی مسئلہ ہے بیان کئے دیتا ہوں، کوئی شخص اپنی بیوی سے ملتا ہے اور تصور کسی اور عورت کا کرتا ہے تو یہ زنا کے حکم میں ہے، گویا یہ غیر عورت سے بدکاری کر رہا ہے، یہ میں نے سمجھانے کے لئے ایک دو باتیں عرض کی ہیں۔

دل کے اعمال:

اسی طرح قلب کے اعمال بھی ایسے ہیں کہ وہ خیر کے ہیں یا شر کے ہیں، دل میں بری بات سوچو گے تو وہ گناہ ہے، اچھی بات سوچو گے تو عبادت ہے، تو یہ اعمال بھی قلب کے اعمال کہو یا اعمال باطنہ کہو، میں نے کہا کہ اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ اعمال ہیں جن کو فرشتے بھی جانتے ہیں اور اعمال نامہ میں لکھے جاتے ہیں، ''یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ'' (وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو)۔

ملائکہ تمام اعمال کو جانتے ہیں:

مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کا ریڈیو پر درس ہو رہا تھا اور میری طالب علمی کا زمانہ تھا، سورہ انفطار کا درس تھا، انہوں نے فرمایا کہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل کے اعمال کو بھی جانتے ہیں، ''یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ'' تمہارا ہر فعل ان کو معلوم ہے، فرشتوں کو معلوم ہے، چاہے ظاہری عمل ہو، ظاہری فعل ہو یا دل کا فعل ہو لیکن

بعض ایسے افعال بھی ہیں جو اتنے گہرے ہیں کہ وہاں فرشتوں کو بھی رسائی نہیں ہوتی، وہ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔

ظاہر کی طرح باطن کی اصلاح کی ضرورت ہے:

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب یہ بات بھی سمجھو کہ جتنا ظاہر کو درست کرنے کی ضرورت ہے اتنا باطن کو بھی درست کرنے کی ضرورت ہے، بلکہ شاید تھوڑا سا زیادہ اپنے باطن کو اور اپنے باطنی اعمال کو اور اپنے اعمال کے باطن کو درست کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ ظاہر اور باطن دونوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے، قرآن کریم میں ہے:

"یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ." (النسآ:۱۰۸)

ترجمہ:...... "یہ لوگ چھپنا چاہتے ہیں مخلوق سے لیکن چھپ نہیں سکتے اللہ تعالیٰ سے وہ تو ان کے ساتھ ہوتا ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

"مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ." (المجادلہ:۷)

ترجمہ:...... "تین آدمی سرگوشی کریں تو چوتھے اللہ تعالیٰ ہوتے ہیں ہاں پانچ آدمی مل کر سرگوشی کریں چھٹے اللہ تعالیٰ ہوتے ہیں تو اس سے کم (مثلاً تین سے کم دو ہوں گے، پانچ سے کم چار ہوں گے) یا اس سے زیادہ (جتنے بھی ہوں، جہاں بھی ہوں) اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔"

اللہ سے دھوکہ نہیں چلتا:

تو مخلوق کے ساتھ ظاہرداری کا معاملہ کرسکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے ظاہرداری نہیں ہوسکتی، تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، مخلوق کے ساتھ ہوتا تو دھوکہ فریب چل جاتا، جیسے آج کل چل رہا ہے کیونکہ ہمارا سارا کا سارا معاملہ مخلوق سے چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق ختم ہوگیا ہے، دغا فریب، جھوٹ بہتان۔

کوثر نیازی کے رد میں میں نے جب مضمون لکھا تھا اس میں میں نے حافظ کا ایک شعر نقل کیا تھا اور وہ مجھے بار بار یاد آتا رہتا ہے، حافظؒ کہتے ہیں:

گوئیا باور نمی دارند روزے داوری

تاچناں قلب و دغل درکار داور می کنند

یعنی ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ انصاف کے دن پر یقین نہیں رکھتے، یہ اللہ کے معاملہ میں ایسا کھوٹ ملاتے ہیں، ایسی گڑبڑ کرتے ہیں کہ ان کو قیامت کے دن پر ایمان ہی نہیں ہے۔

اور یہ ہی وہ بات ہے جس کو صحیح بخاری شریف میں کتاب الایمان کے شروع میں ہی حضرت ابراہیم التیمیؒ سے نقل کیا ہے:

”وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ التَّيْمِيُّ مَا عَرَضْتُ قَوْلِيْ عَلٰى عَمَلِيْ اِلَّا خَشِيْتُ اَنْ اَكُوْنَ مُكَذَّبًا.“

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۲)

مُكَذَّبًا ذال کے فتحہ کے ساتھ اور مُكَذِّبًا ذال کے کسرہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

ترجمہ:...... ”میں نے قول کو جب بھی اپنے عمل پر پیش کیا، قول و عمل کا جب بھی میں نے موازنہ کیا تو مجھ کو ایسا اندیشہ لگا کہ میں مکذب ٹھہرایا جاؤں یعنی میں مانتا نہیں تھا ایسی باتیں

کرتا تھا مانتا تو کرتا بھی یا یہ کہ قیامت کے دن مکذبا مجھے بھلا دیا جائے گا۔"

یہ تیرا کرتوت تھا یہ تیرا عمل تھا دعویٰ تو یہ کرتا تھا۔

اکابرؒ کا خوف الٰہی:

اکابرؒ سب کچھ کرنے کے باوجود اتنا ڈرتے تھے کہ حد نہیں، ایک راوی ابن ابی ملیکہؒ کہتے ہیں کہ:

"اَدْرَكْتُ ثَلٰثِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰى نَفْسِهٖ."

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۲)

ترجمہ:......"میں نے تیس صحابہ کرامؓ کو پایا، ان میں سے ہر ایک اپنے بارے میں نفاق کا شبہ کرتا تھا، ہر ایک یہ خیال کرتا کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوگیا؟"

فتنہ وفساد کا سبب:

قول وعمل کا تضاد، ظاہر و باطن کا اختلاف، ظاہر کا مضمون کچھ ہے، باطن کا مضمون کچھ ہے اور ہمارے پاس تو ظاہر ہی ظاہر رہ گیا تھا، باطن تو ختم ہوگیا الاّ ما شاءَ اللہ! اور وہ بھی ظاہر بھی مٹتا جارہا ہے، ایسی قوموں میں پھر ایسے ہی فتنے اور فساد ہوں گے۔

گناہ کا ظاہر و باطن چھوڑ دو!

تو میں نے عرض کیا کہ جتنا ظاہر کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے اتنا ہی باطن اور باطنی اعمال اور اپنے اعمال کا باطن درست کرنے کی ضرورت ہے، یہ تین لفظ بول رہا ہوں: اپنا ظاہر، اپنا باطن اور ظاہری اعمال کا ایک باطنی پہلو، ان تینوں کو

درست کرنے کی ضرورت ہے، اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا ہے: "وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ." (الانعام: ۱۲۰) یعنی اور چھوڑ دو گناہ کے ظاہر کو اور گناہ کے باطن کو۔

ہم عام طور پر اس کا ترجمہ کرتے ہیں ظاہری گناہ سے اور باطنی گناہ سے، لیکن قرآن کریم کے الفاظ ہیں گناہ کے ظاہر کو اور گناہ کے باطن کو، جب یہ باتیں سمجھ میں آگئیں۔

سرائر کو ظاہر کا لباس:

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فتویٰ پیش کرتا ہوں، ارشاد فرماتے تھے کہ لوگو! ان پوشیدہ معاملات میں جن کو باطن کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، ظاہر میں تم لوگوں کے منہ ملاحظہ کے طور پر بھی کرتے ہوگے، مگر جہاں تک باطن کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کا منہ ملاحظہ ہی چلتا ہے یہاں مخلوق کا تو چلتا نہیں اس لئے ان سرائر کے بارے میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندہ چھپ کر جیسا بھی عمل کرلے اللہ تعالیٰ ظاہر میں اس کا لباس اس کو پہنا کر چھوڑتے ہیں، اچھا عمل چھپ کر کیا، کسی کو پتہ نہیں چلنے دیا اور جیسا کہ میں نے کہا کہ بعض مرتبہ کراماً کاتبین کو بھی معلوم نہیں ہونے دیا، لیکن ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کا لباس نہ پہنائے، اچھائی کا لباس نہ پہنائے اور ایک آدمی نے چھپ کر برا عمل کیا، اپنے خیال میں تو وہ مخلوق سے چھپ گیا لیکن اس کا مالک اس کو دیکھ رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی برائی کا لباس اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر میں پہنائیں گے۔

استحضارِ الٰہی کی حکایت:

وہ کہتے ہیں نا کہ ایک شیخ کے پاس دو آدمی مرید ہونے کے لئے آئے، شیخ نے دونوں کو ایک ایک مرغی پکڑادی اور چاقو دے دیا اور فرمایا کہ: ایسی جگہ ذبح کرکے

لاؤ جہاں پر کوئی دیکھتا نہ ہو، ایک آدمی تو گیا اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کوئی انسان اسے نظر نہیں آیا تو کسی دیوار کی اوٹ میں جلدی جلدی مرغی ذبح کر لی اور لے آیا، اور دوسرا سارا دن گھومتا رہا، شام کو واپس آیا اور کہنے لگا: حضرت! مجھے تو کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں میں مرغی ذبح کرتا، اور اسی لئے ذبح کرنے سے قاصر رہا، آپ نے شرط لگادی تھی کہ کوئی نہ دیکھے، اگر آپ یہ نہ فرماتے کہ کوئی آدمی نہ دیکھے تو میں مرغی ذبح کر دیتا لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ کوئی نہ دیکھے، میں ایسی جگہ کہاں تلاش کرتا کہ جہاں کراماً کاتبین بھی نہ دیکھتے اور اللہ تعالیٰ بھی نہ دیکھتے، اس لئے میں تو مرغی ذبح کرنے سے قاصر رہا، شیخ نے فرمایا: تجھے مرید کرتا ہوں، اور پہلے کو کہا کہ تجھے مرید نہیں کرتا کہ تو مخلوق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق نہیں رکھتا، کراماً کاتبین کو سامنے نہیں رکھتا۔

ریاکاری کا عنصر:

تو عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے جو پوشیدہ عمل کیا، لوگوں کی نظر سے چھپ کر عمل کیا وہ کسی کو پتہ نہیں چلتا، اس لئے سیاسی جماعتیں اگر کوئی رفاہِ عامہ کا کام کرتی ہیں تو دکھا کر کرتی ہیں، نیکی کا کام بھی کرتی ہیں تو دکھا کر کرتی ہیں، کرتے تو ووٹوں کے لئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا کام بھی کرتے ہیں تو مخلوق کے لئے کرتے ہیں، تسبیح بھی پڑھتے ہیں تو مخلوق کے لئے پڑھتے ہیں، خدمت خلق کرتے ہیں تو مخلوق کے لئے کرتے ہیں، اور ایک سیر کام کیا اور اس کا پروپیگنڈہ ایک من کا کیا تا کہ لوگ معتقد ہو جائیں کہ یہ جماعت بہت اچھی ہے، یہ پارٹی بہت اچھی ہے آئندہ ووٹ اس کو دینا چاہئے۔

سیاسی جماعتیں اور ریاکاری:

سیاسی جماعتوں میں ایک تو ریاکاری کا عنصر بہت غالب ہے، غالب نہیں

بلکہ سراسر ریا کاری ہے، خالص ریا کاری ہے، شاید کسی عمل میں ایک لاکھ واں حصہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہوگا، نو ہزار نو سو ننانوے بلکہ ننانوے ہزار نو سو ننانوے حصے مخلوق کے لئے ہوتے ہیں، الّا ما شآءاللہ! کوئی اللہ کا نیک بندہ ہو، نیک بندے بھی ہوتے ہیں ساری مخلوق اللہ تعالیٰ نے یکساں پیدا نہیں کی اور سب کے لئے ایک کلیہ نہیں ہوتا، کچھ اللہ کے نیک بندے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ ایک تو ان میں ریا کاری کا عنصر غالب ہوتا ہے اور دوسرا سیاسی جماعتوں کی خاص بیماری یہ ہے کہ ان کو دوسروں کا عیب نظر آتا ہے، اپنا عیب نظر نہیں آتا، ان کی آنکھوں پر دو چشمے چڑھے ہوئے ہیں ایک نفرت کا اور ایک محبت کا، ایک پاسداری کا اور ایک مخالفت کا۔

سیاسی اصول:

آج کا سیاسی اصول یہ ہے کہ یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ بات جو کہی جارہی ہے وہ حق ہے یا باطل ہے؟ بلکہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کہنے والا کون ہے؟ اگر مخالف کوئی بات کہتا ہے حق ہو یا باطل تو بہرحال باطل ہے اور ہم اس کی تردید کریں گے، اور اگر اپنا بندہ بات کرتا ہو تو چاہے دنیا جہان کی مہمل ترین بات کرتا ہو تو ہم اس کو یہ کہیں گے کہ ما شآءاللہ کیا بات کہہ دی! ایسے مضامین عالیہ صرف اسی کو سوجھتے ہیں۔

حکمرانوں کی غیرت مرگئی ہے:

تین دن پہلے کے اخبار پر نظر پڑی تو سرخی کو دیکھا، عبداللہ شاہ، یہاں کا وزیر اعلیٰ کہہ رہا ہے کہ: ''دہشت گرد دم توڑ رہے ہیں۔'' ما شآءاللہ! اگر کوئی یہاں لکھنے والا ہے تو میری اس بات کو ان تک پہنچادے کہ دہشت گرد دم نہیں توڑ رہے بلکہ تمہاری شرم و حیا دم توڑ رہی ہے، یہ الفاظ میرے ان تک پہنچادو، اگر تم میں ذرہ بھی

شرم و حیا ہوتی تو تم مستعفی ہو جاتے، جو حکمران اپنی عوام کا انتظام نہیں کرتا یا کر نہیں سکتا، اتنا نا اہل ہے، اتنا نالائق ہے، اس کو حکمرانی کا کوئی حق حاصل نہیں، اگر کسی شریف ملک میں یہ وارداتیں ہوتیں، یہ قصے اور یہ حالات ہوتے تو وہ فوراً مستعفی ہو جاتا اور اپنی نا اہلی کا اقرار کرتا۔ دہشت گردوں نے ابھی تک دم نہیں توڑا بلکہ سات کی جگہ آٹھ، آٹھ کی جگہ نو، نو کی جگہ دس، دس کی جگہ گیارہ قتل ہو رہے ہیں، روزانہ ترقی ہو رہی ہے، لیکن تمہاری حیا اور تمہاری شرم دم توڑ گئی ہے، حکمرانوں میں غیرت مر گئی ہے، موجودہ دور کی یہی سیاست ہے، اور اسی سیاست کو کہا جاتا ہے کہ یہ اسلام کا حصہ ہے، اور اسی سیاست کو سامنے رکھ کر مارشل لا کو گالی دی جاتی ہے، اور جنرل ضیاالحق کو گالیاں دی جاتی ہیں، لیکن انسانوں کے دماغ کو کیا ہو گیا ہے؟

قوم کی اجتماعی بدعملی:

رات عشاء کے بعد کسی آدمی کے خط کا جواب دے رہا تھا، اس نے انہیں حالات کو لکھا جو کراچی میں گزر رہے ہیں، میں نے کہا کہ شامت اعمال ہے، اور سب سے بڑی بدعملی ہماری یہ ہے کہ ہم نے نا اہل اور نالائق حکمرانوں کو منتخب کیا، یہ قوم کی اجتماعی نافرمانی اور اجتماعی بدعملی ہے، ہم نے کہا کہ عورت کی حکمرانی جائز نہیں، کچھ حضرات نے کہا کہ صوفیوں کی سوئی عورت کی حکمرانی پر اٹکی ہوئی ہے، یعنی ان لوگوں کو ضرورت نہیں اسلام کی، تم سب نے مل کر عورت کو حکمران بنایا ہے، ووٹ دے دے کر بنایا اور قاضی جی نے مخالفت کر کر کے بنایا۔

قاضی اور امریکہ کی خوشنودی:

میں اپنی محفلوں میں کہتا ہوں کہ .... آج سیاسی بات شروع ہو گئی ہے، چلو آ گئی تو آ گئی زبان پر، کوئی شخص قاضی جی کو بھی میرا پیغام پہنچا دے کہ یہ تمام کا تمام گناہ قاضی کے اوپر ہے، قاضی حسین احمد اسلامی فرنٹ والے، اسلامی فرنٹ یا اسلام

سے فرنٹ کا حکم دیا گیا، فلسفہ کیا بیان کیا؟ جماعت اسلامی کے اخباروں کو میں پڑھتا ہوں، ان کی باتیں بھی سنتا ہوں، آج تک یہ تسلسل انہوں نے نہیں چھوڑا، چھوٹی برائی، بڑی برائی ہم دونوں برائیوں کے مخالف ہیں، حالانکہ یہ اسلام کے مسلّمہ قدیم اصولوں کے خلاف ہے، کیونکہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ جو شخص دو مصیبتوں میں سے ایک مصیبت میں گرفتار ہو جائے، اور اس کو اس کے بغیر چارہ نہیں تو جو ہلکا گناہ ہو اس کو اختیار کرلے، یہ شریعت کا اصول ہے، یہ قاضی حسین احمد نے اسلام کے اصول کو بھی پامال کر دیا امریکہ کی خوشامد کے لئے، امریکہ کی خوشنودی کے لئے، نواز شریف کو ہٹانا اور معین قریشی کو لانا بے غیرتی کا واضح پتہ چلتا ہے، زنانہ عقل کا میں بھی قائل ہوں لیکن یہ زنانہ عقل کیا گل کھلاتی ہے یہ تو آنے والا وقت بتائے گا، یہ میرا آخری فقرہ ہے، اور مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ گل کھلیں گے۔ واللہ! مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا، میں سمجھ رہا تھا کہ قہر خدا اس قوم پر نازل ہوگا، لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ قہر ان شکلوں میں نازل ہوگا، نعوذ باللہ! استغفر اللہ! اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے اور اپنے قہر سے بچائے۔

قہر خداوندی کی لپیٹ میں:

کراچی اور حیدرآباد والے قہر خداوندی کی لپیٹ میں ہیں، اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو، ایسی ویسی باتیں دیکھنے اور پڑھنے میں آتی ہیں، وہ ایک فارسی کا شعر ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ:...... ''بہت سی ناگفتنی باتوں کو میں نے سنا ہے
جو سننے کے لائق نہیں تھیں، ان کو دیکھ رہا ہوں کاش کہ میری ماں
نہ مجھے جنتی، میں پیدا نہ ہوا ہوتا۔''

ہمیں قطعاً ایسی توقع نہیں تھی کہ ہمیں ایسے انسانوں میں رہنا ہوگا اور ایسے

انسانوں سے واسطہ پڑنے والا ہے، گناہگار تو پہلے بھی ہوئے ہیں، نیکی اور بدی دونوں چلتے ہی آئے ہیں لیکن نیکی اور بدی کا تناسب یہ ہوجائے گا، ہمیں اس کا اندازہ نہیں تھا۔

انسان کی نیکی اور برائی چہرے پر لکھ دی جاتی ہے:

تو خیر عرض یہ کررہا تھا کہ بھائی! نیک کام چھپ کر کروگے تو اللہ تعالیٰ نیکی کا لباس پہنائے گا، تم نے چھپ کر کیا کہ کسی کو پتہ نہ چلے لیکن اللہ تعالیٰ چہرے پر نیکی لکھ دیتے ہیں، اور تم نے چھپ کر گناہ کیا، کسی کو پتہ نہیں چلنے دیا لیکن مت بھولو کہ تم مخلوق سے تو چھپا سکتے ہو مگر خالق سے نہیں چھپا سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

قسم ہے اس ذات کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان اس کے ہاتھ میں ہے، نہیں عمل کیا کسی شخص نے کوئی سا عمل کبھی بھی چھپ کر مگر اللہ تعالیٰ اس عمل کی چادر اس کو اعلانیہ پہنادیتے ہیں، چھپ کر نیکی کا کام کرتا ہو لیکن لوگوں کی زبان پر ہوگا کہ فلاں آدمی بہت اچھا ہے، اور چھپ کر برائی کرتا ہو، بدکاری کرتا ہو، خیانت کرتا ہو اور گڑبڑ کرتا ہو کسی کو بظاہر اس نے پتہ نہیں چلنے دیا لیکن اللہ تعالیٰ اس پر اس کے جھوٹ کی، خیانت کی چادر اس کو پہنادیں گے، لوگ چلتے ہوئے کہہ دیں گے کہ خائن آدمی ہے، حالانکہ کسی کو معلوم نہیں کہ کب اس نے خیانت کی، کوئی ثبوت نہیں دے سکتا، اسی کو کہتے ہیں: ''زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو!'' اللہ تعالیٰ ان کی زبان پر بلواتے ہیں۔

ظہور و مدح کی نیت بھی ریا ہے:

یہاں ایک بات خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں، اکابرؒ فرماتے ہیں کہ نیک عمل چھپ کر کیا، مخلوق کو پتہ نہیں چلنے دیا لیکن دل میں یہ تھا کہ کاش لوگوں کو میری

عبادت کا پتہ چل جائے تو یہ بھی ریاکاری ہے، یہ خواہش بھی نہیں ہونی چاہئے، اگر نیک عمل کروگے تو نیکی کی چادر اللہ تعالیٰ پہنائیں گے اور براعمل کروگے تو نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! برائی کی چادر پہنائیں گے لیکن یہ نیت کرکے مت کرنا کہ مخلوق مجھے دیکھے گی اور مخلوق کو میرا پتہ چل جائے۔

بلانیت، ظاہر ہونے پر خوشی:

اگر یہ نیت نہ ہو تو چاہے مخلوق دیکھ بھی لے کچھ بھی نہیں ہوتا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے:

”قَالَ: قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! بَیْنَا اَنَا فِیْ بَیْتِیْ فِیْ مُصَلَّایَ اِذْ دَخَلَ عَلَیَّ رَجُلٌ فَاَعْجَبَنِیَ الْحَالَ الَّتِیْ رَاٰنِیْ عَلَیْھَا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: رَحِمَکَ اللّٰہُ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ! لَکَ اَجْرَانِ اَجْرُ السِّرِّ وَاَجْرُ الْعَلَانِیَۃِ.“
(مشکوٰۃ ص:۴۵۴)

ترجمہ:....”میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں چھپ کر اپنے گھر میں نماز پڑھ رہا تھا (اور اہتمام اس بات کا تھا کہ کسی کو پتہ نہ چلے) لیکن اچانک وہاں ایک آدمی آگیا اور اس کے دیکھنے کی بنا پر دل میں خوشی آگئی، تو یا رسول اللہ! یہ ریاکاری تو نہیں ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوہریرہ! اللہ آپ پر رحم کرے، آپ کے لئے تو دو اجر ہیں، ایک اجر چھپ کر عبادت کرنے کا اور ایک علانیہ عبادت کرنے کا۔“

اور ایک روایت میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تِلْکَ عَاجِلُ بُشْرَی الْمُؤْمِنِ.''

(مشکوۃ ص:۴۵۴)

ترجمہ:......''یہ مؤمن کی جلدی کی خوشخبری ہے۔''

یعنی چھپ کر کر رہا تھا اور چھپنا چاہتا تھا لیکن ہم تم کو چھپنے دیتے ہیں؟ تو ذرا چھپ کر دکھا! اللہ تعالیٰ آخرت میں تجھ کو بدلہ دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ظاہر کردیا، یہ جلدی کی خوشخبری ہے، ریاکاری نہیں کیونکہ تم نے ریاکاری کے لئے نہیں کیا تھا اچانک نظر پڑ گئی۔

تحسین پر خوشی:

یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ غیراختیاری طور پر تمہارے دل میں تحسین پیدا ہوگئی کہ اچھا ہوا اس نے دیکھ لیا تو یہ ریاکاری نہیں، کیونکہ یہ غیراختیاری معاملہ ہے، صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں چھپ کر نیکی کا کام کرتا ہوں، اچانک کوئی ظاہر ہوجاتا ہے تو کسی کے دیکھنے سے دل میں ایک خوشی سی محسوس ہوتی ہے، یا رسول اللہ! یہ ریاکاری تو نہیں؟ فرمایا: یہ بتاؤ اگر خدانخواستہ تمہیں کسی گناہ کی حالت میں دیکھ لیتا تو تمہیں شرمندگی ہوتی کہ نہ ہوتی، وہ شرمندگی بھی غیراختیاری ہے اور یہ خوشی بھی غیراختیاری ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ تو لائق شکر ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے، اس نے مجھے اچھی حالت میں دیکھا، بری حالت میں نہ دیکھا، اگر میری بری حالت کو اللہ تعالیٰ دکھا دیتے تو اس کو اس پر قدرت تھی، یہ میرے مالک کا کرم اور احسان ہے کہ میری برائیوں پر پردہ ڈال دیا، مخلوق کی نظر وہاں تک پہنچنے نہیں دی اور میری نام نہاد نیکیوں کو اچھال دیا، حقیقت میں تو ہماری نیکی ایسی ہی بے جان ہوتی ہے جیسے ہم کرتے ہی ہیں، یہ میرے اللہ تعالیٰ کا کرم اور احسان ہے، یہ ارشاد فرمایا کہ: اچھی نیکی کرو گے چھپ کر تو اللہ

تعالیٰ علانیہ طور پر نیکی کی چادر پہنادیں گے، اور چھپ کر برائی کرو گے تو اللہ تعالیٰ علانیہ طور پر برائی کی چادر پہنادیں گے، اس مضمون کو ارشاد فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم یہ آیت تلاوت فرمائی:

"یَا بَنِیْ آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا وَّلِبَاسُ التَّقْوٰی ذَالِکَ خَیْرٌ."

(الاعراف:۲۶)

راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر "رِیَاشًا" پڑھا۔

ترجمہ:......"اے بنی آدم ہم نے تم پر لباس اتارا ہے جو تمہارے ستر کو بھی چھپائے اور زینت کا کام بھی دے اور تقویٰ کا لباس اس سے بھی بہتر ہے۔"

معلوم ہوا کہ تقویٰ کا بھی ایک لباس ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے وہ لباس ہمیں پہنائے تو سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عمل کی کھیتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حُجَيْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا قَعَدَ: اِنَّكُمْ فِىْ مَمَرِّ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فِىْ آجَالٍ مَنْقُوْصَةٍ وَّاَعْمَالٍ مَّحْفُوْظَةٍ، وَالْمَوْتُ يَأْتِىْ بَغْتَةً، فَمَنْ يَّزْرَعُ خَيْرًا يُوْشِكُ اَنْ يَّحْصُدَ رَغْبَةً وَّمَنْ يَّزْرَعُ شَرًّا يُوْشِكُ اَنْ يَّحْصُدَ نَدَامَةً، وَّلِكُلِّ زَارِعٍ مِّثْلُ مَا زَرَعَ، لَا يَسْبِقُ بَطِىْءٌ بِحَظِّهٖ، وَلَا يُدْرِكُ حَرِيْصٌ مَّا لَمْ يُقَدَّرْ لَهٗ، فَمَنْ اُعْطِىَ خَيْرًا فَاللهُ تَعَالٰى اَعْطَاهُ، وَمَنْ وُقِىَ شَرًّا فَاللهُ تَعَالٰى وَقَاهُ، اَلْمُتَّقُوْنَ سَادَةٌ، وَالْفُقَهَاءُ قَادَةٌ، وَمَجَالِسُهُمْ زِيَادَةٌ."

(حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۱۳۴)

ترجمہ:...... ”عبدالرحمٰن بن حجیرہؒ اپنے والد سے اور وہ
حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں
کہ جب وہ مجلس میں بیٹھتے تھے تو فرماتے تھے: تم لوگ رات اور
دن کی راہ گزر پر ہو، ان میعادوں میں جو دم بدم کم ہو رہی ہیں
اور ان اعمال میں جو محفوظ کئے جارہے ہیں اور موت اچانک
آئے گی، سو جو شخص نیکی کاشت کرتا ہے وہ بہت جلد رغبت کے
ساتھ اس کی فصل کاٹے گا اور جو شخص برائی کاشت کرتا ہے وہ
بہت جلد اس کی برائی اٹھائے گا، ہر کاشت کرنے والے کو وہی
چیز ملے گی جو اس نے کاشت کی، کوئی سست آدمی اپنے حصے سے
پیچھے نہیں رہ سکتا اور کوئی حریص آدمی ایسی چیز کو نہیں پاسکتا جو اس
کے لئے مقدر نہیں کی گئی، پس جس شخص کو بھلائی ملی ہو تو حق
تعالیٰ شانہ نے ہی اس کو عطا فرمائی ہے اور جس شخص کو شر سے
بچالیا جائے اس کو اللہ تعالیٰ نے ہی بچایا ہے، پرہیزگار لوگ
سردار ہیں، فقہا قائد ہیں اور ان کی مجلسیں علم و عمل میں اضافہ
کرنے والی ہیں۔“

رات دن کی گزرگاہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنی مجلس میں دوستوں کے
پاس بیٹھتے تھے تو اکثر یہ بات ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ رات اور دن کی راہ گزر
پر بیٹھے ہو، رات اور دن تمہارے پاس سے ہوکر گزرتے ہیں اور رات اور دن کا گزرنا
بچے کو بوڑھا کردیتا ہے، بوڑھوں کو قبروں میں لے جاتا ہے۔

تم لوگ گن، گن کر اپنی اپنی میعادیں دے کر بھیجے گئے ہو، ہر ایک کو اتنے سال، اتنے مہینے، اتنے دن، اتنے گھنٹے، اتنے منٹ اور اتنے سانس گزارنے ہیں، تم دنیا میں اپنی عمر کا چارٹ ساتھ لے کر آئے ہو، اس میں نہ ایک سانس کم ہوسکے گا اور نہ ایک سانس کا اضافہ ہوسکے گا اور یہ دن اور رات کا گزرنا، یہ تمہاری عمروں کو کم کر رہا ہے، لحمہ بہ لحمہ تمہاری عمر کم ہو رہی ہے اور اس عمر کے اپنے پیمانے ہیں، تم جتنے اعمال بھر رہے ہو، وہ اعمال محفوظ کئے جارہے ہیں، عمریں منقوص یعنی کم ہو رہی ہیں، اور وقت کے پیمانے میں جو اعمال تم نے بھرے ہیں ان کو محفوظ کیا جارہا ہے، ہر لحمہ اور ہر وقت جو عمل تم کرتے ہو اس کو ریکارڈ کیا جارہا ہے اور اس کا نامہ عمل تیار ہو رہا ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”قَالَ یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلٰٓئِکَةٌ بِاللَّیْلِ وَمَلٰٓئِکَةٌ بِالنَّهَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْکُمْ فَیَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ.“ (صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۲۷)

ترجمہ:...... ”دو نمازوں میں دن کے فرشتے اور رات کے فرشتے تم پر باری باری بدلتے ہیں، ایک فجر کی نماز میں اور ایک عصر کی نماز میں، جب فرشتے یہاں سے فارغ ہوکر اللہ تعالیٰ کے پاس جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کے پاس گئے تھے جب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب چھوڑ کر آئے جب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔“

فجر کی نماز میں رات والے فرشتے بھی موجود ہوتے ہیں اور جن کو دن کی ڈیوٹی دینی ہوتی ہے وہ بھی موجود ہوتے ہیں، نماز سے فارغ ہوکر وہ نامہ عمل دن والے فرشتوں کے سپرد کردیتے ہیں۔ اسی طرح عصر کی نماز میں دن بھر جن فرشتوں نے ڈیوٹی دی ہوتی ہے، وہ بھی موجود اور جن کی ڈیوٹی آئندہ رات کے لئے ہے، وہ بھی موجود، نماز سے فارغ ہوکر دن والے فرشتے اپنا نامہ اعمال رات والے فرشتوں کے سپرد کردیتے ہیں۔

فرشتوں کی شہادت:

یہ دن میں دو وقت کی اہل اسلام کے لئے فرشتوں کی شہادت ہے اور اسی بنا پر فجر کی نماز اور عصر کی نماز کی مزید تاکید اور تاکید در تاکید فرمائی گئی ہے اور اسی بنا پر جماعت کے اہتمام کو ضروری قرار دیا گیا ہے، لوگ اپنی اکیلے نماز پڑھ لیتے ہیں، پتہ نہیں کیسے پڑھ لیتے ہیں؟ خدا نہ کرے کبھی اکیلے نماز پڑھنی پڑے، مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے، فرض نماز اکیلے پڑھی ہی نہیں جاتی، نفلیں تو چاہے گھنٹہ پڑھتے رہیں، لیکن فرض نماز پانچ منٹ کے لئے نہیں پڑھی جاتی۔

اکیلے اور جماعت کی نماز کا فرق:

اکابرؒ فرماتے ہیں کہ جماعت کی نماز ایسی ہے جیسے دعوت کا کھانا اور اکیلے کی نماز ایسی ہے جیسے کوئی شخص روٹی اپنے ہاتھ پر رکھ کر کھانے لگ جائے، لا الٰہ الا اللہ!

ہمارے اعمال کی نگرانی:

غرض یہ ہے کہ اعمال محفوظ کئے جارہے ہیں، اچھے اعمال بھی، برے اعمال بھی، قرآن کریم میں فرمایا ہے:

"وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ. كِرَامًا كَاتِبِيْنَ. يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ." (الانفطار: ۱۰ تا ۱۲)

ترجمہ:......''اور بے شک تم پر مقرر ہیں بہت ہی معزز فرشتے لکھنے والے (جو تمہارے اعمال کی محافظت اور نگہداشت کرتے ہیں) وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔''

تم پر نگران مقرر ہیں جن کو ''کراماً کاتبین'' کہا جاتا ہے، وہ جانتے ہیں جو تم چھپ کر کرتے ہو یا ظاہری طور پر کرتے ہو، ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم کوئی عمل فرشتوں کی نظر سے بچا کر کرلو کہ فرشتوں کو معلوم نہ ہو، آج کل تو آٹومیٹک مشینوں کا دور ہے، مسئلہ کا سمجھنا بہت آسان ہوگیا، ادھر تمہارا عمل شروع ہوا اور ادھر خود بخود ان کا قلم چلنے لگا۔ ان فرشتوں کے پاس خودکار مشینیں ہیں، اقوال کی بھی اور افعال کی بھی، حتیٰ کہ دل کے ارادوں کی بھی وہ خبر معلوم کرلیتے ہیں، وہ فرشتے آتے ہی تم پر اپنے آلات لگادیتے ہیں اور نگرانی کرنے لگتے ہیں، تم خلوت میں ہو یا جلوت میں ہو، گھر میں ہو یا محفل میں ہو، رات کی تنہائی میں ہو یا دن کی روشنی میں، فرشتوں کی نظر سے غائب نہیں ہوسکتے۔

زندگی کا چراغ:

تو تمہاری عمریں گھٹ رہی ہیں، دم بہ دم، لحظہ بہ لحظہ، اور تمہارے جتنے بھی اعمال ہیں ان پر کراماً کاتبین نگران مقرر ہیں، ان کو محفوظ کیا جارہا ہے، ان کو ریکارڈ کیا جارہا ہے اور موت اچانک آجائے گی، کبھی تو اس طرح اچانک آتی ہے کہ ہم بھی اس کو اچانک کہتے ہیں اور کبھی بظاہر موت سے پہلے آدمی بیمار ہوتا ہے، کمزور ہوتا ہے، بالآخر اس کی زندگی کا چراغ گل ہوجاتا ہے، لیکن پھر بھی جب موت آتی ہے ایسا لگتا ہے کہ غیر متوقع طور پر آگئی، چنانچہ اکثر و بیشتر مریض کے پاس لوگ بیٹھے ہوتے ہیں، ہنسی مذاق کررہے ہوتے ہیں، مگر جوں ہی مریض کا سانس نکلتا ہے تو رونے لگتے ہیں، حالانکہ اسی مجلس میں بیٹھے ہیں، یہ اچانک کیا تبدیلی ہوئی؟ کہتے ہیں موت آگئی

اچانک! تو موت کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ کب آئے گی؟ تمہاری زندگی کا چراغ کب بجھ جائے گا؟ اور تمہارا نامۂ اعمال کب لپیٹ کر رکھ دیا جائے گا؟

دنیا آخرت کی کھیتی:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کسی نے خیر کو کاشت کیا تو اس کی فصل اٹھائے گا، کاٹے گا، اور کسی نے برائی کو کاشت کیا، اس کو کاٹے گا، یوں کہتے ہیں: "اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ." (اتحاف ج:۸ ص:۵۳۹) یعنی دنیا آخرت کا کھیت ہے، یہاں تم اپنے اعمال کی کاشت کر رہے ہو اور جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔

گندم از گندم بروید جو زجو
از مکافات عمل غافل مشو

"گندم" کاشت کرو گے تو "گندم" کاٹو گے، اور "جو" بیجو گے تو "جو" کاٹو گے، بہرحال تمہیں جو کچھ ملے گا وہ اپنا کیا ملے گا، یہ الگ بحث ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نیکی کو بڑھادیں اور اپنی رحمت سے برائی کو مٹادیں، لیکن یہ اسی وقت ہوگا جبکہ نیکی کاشت بھی کی ہو!!

مقدر کا رزق:

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ جو کاہل آدمی زمین کی کاشت کے وقت جب کہ بیج ڈالنے اور بوائی کا موسم ہوتا ہے، میٹھی نیند سوتا رہے، اس کو کٹائی کے دن پتہ چلے گا کہ میرے سونے کی کتنی قیمت پڑی ہے؟ جہاں تک دنیا کا اور دنیا کی قسمت کا تعلق ہے، وہ بھی ساتھ لکھ کر دے دی گئی ہے، ایسا ممکن نہیں کہ ایک سست آدمی اپنا حصہ اس لئے وصول نہ کرسکے کہ ذرا سی سستی ہوگئی تھی، نہیں! جتنا تمہارے لئے لکھا ہوا ہے، وہ تمہیں ملے گا۔

اور کوئی حریص اور لپکنے والا آدمی ایسی چیز کو حاصل نہیں کرسکتا اور نہیں پاسکتا

جو اس کے لئے مقدر نہیں، رزق مقدر سے ملے گا، تمہاری محنت سے نہیں، ہر چند کہ محنت کرنے کا بھی حکم ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ."

(کنز العمال ج:۴ حدیث:۹۲۰۳)

ترجمہ:......"حلال کا طلب کرنا فریضہ ہے بعد فریضہ کے۔"

فریضہ ہے بعد فریضہ کے، جس کا مطلب یہ ہے کہ فرائض شرعیہ ادا کرنے کے بعد اگر وقت بچتا ہے تو اس میں طلب حلال بھی فرض ہے۔

روٹی کے لئے دوسرے فرائض کی قربانی:

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہ ارشاد فرماتے تھے: اب یار لوگوں نے بعد فریضہ کا لفظ اڑا ہی دیا ہے، بس ایک بات ہی یاد رہ گئی کہ رزق کی تلاش کرنا بھی تو فرض ہے، روٹی کمانا بھی تو فرض ہے، تو ایک تو بعد فریضہ کا لفظ حذف کردیا، اور میں کہتا ہوں کہ ساتھ طلب حلال کا لفظ بھی حذف کردیا لوگوں نے، بس اتنا یاد رہ گیا کہ روٹی کمانا فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ فرائض شرعیہ ادا کرنے کے بعد حلال کا تلاش کرنا فرض ہے، حلال ملتا ہے تو لو، نہیں ملتا نہ لو، رزق کا ٹھیکہ تو ہمارا نہیں ہے، اللہ میاں نے خود اٹھایا ہوا ہے، ہم لوگوں کی حرص نے اور طلب دنیا نے باقی فرائض کو تو غارت کردیا، نماز فوت ہوتی ہے، ہوتی رہے، جماعت نہیں ملتی، نہ ملے، اور دین کے جو دیگر فرائض ہیں وہ میسر نہ آئیں، نہ آئیں، روٹی کمانا شرط ہے، اور پھر حلال کی قید بھی ہم نے اڑا دی، بس کمائی ہونی چاہئے، آمدنی ہونی چاہئے، حلال ہو یا حرام، اس سے بحث نہیں۔

سود کی کثرت:

صحیح بخاری شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی مروی ہے:

''یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَّا یُبَالِی الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ.'' (بخاری ج:۱ ص:۲۷۶)

ترجمہ:......''ایک وقت آئے گا کہ جب آدمی کو یہ پرواہ نہیں ہوگی کہ کس چیز سے لے رہا ہے (پیسہ جو اس کو مل رہا ہے کہاں سے مل رہا ہے؟) حلال سے یا حرام سے (حلال و حرام کا تصور ہی غائب)۔''

اضطراری سود:

میرا بھائی! ایک ہے براہ راست سود لینا اور سود کا کاروبار کرنا، یہ تمہارے اختیار کی چیز ہے۔ اور ایک ہے کہ کسی صورت میں بچاؤ ممکن نہیں، مثال کے طور پر پانی اب گدلا ہوگیا ہے، وہی پینا پڑتا ہے، کیا کریں سود کی آمیزش ہوگئی تمام چیزوں میں، اور یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''ایک وقت آئے گا کہ سود کا غبار یا فرمایا: بخار، ہر ایک کو پہنچے گا۔''

اضطرار پر گرفت نہیں:

اب اگر کسی علاقے کا موسم اور وہاں کی آب و ہوا مسموم چیزوں کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہے، تو جو لوگ اس آب و ہوا میں سانس لے رہے ہیں، ظاہر ہے گناہگار نہیں ہوں گے، اور اگر زہر خود اٹھا کر کوئی کھاوے تو گناہگار ہوگا، جہاں تک تمہارا بس چلتا ہے حرام ذریعہ کا دروازہ اپنے اوپر بند کردو، حلال ذریعہ اختیار کرو، اب اگر حلال ذریعہ سے ملنے والا پانی بھی گدلا ہے تو آپ گناہگار نہیں۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر کاشت کرنے والے کو وہی ملے گا جو اس نے کاشت

کیا، کوئی سست آدمی اپنی سستی کی وجہ سے اپنے حصے سے، اپنے رزق کے حصے سے پیچھے نہیں رہ سکتا، اس کو ملے گا، اور کوئی ہوشیار اور حریص آدمی اپنے لکھے ہوئے رزق سے زیادہ حاصل نہیں کرسکتا۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کوئی خیر عطا فرمادیں تو اس کو شکر ادا کرنا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمانے والے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی شر سے بچالیں تو اس کو شکر کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کو بچایا ہے، خیر کا حاصل کرنا اور شر سے بچنا یہ بھی لطف خداوندی ہے، ورنہ تم محض اپنے وسائل سے نہ شر سے بچ سکتے ہو، نہ خیر کو حاصل کرسکتے ہو، توفیق الٰہی مددگار ہو اور عنایت الٰہی متوجہ ہو تو آدمی خیر کو حاصل کرسکتا ہے اور شر سے بچ سکتا ہے۔

متقی سردار:

پھر فرمایا متقی لوگ سردار ہیں، قرآن کریم میں بھی ارشاد باری ہے:

''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ.'' (الحجرات:۱۳)

ترجمہ:......''تم میں سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔''

قیامت کے دن کی سرداری ریاست اور وجاہت یہ تقویٰ کے پیمانے سے ناپ ناپ کر تقسیم کی جائے گی۔

فقہاءؒ قائد ہیں:

اور فقہاءؒ قائد ہیں، قائد کے معنی قیادت کرنے والا، آگے چلنے والا، ہمارے یہاں تو قائدوں کی بہت سی قسمیں ہیں، ایک قائد اعظم ہیں، ایک قائد عوام ہیں، اب کوئی نیا قائد پیدا ہوا ہوگا، درست ہے بھائی! بالکل بجا ہے، تم جس قائد کے پیچھے آنکھیں بند کرکے چل رہے ہو، یہ سوچ لو کہ کدھر لے جارہا ہے جنت کی طرف یا جہنم کی طرف؟ وہ تمہاری قیادت کرتے ہوئے کدھر تمہیں ہانک رہا ہے؟ اور حضرات

فقہائے امت کی قیادت قبول کرو گے اور ان کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں کتاب و سنت کے سرچشمے پر لے جائیں گے، اور کتاب وسنت کا سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوضِ کوثر ہے، یہاں کتاب وسنت سے سیراب ہوگے اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت حوضِ کوثر سے سیراب ہوگے، اس کے بارے میں فرمایا:

''مَنْ وَرَدَهٗ فَشَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا اَبَدًا.''

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۵۱)

ترجمہ:......''جو شخص ایک دفعہ اس میں سے پی لے گا، پھر اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی۔''

پھر پیاس ہمیشہ کے لئے ختم، پیاس کا علاج ہوگیا، حضرات فقہاؒ کی قیادت میں اگر تم کتاب وسنت کے چشمۂ شیریں تک پہنچ جاؤ گے اور اس کا ایک گھونٹ پی لو گے تو پھر انشاء اللہ تمام طریقۂ زندگی سے بے نیاز کردیں گے، تمہاری پیاس بجھ جائے گی، تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا پھر کسی اور کا طریقۂ زندگی اچھا ہی نہیں لگے گا، پیاس ہی بجھ جائے گی۔

فقہاؒ کے دشمن:

لیکن اللہ کی کچھ مخلوق اب پیدا ہوئی ہے جو فقہاؒ کے دشمن ہیں، جب حضرات فقہاؒ کو قائد بنادیا گیا اور دوسرے حضرات ان کے پیچھے پیچھے چلنے والے ہیں اور یہ سب پہنچ رہے ہیں حوضِ کوثر پر، کتاب وسنت کے حوضِ کوثر پر، تو جو شخص کہ اس قافلے سے کٹ کر دوسری طرف جائے گا اس کے بارے میں کیا خیال شریف ہے؟ ہر چند کہ دعویٰ کرتا ہے کتاب وسنت پر عمل کرنے کا، مگر حضرات فقہاؒ سے کٹ کر کوئی شخص کتاب وسنت پر عمل نہیں کرسکتا، اپنی ہوا پر، اپنی خواہش پر عمل کرے گا، جیسے کہتے ہیں کہ میں نے یہ سمجھا ہے کتاب اللہ سے، کتاب اللہ میں ہے بھی یا تو نے ویسے ہی سمجھ لیا، یہ بھی

تو سوچنے کی بات ہے، جیسے مرزائی لوگ قرآن سے ثبوت پیش کیا کرتے ہیں کہ نبوت جاری ہے، کسی مرزائی سے بات کرو، وہ تمہیں آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے گا، انا للہ وانا الیہ راجعون! اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مرگئے ہیں اور وہ حوالے تو دیتے ہیں اپنے خیال میں کتاب اللہ کے، لیکن حقیقت میں وہ مضمون کتاب اللہ کا نہیں، ان کے نفس کی کتاب کا ہے، جس کو ہوا کہتے ہیں، یعنی خواہش نفس۔

صحیح غلط کا معیار!

آج ہر آدمی کتاب کھول کر ہمیں آیتیں سنا رہا ہے، تو بھئی اس کی صحت وسقم کا بھی تو معیار ہونا چاہئے کہ صحیح ہے یا غلط ہے؟ اس کا بھی کوئی معیار تو ہو، کوئی پیمانہ تو ہو، تم لیبارٹری میں جا کے دوائیں ٹیسٹ کرواتے ہو، پانی ٹیسٹ کرواتے ہو، دوسری چیزیں ٹیسٹ کرواتے ہو، پیشاب اور پاخانہ ٹیسٹ کرواتے ہو، لیکن نظریات کی کوئی لیبارٹری نہیں تمہارے یہاں؟ قرآن وسنت کے دلائل کو جانچنے اور پرکھنے کی کوئی فیکٹری اور کوئی لیبارٹری نہیں جس کے ذریعے تمہیں معلوم ہوسکے کہ یہ استدلال صحیح ہے یا غلط ہے؟ یہ نتیجہ درست ہے اور یہ نتیجہ نادرست ہے، اب تو لوگوں کی نظر میں ہر باطل پرست اور حق پرست ایک ہی کانٹے سے تولے جارہے ہیں اور اپنے نفس کو سمجھانے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ اجی! مولوی لڑتے بہت ہیں! مولوی لڑتے ہیں؟ بھائی! مولوی بالکل نہ لڑا کرتے اگر تمہارے پاس صحیح پیمانہ موجود ہوتا، اگر تمہارے پاس صحیح پیمانہ موجود ہوتا تو تم باطل پرست کی گردن پکڑ لیتے اور یہ جو لڑنے والے ہیں آپ ان سے پوچھتے کہ جو بات تم کہہ رہے ہو تم سے پہلے بھی کسی نے کہی ہے؟ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے؟ امام ابوحنیفہؒ نے؟ شاہ عبدالقادر جیلانیؒ نے؟ امام غزالیؒ نے؟ مجدد الف ثانیؒ نے؟ کسی بزرگ کا نام تو لو، اگر تم اس پیمانے پر ان باطل پرستوں کو دیکھتے، تولتے اور اس لیبارٹری میں ان کا تجزیہ

کرتے تو تمہیں فوراً معلوم ہو جاتا کہ یہ صحیح ہے، یہ غلط ہے۔

پوری امت ایک طرف اور غلام احمد قادیانی ملعون دوسری طرف ہے، مگر یہ لوگ ان کی باتیں بھی سن لیتے ہیں اور سن کر متاثر ہو جاتے ہیں، ہر قادیانی ایسی چرب زبانی سے بات کرتا ہے کہ سننے والے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح منکرین حدیث بھی لوگوں کے پاس جا کر الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ جو حضرات فقہاءؒ کے منکر ہیں، یہ فقہاءؒ جو امت کے مسلّمہ فقہاء ہیں، جیسے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ یہ امت کے مسلّمہ امام ہیں۔ کیونکہ پوری کی پوری امت ان کی فقاہت پر، ان کی فضیلت پر، ان کے تقویٰ وطہارت پر متفق ہے، یہ لوگ غلط راستے پر چلنے والے نہیں تھے، اپنے علم کے اعتبار سے، اپنے فہم کے اعتبار سے، اپنے تقویٰ کے اعتبار سے، دل کی روشنی کے اعتبار سے، بصیرت کے اعتبار سے، وہ امت کو غلط راستے پر نہیں لے جا رہے تھے، اور اگر غلط راستے پر لے جانے والے ہوتے تو اللہ کے مقبول بندے ان کے نقش قدم پر نہ چلتے، آخر اور بھی تو بہت سے گمراہ ہوئے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ کا نام دنیا میں آفتاب کی طرح چمک رہا ہے، پورے عالم میں روشنی پھیل رہی ہے، آخر کیوں؟

امام ابوحنیفہؒ کا خواب:

امام محمد بن سیرینؒ جو اکابر تابعین میں سے ہیں، اپنے وقت کے بہت بڑے معبّر تھے، یعنی خوابوں کی تعبیر بتانے والے، امام ابوحنیفہؒ کی عمر ان سے کم تھی، ان کا انتقال سن ۱۱۰ ہجری میں ہوا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ان کے چالیس سال بعد ۱۵۰ھ میں ہوا ہے، امام ابوحنیفہؒ نے خواب بیان کیا اور کہا حضرت! خواب بڑا خراب سا دیکھا ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ نوجوان تھے، محمد بن سیرینؒ نے فرمایا: کیا خواب دیکھا ہے؟ فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو کھود رہا ہوں اور اس

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیاں جمع کر رہا ہوں، نعوذ باللہ! استغفر اللہ! لا حول ولا قوۃ الا باللہ!

اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھودنا، حالانکہ کسی مسلمان کی قبر کھودنا جائز نہیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیوں کے جمع کرنے کا کیا سوال؟ آپ تو اسی طرح حیات ہیں جس طرح دنیا میں حیات تھے، بہت گھبرائے ہوئے تھے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کوفہ سے بصرہ پہنچے تھے اس تعبیر کو معلوم کرنے کے لئے۔

خواب کی تعبیر:

محمد بن سیرینؒ نے فرمایا: تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ کہا: جی میں نے دیکھا ہے، فرمایا: اگر تم نے واقعی یہ خواب دیکھا ہے تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کو جمع کرو گے۔ اور علمائے امت اس بات پر متفق ہیں، جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ''تبلیغ الصحیفہ'' میں نقل کیا ہے: ''اَوَّلُ مُدَوِّنُ الْعِلْمِ.'' سب سے پہلا شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ ہے جس نے علوم کو مدون کیا، ایک ایک باب کا الگ الگ مسئلہ، وضو کے مسائل، غسل کے مسائل، تیمّم کے مسائل، وغیرہ وغیرہ، الخ، تو یہ امام ابوحنیفہؒ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے فقہی مسائل کو الگ طور پر مدون اور مرتب کیا، اور اسی بنا پر حضرت امام شافعیؒ فرماتے تھے: ''جو شخص کہ علم فقہ حاصل کرنا چاہتا ہے (فقہ کہتے ہیں قرآن وسنت کے فہم کو) وہ ابوحنیفہؒ کا محتاج ہے، ابوحنیفہؒ کا عیال ہے، جس دن امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ہوا تھا، اس دن امام شافعیؒ کی ولادت ہوئی تھی، اللہ کی شان ہے کہ امام شافعیؒ ان کے سامنے بچے ہیں، اور حضرت امامؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں، انہوں نے حضرت امامؒ سے نہیں، بلکہ حضرت امامؒ کے شاگردوں کے شاگردوں سے استفادہ کیا ہے، امام محمدؒ اور دوسرے شاگردوں سے۔

امام بخاریؒ، امام صاحبؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں:

امام بخاریؒ کو بھی یہ فضیلت حاصل ہوئی ہے کہ وہ حضرت امامؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے ایک شاگرد تھے مکی بن ابراہیم، اللہ تعالیٰ نے ان کو طویل عمر عطا فرمادی، اور امام بخاریؒ نے ان سے حدیث پڑھی ہے، چنانچہ حضرت امام بخاریؒ بڑے مزے لے کر اس سند کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: حدثنا مکی ابن ابراہیم، مکی بن ابراہیم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے طویل العمر شاگرد تھے، اور طویل عمر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے امام بخاریؒ کو بھی ان سے استفادے کا موقع عطا فرمایا تھا، اور ان کے واسطے سے انیس احادیث امام بخاریؒ نے نقل کی ہیں کہ امام بخاریؒ کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، ایک مکی بن ابراہیم تابعی، ان کے بعد صحابیؓ اور چوتھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ورنہ امام شافعیؒ شاگرد ہیں امام احمدؒ کے، امام احمدؒ شاگرد ہیں امام شافعیؒ کے، امام بخاریؒ شاگرد ہیں امام احمد بن حنبلؒ کے، امام بخاری حدیث لیتے ہیں امام احمد بن حنبلؒ سے اور وہ امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں، اور امام شافعیؒ، امام محمدؒ کے شاگرد ہیں، اور وہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد،، تو امام بخاریؒ تین واسطوں کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ تک پہنچتے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ کی کرامت کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک شاگرد کو طویل عمر نصیب فرمائی اور امام بخاریؒ کو ان کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تین واسطوں کے ساتھ پہنچادیا۔

اور فرمایا کہ ان فقہاءؒ کی مجلس میں بیٹھنے سے تمہارے علم میں، تمہارے عمل میں، تمہاری بصر میں، تمہاری بصیرت میں، تمہارے تقویٰ میں اور تمہاری طہارت میں اضافہ ہوگا، بشرطیکہ تم ان کے پاس جاکے بیٹھو بھی۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک

شب برأت

فضیلت و اہمیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اس شب برأت کے بارے میں جو کرنے کے کام ہیں اور جو نہ کرنے کے کام ہیں، ان کے متعلق چند باتیں عرض کرتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ ہمارے قلوب میں صحیح استعداد پیدا فرمائے، اپنے اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سمجھنے، ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما کر ان کو قبول بھی فرمائے۔

عنایت الٰہی:

یہ حق تعالیٰ شانہ کی خاص عنایت ہے کہ بعض مبارک اوقات کی محبت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دی ہے، باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ شانہ کی عنایتیں ہر وقت انسان کے شامل حال رہتی ہیں، لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ جمعہ کا اجتماع، عام نمازوں سے زیادہ ہوتا ہے، رمضان مبارک میں مسلمانوں کی توجہ زیادہ ہوتی ہے، بہ نسبت اور مہینوں کے، اور اسی طرح جو خاص اہمیت کی راتیں ہیں، ان میں بھی ہماری رغبت زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت عام راتوں کے، یہ بھی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے بندوں پر خاص عنایت ہے کہ اس کی خصوصی عنایت اور مغفرت کے جو

مواقع ہیں، یا عنایت اور مغفرت کے جو اسباب ہیں ان کی محبت زیادہ ڈال دی جاتی ہے، اور یہ عنایت یوں ہے کہ شاید اسی راستے سے کسی کا کچھ کام بن جائے۔ تو حق تعالیٰ شانہ نے ہمیں اس موقع پر جمع ہونے کی توفیق عطا فرمادی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی توقع رکھنی چاہئے۔

نیکی زیادہ تو گناہ بھی!

لیکن اسی کے ساتھ دوسری بات بھی ذہن میں رکھو، تصویر کے دونوں پہلو سامنے رکھنے چاہئیں جس طرح خاص مقامات میں عبادت کا درجہ بڑھا ہوگا، اسی طرح ان مواقع پر گناہ کا وبال بھی دوسرے اوقات کی نسبت زیادہ ہوگا، چنانچہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ! اگر کوئی شخص کنویں میں پیشاب کرے تو بہت بری بات ہے، لیکن اگر کوئی شخص چاہ زمزم میں پیشاب کرے تو اس سے بدتر بات ہوگی، بلکہ نعوذ باللہ! کفر کے درجے تک پہنچنے والی بات ہوگی، اسی طرح اگر کوئی شخص عام مسجدوں کی بے حرمتی کرے تو بہت ہی بری بات ہوگی، لیکن خدانخواستہ اور نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ! اگر حرم شریف میں کوئی گستاخی اور بے ادبی کرے تو یہ اور زیادہ بدترین بات ہے، ایسے ہی آخر شب کا وقت، جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا وقت ہے اس وقت میں اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو بہت بڑا درجہ ہے، اور اگر کوئی نعوذ باللہ! اس وقت بدکاری کرے، یا چوری کرے تو اس کا بدترین ہونا ظاہر ہے، یہ ساری باتیں میں نے سمجھانے کے لئے عرض کی ہیں کہ جن اوقات یا مقامات میں عبادت کا درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے، ان مقامات میں یا اوقات میں گناہ کا درجہ بھی بڑھا ہوا ہوتا ہے، اور ان اوقات میں گناہ کرنا زیادہ سنگین ہوتا ہے۔

ایک کی لاکھ مرغیاں:

اس پر ہمارے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا لطیفہ یاد آیا کہ جب پہلے

حج پر گئے تھے تو شاہ عبدالقادر قدس سرہ بھی ساتھ تھے اور مدینہ طیبہ جاتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ کو (یہ اس وقت نوجوان اور پورے قافلے میں سب سے زیادہ کم عمر تھے) "اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ" (کہ ائمہ قریش میں سے ہوں گے) کہہ کر امیر قافلہ بنادیا تھا، تو ایک موقع پر حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ہاں مرغی پکائی گئی تھی، اور شیخ رحمہ اللہ اس وقت اتفاق سے موجود نہ تھے، ان کی شرکت نہ ہوسکی، حضرت رائے پوریؒ نے معذرت کی کہ آپ اس کھانے میں تشریف فرما نہیں تھے، تو بے تکلفی سے شیخ نے فرمایا کہ حضرت! آپ کو اس کا معاوضہ ادا کرنا پڑے گا، شاہ عبدالقادرؒ نے فرمایا کہ حضرت ضرور معاوضہ ادا کریں گے، شیخ نے کہا کہ حضرت! یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں کی ایک نیکی لاکھ نیکی کے برابر ہے، تو ایک مرغی کی لاکھ مرغیاں بنتی ہیں، چنانچہ حضرت رائے پوریؒ نے ساری عمر حضرت شیخ کا یہی قرض چکایا، وہیں سے خط لکھنے شروع کر دیئے کہ شیخ کی ایک لاکھ مرغی ہمارے ذمے واجب ہے، اس کا انتظام کر رکھو۔ یہ تو میں نے لطیفہ عرض کر دیا کہ ایک مرغی کی لاکھ مرغیاں بنتی ہیں، حرم شریف میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک روپیہ خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک لاکھ روپیہ پاؤ گے، وہاں ایک دوگانہ ادا کرو گے تو ایک لاکھ دوگانہ کا ثواب ملے گا، اسی طرح عرض کر رہا ہوں کہ اگر خدانخواستہ کوئی الٹا چلے تو پھر بہت بری بات ہے، اس کا گناہ بھی اتنا ہی سنگین ہوگا۔

گناہوں سے بچنا زیادہ ضروری ہے:

اسی کے ساتھ ایک بات اور ہے کہ آدمی نیکی چاہے تھوڑی کرے، لیکن برائی سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے، کیونکہ نیکی منافع کی چیز ہے، جتنا کمالو گے اتنا تمہارا زرمبادلہ بن جائے گا، لوگ دبئی، سعودی عرب جا کر کماتے ہیں اور گھر والوں کو خرچ بھیجتے ہیں یا پیسے جمع کر کے لاتے ہیں، یہ ہماری نیکیاں ہمارا زرمبادلہ ہیں، یہ وہاں

آخرت میں ملے گا، کسی نے زیادہ کمالیا، زیادہ ملے گا، کم کمایا تو کم ملے گا، لیکن اگر برائیاں کرو گے تو یہ بہت سنگین بات ہے، نیکی تو چاہے تھوڑی کرو لیکن برائی سے بچنے کی زیادہ کوشش کرو، یہ دو باتیں ہوگئیں۔

میں ایک غلطی پر تنبیہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان دونوں باتوں کی لوگ رعایت نہیں رکھتے، ایک تو یہ کہ نیکی کی رغبت ہوتی ہے اور ہونی چاہئے، عرض کر رہا ہوں کہ نیکی زرمبادلہ ہے، جتنی زیادہ آدمی نیکی کرے اتنی کم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر غفاریؓ کو ایک موقع پر فرما رہے تھے، حضرت ابوذرؓ بڑے زاہد صحابی تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ان کے مطلب اور ذوق کی باتیں فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا:

> "یَا اَبَاذَرٍّ! خَفِّفِ الْحَمْلَ فَاِنَّ الْعَقَبَةَ کَئُوْدٌ، وَخُذِ الزَّادَ فَاِنَّ السَّفَرَ طَوِیْلٌ، وَاَخْلِصِ الْعَمَلَ فَاِنَّ النَّاقِدَ بَصِیْرٌ."
>
> ترجمہ:...... "اے ابوذر! بوجھ ذرا تھوڑا اٹھانا اس لئے کہ گھاٹی بڑی دشوار گزار ہے (جس گھاٹی پر تمہیں چڑھنا ہے وہ بڑی دشوار گزار ہے، ذرا بوجھ کم اور ہلکا رکھنا)، اور ذرا توشہ لے کر چلنا اس لئے کہ سفر بڑا لمبا ہے، اور عمل ذرا کھرا لے کر چلنا اس لئے کہ پرکھنے والا بہت سمجھ رکھنے والا ہے، اس کی نظر بڑی باریک ہے۔"

اگر کھوٹ ملا ہوا ہوگا تو نکال دیا جائے گا، وہاں کھوٹ نہیں چلتا ہمیں تو ہر چیز میں ملاوٹ کی عادت ہے، اور اخلاص کے معنی ہیں ملاوٹ نہ کرنا، یعنی اپنے عمل میں ملاوٹ مت کرو، خالص اللہ کی ذات کے لئے کرو، عمل بھی خالص ہو اور خالص اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہو، لوگوں کو دکھانے یا ریا کے لئے، یا مخلوق کی خاطر نہ ہو،

کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''توشہ لے کر چلو اس لئے کہ سفر بہت لمبا ہے۔''

نیکی کرنا آسان ہے:

لیکن ہم لوگوں کو نیکی کرنے کی طرف جتنی رغبت ہے، اتنا برائی سے بچنے کا اہتمام نہیں، یہ ایک عجیب بات ہے، میں تو اپنی بات کر رہا ہوں، آپ کی بات نہیں کر رہا، آپ اپنے طور پر اپنی حالت پر غور کر لیجئے، عام ذوق یہ ہے کہ نیکی کی طرف رغبت تو بہت ہوتی ہے، لیکن برائی سے بچنے کا اہتمام کم ہے۔

ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہ نے اس کی عجیب حکمت بیان فرمائی، فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ نیکی میں نفس اپنا کچھ حصہ لگا لیتا ہے، کم از کم لذت ہی سہی، یا یوں خیال کر لیا جاتا ہے کہ تم اب اچھے آدمی بن گئے ہو کہ نیکی کا کام کرتے ہو، چنانچہ وہ اپنا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لگا لیتا ہے، اس لئے نیکی پر لگنا تو اس کے لئے آسان ہے۔

گناہ کو چھوڑنا مشکل ہے:

لیکن برائی چھوڑنے میں چونکہ کوئی لذت نہیں، نہ ہی کسی کو پتہ چلتا ہے کہ اس نے برائی چھوڑی، نہ اس میں ریاکاری چل سکتی ہے اور نہ کچھ نفس کو لذت آ سکتی ہے، نیکی ایک وجودی یعنی کرنے کا کام ہے، کوئی بھی کرے گا تو دوسرا اسے دیکھے گا، ریاکاری کا بھی اس میں احتمال، خود اپنے نفس کو بھی لذت، اس لئے نیکی کرنے کی طرف تو نفس کو رغبت ہوتی ہے، مگر برائی اور بدی چھوڑنے کی طرف رغبت نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس میں لذت نہیں ہوتی، تو میں نے کہا:

ایک یہ کہ نیکی کا اہتمام چاہے تھوڑا کرو، لیکن بدی سے بچنے کا اہتمام زیادہ کرو۔

دوسری بات یہ کہ خصوصیت کے ساتھ مقدس مقامات میں، مقدس اوقات

میں بدی کے کرنے سے زیادہ سے زیادہ ڈرو، چنانچہ جمعہ کے دن اور عصر کے بعد کا وقت بھی بہت زیادہ مبارک وقت ہوتا ہے، اس وقت میں بدی کا ارتکاب بہت بری بات ہے، رمضان المبارک کا مہینہ بہت ہی مبارک مہینہ ہے، بہت ہی مبارک وقت ہے۔

میرے پاس آج اکثر خطوط رمضان المبارک کے مسائل سے متعلق آرہے ہیں، لوگ پوچھتے ہیں کہ روزہ رکھ کر اگر فلمی گانا سن لیا جائے تو اس سے روزہ تو نہیں ٹوٹتا؟ رمضان المبارک کی تقریریں تو رمضان المبارک میں ہوں گی، یہ درمیان میں ایک مثال کے طور پر بات آگئی، آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سنا ہوگا:

"مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ." (مشکوٰۃ ص:۱۷۶)

ترجمہ:...... "جو شخص روزہ رکھنے کے باوجود غلط کاری اور غلط بات کو نہیں چھوڑتا، تو اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں اور کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔"

پٹاخے اور آتش بازی سنگین جرم ہے:

اسی طرح یہ شب برأت کی ساعت اور اوقات ہیں ان میں بھی گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، مجھے ان پٹاخوں سے شدید تکلیف ہو رہی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کار ثواب ہے، یا یوں سمجھتے ہوں گے کہ نہ ثواب ہے نہ گناہ ہے، لیکن میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ آئندہ کے لئے کم از کم یہ معلوم کر لیجئے کہ یہ گناہ ہے، اگر یہ رات مبارک ہے تو جس طرح اس رات میں نیکی کرنے کا درجہ زیادہ ہے، اسی طرح گناہ کرنے کا جرم بھی زیادہ ہے، اس لئے اس رات میں پٹاخے بجانا، آتش بازی کرنا

یہ بہت ہی زیادہ سنگین جرم ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقل عطا فرمائے۔

تو یہ ایک بات میں نے عرض کی، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ مبارک اوقات کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی اس عنایت کا ہمیں شکر کرنا چاہئے اور ساتھ کے ساتھ توقع اور امید بھی رکھنی چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ عنایت اور توفیق ہم پر فرمائی ہے، تو انشاءاللہ اس کو قبول بھی فرمائیں گے، اور ہمیں اپنی رحمت کا مورد بھی بنائیں گے۔ انشاءاللہ!

شب برأت مانگنے کی رات ہے:

دوسری بات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ: اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرُ لَهٗ، اَلَا مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقُهٗ، اَلَا مِنْ مُّبْتَلًى فَاُعَافِيْهِ، اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا." (مشکوٰۃ ص:۱۱۵)

ترجمہ:......"شعبان کی پندرھویں رات کو اللہ تعالیٰ قریب کے آسمان پر نزول فرماتے ہیں، اور یوں پکارتے ہیں: کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کردوں، کیا کوئی رزق مانگنے والا ہے کہ میں اس کو رزق دوں، کیا کوئی مبتلائے مصیبت ہے جو اس مصیبت سے بچنے کی درخواست کرے، میں اس کو عافیت عطا کردوں، کیا کوئی فلاں قسم کا آدمی ہے، فلاں قسم کا آدمی ہے، ایک ایک ضرورت کا نام لے کر اللہ میاں پکارتے ہیں۔

تو اس رات میں کرنے کے دو کام ہیں، ایک تو جہاں تک ممکن ہوسکے

عبادت کرو اور قرآن کریم کی تلاوت کرو، نماز پڑھنا سب سے افضل ہے، لیکن اگر بیٹھ کر تسبیحات پڑھنا چاہو تو یہ بھی جائز ہے، غرضیکہ اللہ کی یاد میں جتنا وقت بھی گزار سکتے ہو، گزارو، باقی سونے کا تقاضا ہو تو سو جاؤ، فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ضرور پڑھ لو، تو ایک یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے عبادت میں وقت گزارا جائے، اور دوسرے یہ کہ رات مانگنے کی ہے، کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے، مانگا کیا جائے؟ اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمادیا ہے، مختصر سی اس کی تشریح کر دیتا ہوں۔

مانگنے کی تین چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں، ایک تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو، دوسرے اللہ تعالیٰ سے رزق مانگو، اور تیسرے اللہ سے عافیت مانگو، لیجئے خدا تعالیٰ نے کنجیاں تمہارے ہاتھ میں دے دی ہیں، جتنا چاہے کھولو اور لو، فرمایا ایک اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو۔

مغفرت مانگیے:

بھائی! مغفرت کے معنی ڈھانکنے کے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے اندر جو کچھ ہے وہ ناپاکی اور گندگی کے سوا کچھ نہیں، چنانچہ ابھی چھیل دو تو خون نکلنے لگے گا، اور اگر خدانخواستہ پیٹ میں سوراخ ہو جائے تو پھر جو کچھ ہوگا وہ ظاہر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر اس حسین و جمیل چمڑے کا پردہ ڈال دیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ پاک سے پاک مجلسوں میں اور معزز مجلسوں میں ہم بیٹھتے ہیں، لیکن جو گندگیاں ہمارے اندر چھپی ہوئی ہیں، وہ اس پردے کی وجہ سے لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتیں، خدانخواستہ ہماری گندگیاں ظاہر ہونے لگیں تو ہم کسی شریفانہ محفل میں بیٹھنے کے لائق نہ ہوتے، یہ تو ظاہری چمڑے کی بات کر رہا ہوں، اور بالکل اسی طرح معنوی طور پر ہمارے اندر جو قصور، لغزشیں، خطائیں ہیں، جو جرائم اور گناہ ہم نے کئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ستاری کا پردہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فاش نہیں فرماتے، دنیا میں اللہ تعالیٰ نے

ستاری فرما رکھی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا، حکم فرمایا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دو کہ شریعت کا حکم ہے، چور ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہوگیا کہ امیر المؤمنین میں نے پہلی دفعہ چوری کی ہے، آپ اس دفعہ تو مجھے معاف کر دیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کے دشمن! تو جھوٹ بولتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کریم ہے کہ پہلی بار آدمی کو پکڑوادیں، یہ اس کے کرم سے بعید ہے۔ جن لوگوں کے پردے فاش ہوجاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے سامنے جری بن جاتے ہیں:

ہم مشو مغرور از حلم خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

ہاں اللہ کے حلم اور اس کی ستاری سے مغرور نہ ہوجاؤ، دھوکہ نہ کھاجاؤ، اس لئے کہ دیر سے پکڑیں گے لیکن جب پکڑیں گے تو سخت پکڑیں گے۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مطالعہ کر کے اپنا ایکسرے کرنا چاہئے، اپنے چمڑے کے نیچے کرید کر دیکھو تو نجاست ہی نجاست بھری ہوئی نظر آئے گی، یہ اوپر سے ہم پر اللہ تعالیٰ کی ستاری کا پردہ پڑا ہوا ہے، وگرنہ کوئی کرید کر دیکھے تو ہمارے گناہ، وساوس، خیالات، اور اندرونی جذبات وغیرہ تو اندر نجاست ہی نجاست ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ستاری ہے کہ ہم پر پردہ ڈال دیا ہے، اگر کوئی جری ہوجاتا ہے تو تھوڑا سا پردہ اٹھادیتے ہیں، اس کو اپنی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے کہ تو ایسا ہے، اللہ تعالیٰ تو بہت ہی پردہ پوش اور ستار ہے، بقول شیخ سعدیؒ کے کہ: ''گناہ بیند و پردہ پوشد بحلم'' گناہوں کو دیکھتا ہے، اور اپنے حلم کے ساتھ پردہ ڈالتا ہے۔

خدا کے سوا تم نے کوئی ایسا دیکھا کہ اس کے سامنے تم اس کا قصور کرو، اور وہ تمہیں رسوا کرنے پر بھی قادر ہو اور رسوا نہ کرے؟ تم سے انتقام لینے پر قادر ہو اور انتقام نہ لے؟ اللہ کی شان رحیمی و کریمی، ستاری و غفاری ہے کہ ہم سراپا قصور و عیب

ہیں، گناہ کرتے ہیں، مسلسل کرتے ہیں، اور بے دھڑک، بغیر جھجک اور بغیر وقفے کے کرتے ہیں، لیکن اللہ میاں پردے ڈالتے چلے جاتے ہیں، تم نادان ہو لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں کے سامنے رسوا نہیں کرتا، یہ ہے اللہ کا پردہ ڈالنا، اس پردہ ڈالنے کو مغفرت اور بخشش کہتے ہیں، اگر یہ پردہ دنیا میں ہی رہا، اور آخرت میں یہ پردہ اٹھالیا گیا تو سمجھو کہ پکڑ ہوگئی لیکن اگر اللہ رب العزت نے دنیا میں پردہ ڈالے رکھا، اور اسی طرح آخرت میں بھی پردہ ڈال دیا اور ہمارے عیوب کو مخلوق کے سامنے ظاہر نہ فرمایا تو اس کو بخشش اور مغفرت کہتے ہیں، عیوب تو ہمارے ذاتی نقائص ہیں، وہ تو ہم سے جدا نہیں ہوسکتے، جیسے ممکن نہیں ہے کہ انسان کے بدن کو چھیلو اور اندر سے خون وغیرہ نہ نکلے، اسی طرح ہماری عبدیت اور بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم سے لغزشیں، خطائیں، کوتاہیاں ہوتی ہیں، یہ ہمارا لازمۂ ذات ہے، حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت سے جیسے ان تمام چیزوں پر دنیا میں پردہ ڈال رہے ہیں، آخرت میں بھی ڈال دیں تو اس کو مغفرت کہتے ہیں، اب ایک تو اس رات میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش مانگو۔

ایک بات یاد آگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے:

"اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ وَّلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ." (کنز العمال ج:۲ حدیث:۵۱۲۶)

ترجمہ:......"اے اللہ مجھے رسوا نہ کیجئے، کیونکہ آپ مجھے جانتے ہی ہیں، اور مجھے عذاب اور سزا نہ دیجئے اس لئے کہ آپ مجھ پر قادر ہیں (جب چاہیں عذاب دے سکتے ہیں، آپ کی قدرت ہے)۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے درخواست فرماتے ہیں:

"یَا مَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ،

هَبْ لِیْ مَا لَا یَنْقُصُکَ وَاغْفِرْ لِیْ مَا لَا یَضُرُّکَ."

(اتحاف ج:۵ ص:۸۱)

ترجمہ:......"اے وہ ذات جس کو بندوں کے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتے، اور جس کے خزانے میں، مغفرت کوئی نقص اور کمی پیدا نہیں کرتی (اگر اللہ تعالیٰ سب مجرموں کو یک قلم بخش دیں تو کچھ نقصان بھی نہیں ہوا) مجھ کو وہ چیز عطا فرمادے جو آپ کے خزانوں میں کمی نہیں کرتی اور مجھ کو وہ چیز معاف فرمادے جو آپ کو نقصان نہیں پہنچاتی (یعنی میرے گناہوں کو معاف فرمادے)۔"

تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو جیسے بھی مانگ سکتے ہو، اور یوں سمجھ کر مانگو کہ وہ ہمارا خدا ہے، ہم اس کے بندے ہیں، کسی اجنبی سے معاملہ نہیں ہو رہا، اپنے خدا سے ہو رہا ہے، اپنے رب سے مانگ رہے ہیں، ہمارا کام ہی مانگنا ہے، اور اس کا کام عطا کرنا ہے، بلبلا کر مانگو، گڑگڑا کر مانگو، امید کے ساتھ مانگو، اللہ تعالیٰ مجھے معاف کردے، کوئی بے ادبی کا لفظ نہ ہو، وہ ہمارے مالک اور خدا ہیں، ہمیں اپنے خدا پر ناز ہونا چاہئے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ایک تو بخشش مانگو اور جس کا خلاصہ میں نے عرض کردیا کہ یا اللہ! دنیا اور آخرت میں ہمارے عیوب اپنی مخلوق کے سامنے ظاہر فرماکر ہمیں رسوا نہ فرمایئے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے:

"اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ."

(کنز العمال ج:۲ حدیث:۳۶۲۴)

ترجمہ:......"اے اللہ! تمام امور میں ہمارا انجام اچھا

کر، اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ
فرما۔"

کیونکہ آخرت میں جس کو رسوا کریں گے اس کو عذاب دیئے بغیر نہیں چھوڑیں گے، یا اللہ! ہماری خطاؤں سے درگزر فرما کر دنیا کی رسوائی اور آخرت کی رسوائی اور عذاب سے بچا لیجئے، نہ دنیا میں ہمارا پردہ لوگوں میں فاش کیجئے اور نہ آخرت میں ہمارا پردہ اپنی مخلوق کے سامنے فاش کیجئے، یا اللہ! ہماری بخشش فرمادیجئے، اور اگلے پچھلے، چھوٹے بڑے جتنے گناہ ہیں، ان سب کی معافی مانگو، اس طرح مانگو کہ گویا آج تو سارے قرضے بے باق کر کے جانا ہے، آج سارا معاملہ نمٹا کے جانا ہے۔

رزق مانگیئے:

دوسرا رزق مانگیں، کیونکہ اعلان ہوتا ہے: "اَلَا مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقُهٗ." "کیا ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ اس کو میں رزق دوں، بھائی ہم تو رزق اسی روٹی پانی کو سمجھتے ہیں، اور اس میں لوگ پریشان بھی بہت ہیں، اپنی اپنی سمجھ اور اپنا اپنا خیال ہے، تاہم جہاں تک تمہارا تصور جاسکتا ہے، وہاں تک رزق کے حدود پھیلے ہوئے ہیں، دنیاوی یا اخروی، جسم یا روح کی بقا کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو سامان پیدا فرمائے ہیں، اور جن پر انسان کی بقا کا دارومدار ہے وہ ساری کی ساری چیزیں رزق کہلاتی ہیں، روٹی پانی بھی اس میں داخل ہے، یہ جسم کی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کر رکھی ہیں، یہ بھی اس میں داخل ہیں، اور پھر اردگرد جو چیزیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ بھی اس میں داخل ہیں، ظاہری چیزیں بھی داخل ہیں، باطنی چیزیں بھی داخل ہیں، رزق کا لفظ ایسا جامع ہے کہ ہماری ضرورت کی کوئی چیز اس سے باہر نہیں ہے، اور کہا یہ جارہا ہے: "اَلَا مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقُهٗ." کیا ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں، ہماری سمجھ چونکہ بہت ناقص ہے، تو الفاظ بھی ایسے گول مول سے استعمال کر لئے جائیں، جو

ہمارے سامنے اہم چیزیں ہوں وہ تو ہم نام لے کر مانگ لیں کہ:

اے اللہ! ہماری فلاں ضرورت ہے، وہ پوری کر دیجئے، لیکن جب ہم ان چیزوں کو مانگ لیں تو اتنا ضرور کہہ دیں کہ یا اللہ! آپ کے رزق کی حدود جہاں تک پھیلی ہوئی ہیں وہ ساری کی ساری چیزیں مانگتے ہیں، تاکہ کوئی چیز بھی پیچھے نہ رہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بات چیت کرنے کے لئے تشریف لائے، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کچھ دعا مانگ رہی تھیں، آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو بات کرنے کے لئے ایک طرف کر دیا اور بعد میں فرمایا: عائشہ! تم دعا مانگ رہی تھیں، تمہیں اپنی دعا درمیان میں چھوڑ دینی پڑی، تمہیں ایک جامع سی دعا بتا دیں یعنی چھوٹے الفاظ میں بہت بڑی دعا آ جائے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ضرور بتا دیجئے! فرمایا: جو کچھ مانگنا ہے اللہ تعالیٰ سے مانگ لیا کرو، اور بعد میں دعا کر لیا کرو:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ مِنۡ خَیۡرِ مَا سَأَلَکَ مِنۡهُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ شَرِّ مَا اسۡتَعَاذَ مِنۡهُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ.''

(ترمذی ج:۲ ص:۱۹۲)

ترجمہ:...... ''یا اللہ! میں آپ سے خیر کی تمام چیزیں مانگتی ہوں جو آپ سے آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں، اور آپ سے شر کی ان تمام باتوں سے پناہ مانگتی ہوں جس سے آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔''

لیجئے پیچھے رہ کیا گیا؟ بھائی رزق مانگو اللہ تعالیٰ سے خوب مانگو، جب وہ خود بلوا رہے ہیں کہ آؤ لیجاؤ، تو پھر کیوں نہ مانگیں؟ جو آپ مانگ سکتے ہیں اور جو کچھ آپ کے ذہن میں ہے، مانگ لیں، کوئی ضرورت ہو، کوئی تقاضا ہو، اور یہ خیال نہ کرو کہ یہ

چیز کہاں مل سکتی ہے؟ مشکوٰۃ شریف میں حدیث قدسی ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

"....... يَا عِبَادِيْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَا زَادَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا. يَا عِبَادِيْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَا نَقَصَ ذَالِكَ مِنْ مُلْكِيْ شَيْئًا ...... الخ." (مشکوٰۃ ص:۲۰۳)

ترجمہ:....."اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ: اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور تمہارے آخر، تمہارے پہلے، تمہارے پچھلے، تمہارے مرد، تمہاری عورتیں، تمہارے چھوٹے، تمہارے بڑے، تمہارے انسان، تمہارے جن، سارے کے سارے مل کر سب سے متقی آدمی کی مثال بن جائیں تو میری خدائی میں مچھر کے پر کے برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا، اور اگر تمہارے پہلے، تمہارے پچھلے، تمہارے مرد، عورت، چھوٹے، بڑے اور انسان و جن سارے مل کر تم میں سب سے جو زیادہ برا آدمی ہے اس جیسے بن جائیں، تو میری خدائی میں مچھر کے پر کے برابر نقصان نہیں ہوگا۔"

بھائی! یہ تمہاری جمہوری گورنمنٹیں تھوڑی ہیں، جو ووٹوں سے بنتی ہوں، وہ تو خدا کی خدائی ہے۔ لہٰذا تمہارے پہلے، پچھلے، مرد، عورت، چھوٹے، بڑے، انسان، جن، سارے کے سارے مل کر جو کچھ کسی کے جی میں آئے وہ مجھ سے مانگنے لگیں اور میں اس کو دینے لگوں تو میرے خزانوں میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں ہوگی، یہ

خیال مت کرو کہ یہ چیز بہت بڑی ہے، کیا مانگیں گے؟ مادی نعمتیں مانگنی چاہتے ہو تو وہ بھی مانگ لو، معنوی نعمتیں مانگنی چاہتے ہو تو وہ بھی مانگ لو، (لیکن محمود غزنویؒ والی بات کیوں نہ کی جائے) اس سلسلہ میں دو مثالیں عرض کر دیتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی آئے، اور عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرما دیجئے یعنی اللہ تعالیٰ میری دعائیں قبول کرلیا کریں کہ میں مستجاب الدعوات بن جاؤں، دوسرے لفظوں میں وہ سارا کچھ سمیٹ کر لے گئے کہ ایک آدھ کیا دعا کروائیں، جب دعا کروانی ہے تو ایسی کروائیں کہ ساری چیزیں آجائیں۔

محمود غزنویؒ سے لوگوں نے ایاز کے بارے میں شکایت کی تھی کہ آپ ان کو بہت مانتے ہیں، آخر کیوں؟ محمود غزنویؒ نے کہا: اچھا! اس کی وجہ بتائے دیتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ اس نے ہیرے، جواہرات بکھیر دیئے اور کہا جو کوئی لوٹنا چاہے، یا لینا چاہے لے لے، جب اذن عام ہوگیا تو سارے اٹھ کر چیزیں لینے لگے، ایاز جہاں کھڑا تھا وہاں کھڑا رہا، محمود غزنویؒ نے اس سے کہا: ایاز! تمہیں بھی اجازت ہے، جو کچھ لینا چاہتے ہو لے لو، انہوں نے بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا: میں نے یہ لے لیا ہے، جب آپ نے خود کہا ہے جو چاہو لے لو، میں نے تو بادشاہ ہی کو لے لیا۔

بھائی! خدا سے جو چاہو گے ملے گا، لیکن اگر خدا سے خود خدا ہی کو مانگ لو تو کیا وہ نہیں ملے گا؟ ضرور ملے گا! اور جس کو خدا ہی مل گیا تو پیچھے کیا رہ گیا؟ تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو تمہارے جی میں ہو، زور، قوت اور یقین کے ساتھ مانگو، جائز مانگو، ناجائز مت مانگو، کوئی پابندی نہیں ہے، ضرور ملے گا، خزانہ عام ہے، اور جب وہ خود کہہ رہے ہیں، انشاء اللہ روکیں گے نہیں۔

میں کہتا ہوں ساری چیزیں مانگ لو، اور ایک چیز مانگنے کی نہ چھوڑ دینا، وہ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگ لو، "اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ." یا

اللہ! میں تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں۔ اور وہ راضی ہوگئے، ان کی رضا مل گئی تو سب کچھ مل گیا، خدا کی قسم! اس کی رضا کے بعد پھر پیچھے کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی اور خدانخواستہ نعوذ باللہ! استغفر اللہ! توبہ! توبہ! اگر اس کی رضا نصیب نہیں ہوئی، پھر اگر تخت سلیمانی بھی دے دیا جائے، تو لغو اور لایعنی ہے، اس کی رضا کے بغیر کسی چیز کی کوئی قیمت نہیں، تو دوسری چیز مانگنے کی رزق ہے، اور میں نے کہا کہ رزق کا مفہوم بہت وسیع ہے، دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں اس میں سمٹ آتی ہیں، اور ان نعمتوں کا اصل الاصول اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور اللہ کی رضامندی مشروط ہے ایمان اور اہل اللہ کی صحبت اور معیت کے ساتھ، اس لئے اللہ کی رضامندی مانگو تو ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی مانگو کہ:

یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایمان صحیح نصیب فرما، ایمان کامل نصیب فرما، تقویٰ نصیب فرما، اپنے نیک اور مقبول بندوں کا دنیا اور آخرت میں ساتھ نصیب فرما، اور ان کے نقش قدم پر چلا۔

اللہ والوں کے ساتھ چلو گے تو اللہ تک ضرور پہنچو گے، بھائی جو راستہ جانتا ہو تم اس کے ساتھ ہو لیتے ہو، جب اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہو گے جب وہ پہنچے گا تو تم بھی پہنچ جاؤ گے، اس لئے کہ وہ راستہ جانتا ہے، اور تم جانتے نہیں، جب تم اس کے ساتھ چلے اور وہ تو راستہ جانتا تھا، وہ پہنچ گیا، تو تم بھی ساتھ پہنچ گئے، حالانکہ تم جانتے نہیں تھے۔

اہل اللہ کے ساتھ چلو گے، اللہ والے تو اللہ تک پہنچیں گے، مگر تمہیں بھی ساتھ لے کر کے پہنچیں گے، انشاء اللہ! اور یہی راز ہے: ”اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ.“ میں، کہ یا اللہ! ہمیں چلا سیدھی راہ پر یعنی راہ ان کی جن پر تو نے انعام کیا۔ اس میں صرف سیدھی راہ کی دعا نہیں سکھائی، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی راہ بتائی ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، جن حضرات پر

اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، جس راہ پر وہ چلے ہیں ان کی راہ پر چلو گے تو ممکن نہیں جہاں وہ پہنچے ہیں وہاں تم نہ پہنچو۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ اصل الاصول اور مقصد المقاصد، غایۃ الغایات آخری اور چوٹی کی چیز ہے اللہ کی رضا اور اسی کو فرمایا: "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ." اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے، اسی کو فرمایا ہے: "یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ." اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف لوٹ جا، "رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً" تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، "فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ." میرے بندوں میں داخل ہوجا، میری جنت میں داخل ہوجا، میرے بندے میری رضا کا مورد ہیں اور میری جنت میری رضا کا محل ہے۔

عافیت مانگیئے:

اور تیسری چیز عافیت ہے، جس کی نشاندہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، عافیت کا معنی ہے مکروہ اور ناپسندیدہ چیزوں سے حفاظت، جیسے مصیبتیں، بیماریاں، دکھ درد، پریشانیاں اور رنجش وغیرہ یہ ساری چیزیں جو انسان کو ناگوار گزرتی ہیں، ان سے بچالینا اس کو عافیت کہتے ہیں، اور پھر عافیت کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی کسی تکلیف میں مبتلا ہوگیا ہو اور اللہ سے یہ مانگے کہ یا اللہ! مجھے تکلیف سے نجات عطا فرما۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی تکلیف اور کسی مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگے کہ یا اللہ! مجھے اس تکلیف سے بچانا اور اس سے حفاظت فرمانا، حدیث میں ہے: "اَلَا مِنْ مُّبْتَلًی فَاُعَافِیَہٗ." کیا ہے کوئی مبتلا کہ میں اس کو عافیت دوں، معلوم ہوا کہ جو شخص کسی مصیبت میں، کسی تکلیف، کسی رنج میں مبتلا ہو چکا ہے وہ بھی مایوس نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگے، اللہ تعالیٰ اس کو عافیت

عطا فرمائیں گے، اور اس کے ساتھ جو مصائب ابھی نازل نہیں ہوئے ان سب سے اجمالی طور پر عافیت مانگے، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لو کہ یا اللہ! میں فلاں فتنے سے تیری پناہ، اور فلاں فلاں مصیبتوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں، سب سے اللہ کی پناہ میں آجاؤ، سب سے بڑی دولت اللہ کی رضامندی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عافیت ہے، یہ رضا اور عافیت دو چیزیں جس کو مل گئیں تو سب کچھ مل گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"سَلُو اللّٰہَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ. فَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُعْطَ بَعْدَ الْیَقِیْنِ خَیْرًا مِّنَ الْعَافِیَۃِ." (کنز العمال ج:۲ حدیث:۳۲۰۹)

یعنی اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو! اس لئے کہ ایمان و یقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں جس کو آدمی مانگے۔

جن پریشانیوں میں ہم مبتلا ہیں، ان سے بھی اور جن پریشانیوں میں مبتلا ہوسکتے ہیں ان سے بھی، بس انہی معروضات پر ختم کرتا ہوں، آپ حضرات دعا فرمائیں حق تعالیٰ شانہ ہمیں ایمان صحیح نصیب فرمائے، اپنی رضا نصیب فرمائے، ہماری بخشش فرمائے، اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو کچھ عطا فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے جو کچھ مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں سب کچھ نصیب فرمائے، آمین!

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

۱۲/ربیع الاول

اور اس کے تقاضے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

جلسہ سیرت کے آداب:

آج کل ربیع الاول کے مہینے میں عام طور پر سیرت کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک سراپا خیر و برکت ہے، اس کے لئے کسی زمان و مکان کی تخصیص نہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ آدابِ عظمت کو شدت کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے، مثلاً:

۱:......سیرتِ طیبہ کو عملاً اپنایا جائے:

سیرت مبارکہ کے تذکرے سے اصل مقصود یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و آداب کا تتبع کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو عملاً اپنایا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی پیروی کی جائے، کیونکہ دنیا و آخرت کی تمام سعادتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے وابستہ ہیں۔

۲:......آپؐ کے کمالات کو اجاگر کیا جائے:

سیرت مبارکہ کے تذکرے میں اصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اجاگر کئے جائیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خشیت وتقویٰ، اخلاص و للّٰہیت اور عبدیت وتعلق مع اللہ کی کیفیت کیا تھی؟ فرائض وعبادات کا کتنا اہتمام تھا؟ دعوت الی اللہ کا کیا جذبہ تھا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت وتزکیہ کیسے فرماتے تھے؟ دنیا سے زہد و بے رغبتی کا کیا عالم تھا؟ بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا کس قدر اہتمام تھا؟ الغرض دین کے تمام شعبے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہی کے مختلف پہلو ہیں۔

۳:......سیرت کے جلسوں کو منکرات سے پاک رکھا جائے:

سیرت طیبہ کے جلسوں کو ہر قسم کے منکرات سے پاک رکھا جائے۔ مثلاً: غلط سلط روایات و حکایات کا بیان کرنا، بے مقصد چراغاں کرنا، مردوں اور عورتوں کا اختلاط، عورتوں کا سیرت طیبہ کے جلسوں میں تقریریں کرنا، بے ریش اور فاسق لوگوں کا غلط سلط نظمیں پڑھنا، شرکائے جلسہ کا نمازیں قضا کردینا، یہ اور اس قسم کی بیسیوں باتیں ایسی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ناپسندیدہ اور مبغوض ہیں، مگر آج کل ان کا ارتکاب کیا جاتا ہے، جو نیکی برباد، گناہ لازم کا مصداق ہیں۔

۴:......جعلی اور مصنوعی سوانگ نہ رچائے جائیں:

سیرت کانفرنسوں کے علاوہ آج کل ''جشن میلاد'' یا ''عید میلاد'' کے نام پر بہت سی قباحتوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، بازاروں اور دکانوں پر چراغاں کیا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ اور بیت اللہ شریف کی شبیہیں بنائی جاتی ہیں، ان پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے، اور طواف کئے جاتے ہیں، جلوس نکالے جاتے ہیں، یہ ساری چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت کے نام پر کی جاتی

ہیں، لیکن ذرا بھی غور و تأمل سے کام لیا جائے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ محبت کا صحیح طریقہ نہیں، مثلاً روضۂ مطہرہ کی شبیہ بنا کر اس کے ساتھ روضۂ شریف کا سا معاملہ کرنا، اسی طرح بیت اللہ کی شبیہ بنا کر اس سے سچ مچ بیت اللہ کا سا برتاؤ کرنا، بہت ہی توہین آمیز اور نازیبا حرکت ہے، کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی ہے وہ محض جعلی اور مصنوعی ہے، جسے آج بنایا جاتا ہے اور دوسرے دن توڑ پھوڑ دیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس مصنوعی بناوٹ میں اصل روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر و برکت منتقل نہیں ہوتی، اور خود اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے اس سوانگ میں واقعتاً کسی درجہ کا تقدس نہیں پیدا ہوجاتا، پس جب اس میں اصل کا کوئی تقدس اور کوئی برکت پیدا نہیں ہوتی تو اس کے عبث اور لغو ہونے میں کیا شک ہے؟ اور ایک لغو چیز کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ کا اور بیت اللہ شریف کا سا معاملہ کرنا کس قدر ناشائستہ اور توہین آمیز حرکت ہے۔

۴:......۱۲ وفات کو جشن نہ منایا جائے:

۱۲؍ربیع الاول کو ''جشن میلاد'' اور عید منانا بھی بہت تعجب انگیز چیز ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں تو مؤرخین کا اختلاف ہے، بعض ۹؍ربیع الاول بتاتے ہیں، بعض ۸؍اور بعض نے ۱۲؍ربیع الاول مشہور کر رکھی ہے، لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات ۱۲؍ربیع الاول ہے، اگر ۱۲؍ربیع الاول کو تاریخ ولادت بھی تسلیم کرلیا جائے تو گویا یہ تاریخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت بھی ہے اور یہی تاریخ وفات بھی، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن کو جشن عید کا دن بنالینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی محبّ اور عاشق کا کام ہوسکتا ہے؟

صفر کا آخری بدھ:

مسلمانوں کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ صفر کے آخری بدھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری کا آغاز ہوا تھا، اور ۱۲؍ربیع الاول کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دشمن نے صفر کے آخری بدھ کو "جشن کا دن" بنانے کے لئے یہ مشہور کردیا کہ آخری بدھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیماری سے صحت یاب ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل صحت فرمایا تھا، حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات کو جشن کا دن بنانے کے لئے یہ مشہور کردیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت ہے، حالانکہ محققین کے نزدیک یہ بھی غلط ہے، لیکن دشمن کی سازش کامیاب نکلی، اب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے آغاز پر مٹھائی تقسیم کرکے خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور ۱۲؍ربیع الاول کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جشن منایا جاتا ہے، اور اس کا نام "جشن عید میلاد" رکھا گیا ہے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وصال کو خوشی کا دن باور کرانا اور اس دن جشن منانا کسی بدترین دشمن کا کام ہوسکتا ہے، جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بھی تعلق ومحبت ہو وہ ایسی حرکت کبھی نہیں کرسکتا، لیکن شیطان نے مسلمانوں کو ایسی پٹی پڑھائی کہ یہ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یوم مرض اور یوم وفات کو خوشی کرتے اور جشن مناتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

اللہ تعالیٰ امت کے حال پر رحم فرمائے۔
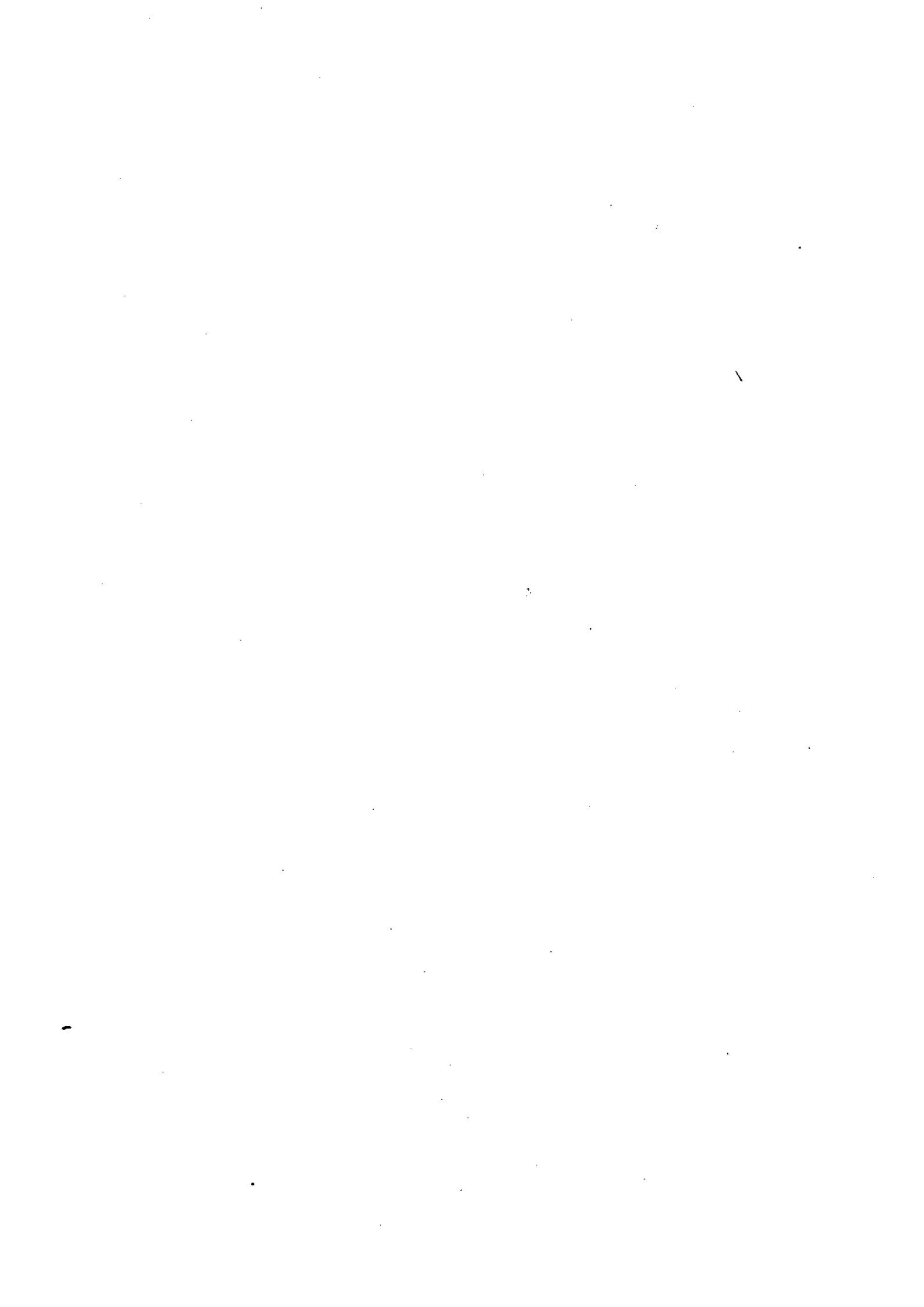
حضورؐ کے سفرِ حج کی تفصیلات

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

حجۃ الوداع کا سفر:

”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَکَثَ بِالْمَدِیْنَۃِ تِسْعَ سِنِیْنَ لَمْ یَحُجَّ، ثُمَّ اَذَّنَ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ فِی الْعَاشِرَۃِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ بَشَرٌ کَثِیْرٌ فَخَرَجْنَا مَعَہٗ حَتّٰی اِذَا اَتَیْنَا ذَاالْحُلَیْفَۃِ فَوَلَدَتْ اَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَیْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِیْ بَکْرٍ فَاَرْسَلَتْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَصْنَعُ؟ قَالَ: اِغْتَسِلِیْ وَاسْتَثْفِرِیْ بِثَوْبٍ وَاَحْرِمِیْ ..... الخ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۲۴)

ترجمہ:...... ”حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نو سال تک مدینہ منورہ

میں رہے اور حج نہیں کیا، پھر دسویں سال آپؐ نے حج کا اعلان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج پر تشریف لے جارہے ہیں، پس مدینہ منورہ میں بے شمار لوگ جمع ہوگئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ تک پہنچے، تو اسماءؓ بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ہاں محمد بن ابی بکر کی ولادت ہوئی، تو حضرت اسماؓ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیج کر مسئلہ معلوم کرایا کہ میں اب کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو غسل کرلے اور ایک چوڑا کپڑا لے کر اس میں روئی رکھ کر اس کا لنگوٹ پہن لے اور احرام باندھ لے۔"

اس حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا ابتدائی حصہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نو سال مدینہ طیبہ میں رہے اور حج نہیں کیا، دسویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لے جارہے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان سن کر گرد و پیش کے اور نامعلوم کہاں کہاں کے لوگ جمع ہوگئے، مدینہ طیبہ میں بے شمار مخلوق جمع ہوگئی، ذیقعدہ کے پانچ دن رہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر فرمایا، مدینہ شریف میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور "ذوالحلیفہ" پہنچے، جو مدینے والوں کی میقات ہے، وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں، اور رات بھی وہاں قیام کیا۔

آپؐ کا احرام سے پہلے ازواجِ مطہراتؓ کے پاس جانا:

اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فارغ ہوئے، حضرت ابی رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

روایت ہے کہ:

"قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ یَوْمٍ عَلٰی نِسَائِہٖ یَغْتَسِلُ عِنْدَ ہٰذِہٖ وَعِنْدَ ہٰذِہٖ، قَالَ فَقُلْتُ لَہٗ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَلَا تَجْعَلُہٗ غُسْلًا وَّاحِدًا اٰخِرًا؟ قَالَ: ہٰذَا اَزْکٰی وَاَطْیَبُ وَاَطْہَرُ." (مشکوٰۃ ص:۵۰)

ترجمہ:...... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے، ہر ایک کے پاس غسل کرتے تھے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک ہی غسل کرلیتے کافی تھا، فرمایا: نہیں! یہ زیادہ پاکیزہ ہے اور زیادہ نشاط کی چیز ہے۔"

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو ازواج مطہرات تھیں، اور نو کے پاس تشریف لے گئے اور نو کی نو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیق سفر تھیں۔

ازواج مطہراتؓ کو نصیحت:

حج ادا کرلینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے) ارشاد فرمایا تھا کہ: بس یہ حج کرلیا اور اس کے بعد اپنے گھروں میں چٹائی کی طرح بیٹھ جانا۔

چنانچہ بعض ازواج مطہرات نے اس پر عمل کیا اور بعض ازواج مطہرات آپؐ کے بعد بھی حج کرتی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں، یہ حضرات ان کے ساتھ کسی معتمد آدمی کو کردیتے تھے، جو ان کی نگہداشت کرتا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

یہ اعلان سن کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج پر تشریف لے جارہے ہیں، مدینے میں بے شمار لوگ جمع ہوگئے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "ذو الحلیفه" پہنچے، "ذو الحلیفه" کو آج کل بیر علی بھی کہتے ہیں اور یہ مدینے والوں کی میقات ہے، اور مدینے سے چھ میل پر ہے، جب کہ مکہ مکرمہ کا چار سو کلومیٹر کا فاصلہ ہے، مدینے والوں کے لئے یہ لمبی میقات رکھی گئی ہے، دوسروں کے لئے نہیں۔

محمد بن ابی بکر کی ولادت:

اللہ کی شان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "ذو الحلیفه" پہنچے تو حضرت اسماءؓ بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں بچہ پیدا ہوا، اس حج میں سفر کے دوران محمد ابن ابی بکر پیدا ہوئے، اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، اسماءؓ بنت عمیسؓ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کرلیا تھا، اور یہ محمد ابن ابی بکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں پلے بڑھے، بڑے ہوکر انہیں کے ساتھ رہے، اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں مصر میں ان کو بری طرح شہید کردیا گیا، ان کی والدہ اس وقت زندہ تھیں، پہلے ان کو شہید کیا گیا اور پھر گدھے کی کھال میں لپیٹ کر آگ لگائی گئی تھی، نعوذ باللہ! حضرت اسماءؓ بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا پتہ چلا تو صدمہ کی وجہ سے ان کی چھاتیوں سے خون نکلنے لگا۔

حیض اور نفاس والی عورت کا احرام:

بہرکیف اسی سفر کے دوران "ذو الحلیفه" میں حضرت محمد ابن ابی بکرؓ کی ولادت ہوئی، تو حضرت اسماءؓ بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کرایا کہ میں اب کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تو غسل کرلے اور ایک چوڑا کپڑا لے کرکے، پٹی ذرا چوڑی ہو، اس میں روئی رکھ

کر کے اس کا لنگوٹ پہن لے اور تلبیہ پڑھتی رہے، جب پاک ہوجائے گی تو ارکان حج ادا کرلے گی، باقی ارکان حج تو ادا ہوجائیں گے، صرف بیت اللہ شریف کا طواف رہ جائے گا، اگر خدانخواستہ پہلے پاک نہ ہوئی، تو پاک ہونے تک انتظار کر لینا، بس اور کچھ نہیں، بہرحال جب آنحضرت صلیٰ اللہ علیہ وسلم چلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری بیدأ پر چڑھی، تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ پڑھا: "لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ."

آپؐ نے تلبیہ کہاں سے شروع کیا؟

حج کے بیان میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ کہاں سے پڑھا تھا، اس روایت میں آتا ہے کہ جب آپ کی سواری آپ کو لے کر بیدأ پہاڑی پر چڑھی تب آپ نے تلبیہ پڑھا، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ جب آپ سواری پر سوار ہوئے، اس وقت تلبیہ پڑھا، اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپؐ نے بیر علی سے احرام باندھا تھا، اب تو وہاں بہت شاندار مسجد بن گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی کچی پکی مسجد ہوگی، تو وہاں آپ نے احرام باندھا تھا، تلبیہ پڑھا تھا، صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے بھی تلبیہ پڑھا، جب احرام باندھا اور جب سواری پر سوار ہوئے جب بھی تلبیہ پڑھا، اور جب آپؐ کی سواری اونچائی پر چڑھی یعنی بیدأ پہاڑی پر چڑھی، اس وقت بھی آپؐ نے تلبیہ پڑھا، اس لئے جس نے جو کچھ دیکھا وہ بیان کردیا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ کے الفاظ تو یہ تھے، لیکن بعض لوگ کچھ الفاظ زیادہ بھی کررہے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کچھ نہیں کہا، حنفیہ کے نزدیک افضل ترین یہ ہے کہ یہی الفاظ پڑھے جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھے تھے، تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

"لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ، وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِیْکَ لَکَ."

حج میں تلبیہ کی کثرت:

ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

"اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْحَجِّ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ." (ترمذی ج:۱ ص:۱۰۲)

ترجمہ:...... "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا حج افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حج نام ہے آواز بلند کرنے کا اور خون بہانے کا۔"

یعنی جتنی کثرت سے تلبیہ پڑھا جائے، اتنا ہی اچھا ہے، اور قربانیاں کی جائیں، لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ گپوں میں مشغول ہوجاتے ہیں، تلبیہ کا اہتمام نہیں کرتے، اب میں ویسے ہی کمزور ہوں، دماغ کمزور ہے، زیادہ تلبیہ پڑھ بھی نہیں سکتا، اور اچھے خاصے نوجوان وہ بھی گپوں میں لگ جاتے ہیں، سگریٹ پیتے ہیں اور دوسری چیزیں کرتے ہیں، مذاق کرتے ہیں، اور ماشاءاللہ! یہ حج کے لئے جارہے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے دیکھا تو جہاں تک نظر پہنچتی تھی آدمی ہی آدمی تھے، دائیں جانب بھی، بائیں جانب بھی، پیچھے بھی، اتنا مجمع بڑھ گیا کہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کتنے آدمی ہیں؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے تھے، اور نو ذی الحجہ کو عرفات میں گئے تھے، نو ذی الحجہ کو جمعہ کا دن تھا، اور یہ جمعہ کا حج تھا، لیکن اس وقت تک لوگ آتے ہی رہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ تعداد کتنی ہوگئی تھی، قریباً

سوا لاکھ آدمی ہو گئے ہوں گے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے، قرآن آپ پر نازل ہوتا تھا، اور آپ قرآن پر عمل کرتے تھے، اور جو کچھ آپ عمل کرتے تھے، ہم لوگ اس کو دیکھ کر، اس کے مطابق عمل کرتے تھے، آگے لمبی حدیث ہے، صحیح مسلم شریف میں یہ حدیث تین صفحے کی ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کا یہاں تو صرف ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔

جابر ازرک کا قصہ:

حج ہی کا ایک اور قصہ ایک صاحب سے نقل کیا گیا ہے، جابر ازرک غادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، سواری پر دوسرا سامان بھی ساتھ تھا، میں نے انتظام کرلیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا ہے، بیچارے یمن سے آئے ہوئے تھے، چنانچہ ایک جگہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نزول اجلال فرمایا، اور آپ کے لئے ایک قبہ یعنی خیمہ تیار کروایا گیا، تیس آدمی آپ کے قبے کا پہرا دے رہے تھے، اور کوئی مجھے قریب نہیں آنے دیتا تھا، میں قریب ہوا تو ایک آدمی نے مجھے دھکا دیا، میں نے کہا کہ تم مجھے دھکا دیتے ہو، تو میں تمہیں دھکا دوں گا، اور تم مجھے مارو گے، تو میں تمہیں ماروں گا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا ہوں، اور تم مجھے آپؐ کے پاس جانے نہیں دیتے، پتہ ہے میں یمن سے آیا ہوں؟ اور میں یہ چاہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنوں، اور سن کر کے اپنے لوگوں کو پہنچاؤں، تو ایک آدمی ان میں سے کہنے لگا کہ تم ٹھیک کہتے ہو، اس نے معذرت کی اور کہا کہ بھئی یہ ہماری غلطی ہے، ہمیں کسی کو روکنا نہیں چاہئے، بہرحال وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات گزاری، یہاں تک کہ آپ مزدلفہ میں پہنچ گئے، مزدلفہ سے منیٰ پہنچے، منیٰ سے آپ جمرہ عقبیٰ میں پہنچے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد اتنا مجمع ہو گیا کہ ان

میں سے کوئی آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات کر ہی نہیں سکتا تھا۔

حلق کرانا افضل ہے:

ایک شخص حاضر ہوا، بال کترائے ہوئے تھے، کہنے لگا: یا رسول اللہ! میرے لئے رحمت کی دعا کیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رحم اللہ المحلقین" اللہ تعالیٰ حلق کرنے والوں پر رحم فرمائے، دوسری دفعہ پھر کہا، پھر آپ نے یہی فرمایا، تیسری دفعہ پھر فرمایا، تو یہ جابر ابن ازرک کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس پورے مجمع میں میں نے سوائے حلق والوں کے کسی کو نہیں دیکھا، تمام لوگ حلق کروائے ہوئے تھے۔

آپؐ کے بال:

البتہ یہاں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں، ایک تو یہ کہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہوتے تھے، کبھی کانوں کی لو تک، کبھی اصلاح کرنے میں دیر ہوجاتی تھی تو نیچے بھی پہنچ جاتے تھے، یعنی کندھوں تک بھی پہنچ جاتے تھے، ورنہ اصل کانوں کی لو تک ہوتے تھے، سوائے حج اور عمرے کے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حلق نہیں کروایا۔

دوسری بات یہ کہ شریعت نے قصر کی بھی اجازت دی ہے اور حلق کی بھی، اگر اتنے اتنے بال ہوں یعنی ایک پورے کے مطابق بال ہوں تو ان بالوں کو کٹوا سکتا ہے، اور اس سے احرام کھل سکتا ہے، اور اگر بال اس سے بھی کم ہوں تو پھر استرا پھیرانا ضروری ہے۔

اور تیسری بات یہ کہ لوگ حج یا عمرے کے لئے جاتے ہیں، تھوڑے تھوڑے بال کاٹ لیتے ہیں، کچھ ادھر سے، اور کچھ ادھر سے، اور بس، پورے سر کے بال کٹوانے اور منڈوانے سے احتراز کرتے ہیں۔

ایک کرنل صاحب قصہ:

ایک کرنل صاحب عمرے پر گئے ہوئے تھے، میں حرم شریف میں بیٹھا ہوا تھا، ایک صاحب ان کو لائے، کہنے لگے کہ: ان کو سمجھایئے! انہوں نے تھوڑے بال کاٹ لئے ہیں، یعنی معمولی معمولی، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ کانوں کی لوتک موئے مبارک ہوتے تھے، لیکن حج یا عمرے کے موقع پر استرے کے ساتھ صاف کرواتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: "رحم اللہ المحلقین" اللہ کی رحمت ہو حلق کرنے والوں پر، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! قصر کروانے والوں کے لئے بھی دعا فرمادیجئے، تین دفعہ یہی فرمایا: "رحم اللہ المحلقین" صحابہؓ فرماتے اور مقصرین یارسول اللہ! آپ فرماتے: "محلقین" حلق کرانے والوں پر، صحابہ کہتے یارسول اللہ! قصر کرنے والوں کے لئے بھی دعا فرمادیجئے، چوتھی دفعہ فرمایا: "والمقصرین" چلو مقصرین پر بھی، یعنی "رحم اللہ المحلقین" کے بجائے "رحم اللہ المقصرین" فرمایا، تو وہ کرنل صاحب آئے، اور انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی پاکستان ہے، میں نے ان کو سمجھایا کہ نہیں بھائی! حلق کرالینا افضل ہے، بہت متانت کے ساتھ کہا کہ حلق کروالینا افضل ہے، دیکھو نا ہم کتنی مسافت طے کر کے آئے ہیں، اللہ کے گھر پر آئے ہیں، تو یہ معمولی چیز ہے؟ یہ گھر کی کھیتی ہے، یہ پھر ہو جائے گی، تو وہ مجھے کہنے لگے کہ: "اسلام میں اتنی تنگی نہیں ہے۔"

یہ شیطان نے ہمیں تلقین کردی ہے کہ اسلام میں تنگی نہیں ہے، جو بھی کرو، بس اسلام میں تنگی نہیں ہے، اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں بھی مزاج کا تیز ہوں، میں نے کہا مرزا غالب کا شعر ہے:

ہاں! ہاں! نہیں وفا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی!
جس کو ہو جان و دل عزیز، اس کی گلی میں جائے کیوں؟

میں نے کرنل صاحب سے کہا آپ کو کس نے کہا تھا کہ یہاں تشریف لائیں؟ کس نے دعوت دی تھی آپ کو؟ چپ کر کے چلا گیا۔

صحابہؓ کا علوم نبوت میں حرص:

اس معاملے میں لوگ بہت گھپلا کرتے ہیں، اللہ کے بندو! تم اتنا روپیہ خرچ کر کے جاتے ہو، اتنا سفر کر کے جاتے ہو، اور جا کر کے وہاں صرف گپیں رہ گئی ہیں، تبدیلی کوئی نہیں آئی، جیسے تھے ویسے ہی آئے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جہاد پر جاتے تھے تو پیچھے اپنے آدمیوں کو کہہ جاتے تھے، یعنی اپنے حلقے کے دو تین آدمیوں کو تلقین کر جاتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری غیر موجودگی میں جو باتیں ارشاد فرمائیں گے، ان کو اچھی طرح محفوظ کر رکھو اور ہمارے واپس آنے کے بعد ان کو ہم سے بیان کرو۔

اصحابِ صفہ اور تعلیم قرآن کا شوق:

اصحاب صفہ میں ستر آدمی تھے، تعداد ان کی کبھی زیادہ ہوجاتی تھی، کبھی کم ہوجاتی تھی، اس وقت ستر آدمی تھے، رات کا وقت ہوتا تو ایک ایک آدمی کے پاس جا کر وہ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے، اور بعض تو ساری رات ہی لگے رہتے تھے، پھر ان میں سے دن کو کچھ لوگ لکڑیاں اکٹھی کر کے لاتے، اور ان کو بیچ کر اپنی روٹی چلاتے، کچھ زیادہ ہمت والے تھے، تو بکری ذبح کر لیتے، اور اس کے ٹکڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بھی لٹکا دیتے، ان میں سے کچھ میٹھا پانی لینے کے لئے جاتے، اور انہی اصحابِ صفہ میں سے حضرت خبیبؓ بھی تھے، جنہیں کفار نے پکڑ لیا تھا، اور مکہ مکرمہ میں ان کو شہید کیا تھا، سولی پر چڑھایا تھا۔

صحیح بخاری میں تفصیل سے پورا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، حضرت خبیبؓ نے شہادت سے پہلے یہ اشعار پڑھے تھے:

مَا اِنَّ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا

عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ

وَذَالِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَاِنْ یَّشَأْ
یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ
(صحیح بخاری ج:۲ ص:۵۸۶)

ترجمہ:......''مجھے پروا نہیں ہے جب کہ مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جائے، کہ میں کس کروٹ پر گرتا ہوں۔

یہ محض اللہ کی خاطر ہے، وہ اگر چاہے تو بوسیدہ ہڈیوں میں بھی برکت ڈال سکتا ہے۔''

یہ ان کی کرامت ظاہر ہوئی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کو ان پر بھیج دیا، اور کافر ان کی لاش کی بے حرمتی نہیں کرسکے، ان کا بڑا لمبا واقعہ ہے۔

ستر قراءؓ کی شہادت کا سانحہ:

صحیح بخاری کی روایت میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور دھوکا دہی کے طور پر کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھیجئے، جو ہمیں کتاب وسنت کی تعلیم دیں، مقصد دھوکا دینا تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ستر آدمی کردیئے، ان کو قراءؓ کہا جاتا تھا، اور آگے جاکر کے انہوں نے، ان تمام صحابہ کو شہید کردیا، ایک آدمی بھی نہیں بچا، صحابہ کرامؓ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اب ہماری خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تو کوئی پہنچانے والا نہیں ہے، آپ ہی ہماری خبر ان کو پہنچادیجئے، اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی شہادت کی خبر پہنچادی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خبر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دی، اور انہیں میں حضرت حرام ابن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا کا قصہ بھی پیش آیا کہ ایک آدمی پیچھے سے آیا، اس نے آکر ان کو تیر مارا، جو آر پار ہوگیا، اور یہ وہاں گرگئے،

انہوں نے شہادت سے قبل کہا: "فزت ورب الکعبۃ" رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شہید ہونے پر جتنا صدمہ ہوا، ہم نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا صدمہ نہیں دیکھا۔

حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی کا قصہ:

صحیح بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا قیام بھی عوالی میں تھا، یعنی مدینہ کا بالائی حصہ، مدینے سے فاصلے پر کچھ بستیاں تھیں، ان کو عوالی کہا جاتا تھا، وہاں میرا بھی قیام تھا، اور ہم نے باری باندھی ہوئی تھی، ایک دن میں اپنے ساتھی کا کام کرتا تھا، اور ان کے اونٹ وغیرہ چراتا تھا، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اگر کوئی خبر ہوتی تو مجھے بتا دیتے، کوئی حدیث سنی ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، وہ مجھے آکر کے بتاتے، اور دوسرے دن میں جاتا تھا، ان کو بتاتا تھا، ایک دن شام کے وقت وہ میرے ساتھی آئے، اور میرا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا، میں چادر گھسیٹتے ہوئے گھر سے نکلا، اور کہنے لگے بہت بڑا حادثہ پیش آگیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان دنوں ہمارے یہاں شہرت تھی کہ ملک شام کا حاکم ہرقل مدینے پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے، تو میں نے کہا کہ کیا ہرقل نے چڑھائی کردی ہے؟ وہ صاحب کہنے لگے کہ اس سے بھی بڑا واقعہ ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔

حضورؐ کے ایلا کا قصہ:

ایسا ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے، مستورات بے چاری کمزور تو ہوتی ہیں، انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائیں گے، تو تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مانگنا، میں یہ مانگوں گی، فلاں یہ مانگے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظرف تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم تشریف لائے، تمام ازواج مطہرات آپ کے گرد جمع ہوگئیں، اور اپنے مطالبات پیش کردیئے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سال بھر کا خرچ دے دیتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات سے الگ بالا خانے میں تشریف لے گئے، ان کو کچھ نہیں کہا، بالکل خاموش بیٹھے رہے، اور لوگوں میں یہ مشہور ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب میرے ساتھی نے مجھے آکر بتایا تو مجھے اپنی لڑکی پر غصہ آیا، میں گیا وہ بیٹھی رو رہی تھیں، تمام ازواج مطہرات بیٹھی رو رہی تھیں، میں اپنی بیٹی کے پاس گیا، میں نے کہا کہ اب تم کیوں رو رہی ہو؟ یہ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں طلاق دے دی ہے؟ فرمانے لگیں مجھے معلوم نہیں، بہت لمبا قصہ ہے، تین دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالا خانے پر گئے، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اور ایک خادم پہرا دے رہا تھا، اور اندر جانے کی اجازت مانگی، جب تین دفعہ لوٹے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت ہوئی فرماتے ہیں: پہلی بات میں نے یہ پوچھی کہ آپؐ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے؟ فرمایا: نہیں تو! عرض کیا: لوگوں میں میں اعلان کردوں؟ فرمایا: کردو! تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہیں سے اعلان کردیا ۔۔۔ لمبا قصہ ہے۔ بس اسی پر ختم کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مدرسہ کے چار بنیادی اصول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''۲/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ بمطابق ۹/اگست ۱۹۹۴ء
بروز منگل جامعۃ الامام محمد زکریا مہاجر مدنی بریڈفورڈ برطانیہ، میں ظہر کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ کا بیان ہوا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے قارئین کی خدمت میں پیش کردیا جائے۔

یاد رہے کہ یہ جامعہ یکم رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء میں قائم ہوئی، یہ صرف طالبات کے لئے رہائشی مدرسہ ہے، یورپ اور امریکہ میں دینی تعلیم کے اعتبار سے لڑکیوں کا یہ پہلا دارالعلوم ہے، اس کے مہتمم و بانی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا یوسف متالا ہیں، اور حضرت شیخ الحدیث کی نسبت سے ہی اس کا نام ''جامعۃ الامام محمد زکریا مہاجر مدنی'' رکھا گیا ہے، اور یہ جامعہ دارالعلوم ہولکمب ہال (بری) کی شاخ ہے۔.................(منظور احمد الحسینی)

مدرسہ کس چیز کا نام ہے؟ مدرسہ کا موضوع کیا ہے؟ اور اس کا مقصد یا اس کی غایت کیا ہونی چاہئے؟ مدرسہ عام طور سے عمارتوں کو کہا جاتا ہے کہ یہ مدرسہ ہے، لیکن مدرسہ صرف تعمیرات یا جگہ کا نام نہیں، بلکہ مدرسہ کے چار ارکان ہیں:

پہلا رکن:

سب سے پہلے جگہ، جہاں تعلیم دی جاتی ہے، جگہ نہ ہو تو کہاں بیٹھ کر تعلیم دیں گے؟ یہ جگہ عام ہے کہ اچھی خاصی بلڈنگ ہو، یا کوئی درخت کا سایہ ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد نبوی تعمیر فرمائی تھی تو وہاں ایک صفہ (چبوترہ) بنادیا تھا، اور وہی اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ ہے، جگہ ہونی چاہئے، جگہ اچھی بھی ہوسکتی ہے، اور ظاہر کے اعتبار سے کمزور بھی ہوسکتی ہے۔

اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ ''صفہ'' سے شروع ہوا اور دارالعلوم دیوبند جس کی پورے عالم میں شاخیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ انار کے درخت کے نیچے شروع ہوا، اچھی سے اچھی سہولتوں والی جگہ اللہ تعالیٰ عطا فرمائے، الحمدللہ، ورنہ مدرسہ تعمیرات پر موقوف نہیں ہے۔

دوسرا رکن:

مدرسہ کا دوسرا رکن ہے پڑھنے والے طلبہ اور طالبات، حقیقت میں یہی مدرسہ کی جان ہوتی ہے، انہی کے لئے مدرسہ قائم کیا جاتا ہے، انہی کے لئے اساتذہ کو زحمت دی جاتی ہے، انہی کے لئے انتظام کرنے والوں کو انتظامات کرنے پڑتے ہیں، تو اصل روح رواں یہ پڑھنے والے حضرات ہیں، اور باقی یوں سمجھئے کہ سب ان کے خدام ہیں۔

تیسرا رکن:

تیسرا رکن ہے حضرات اساتذہ کرام! جو طالب علموں کو تعلیم و درس دیتے ہیں۔

چوتھا رکن:

اور مدرسہ کا چوتھا رکن ہے مدرسہ کی انتظامیہ، جس میں مدرسہ کے معاونین بھی شامل ہیں، اور بچوں اور بچیوں کے والدین جو اس مدرسہ کو آباد کرنے کے لئے یا اس سے نفع اٹھانے کے لئے اپنے بچوں کو بھیجتے ہیں، وہ سب بھی اس کے رکن ہیں۔

یہ مدرسہ کے چار ارکان ہیں، اور ان چاروں کے معیاری یا غیر معیاری ہونے کا نام مدرسہ کا معیاری یا غیر معیاری ہونا ہے، اساتذہ کیسے ہیں؟ کتنی اعلیٰ قابلیت کے مالک ہیں؟ کتنے متقی اور پرہیزگار ہیں؟ کتنے شفیق اور ہمدرد ہیں؟ کتنے مخلص اور خدا پرست ہیں؟ کسی مدرسہ کے اساتذہ کی نوعیت جس قسم کی اعلیٰ ہوگی، اتنا مدرسہ اونچا سمجھا جائے گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ اپنے والد کا ارشاد نقل کرتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے کہ جب شیخ الحدیث سے لے کر مدرسہ کے چپڑاسی تک سب کے سب صاحب نسبت بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ جس مدرسہ کے طلبہ، اس کے اساتذہ، حتیٰ کہ چپڑاسی تک صاحب نسبت ولی ہوں، اس مدرسہ کے کیا کہنے! ماشاءاللہ! اساتذہ کا اخلاق اور تدین، ان کا تقویٰ اور طہارت اور ان کا تعلق مع اللہ مدرسہ کو بہت اونچا لے جاتا ہے، اور جتنی اس میں کمی آتی جائے گی، اتنی مدرسہ میں کمی آتی جاتی ہے۔ عمارتیں موجود ہوتی ہیں، طالب علموں کی بھی فراوانی ہوتی ہے، سہولتوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہوتی، لیکن مدرسہ کے اندر وہ کشش اور وہ مقبولیت من جانب اللہ نہیں ہوتی، جب تک اساتذہ کا (روحانی طور پر) اتنا اونچا معیار نہ ہو، جہاں تک طالب علموں کا تعلق ہے، ان میں بھی یہی بات ہے، ایک مدرسہ کے طالب علم کس قدر محنتی ہیں؟ کتنے ذہین ہیں؟ اور اپنے مقصد سے کتنی لگن رکھنے والے ہیں؟ اس سے مدرسہ کی کارکردگی سمجھ آتی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ جب مدرسہ کے نتائج سامنے آتے ہیں تو ان میں درجات قائم ہوتے ہیں، یہ اول درجے کے طالب علم ہیں، یہ دوسرے درجے کے طالب علم ہیں، یہ تیسرے درجے کے ہیں، اور پھر یہ کامیاب ہیں اور یہ ناکام ہیں، یہ پاس ہیں اور یہ فیل ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ان کی محنت اور ذہانت پر موقوف ہوتا ہے، تو طالب علم طالب علمی کے دوران جتنی محنت سے کام لے گا، حق تعالیٰ شانہ اس میں اتنی برکت عطا فرمائیں گے۔

میرے شیخ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علمی کے زمانے میں طالب علم نہ کسی کا دوست ہوتا ہے نہ دشمن، یعنی اس کو کسی سے تعلق ہی نہیں، اس کو صرف اپنی کتابوں سے، اپنے درس سے اور اپنے مقرر کردہ فرائض سے تعلق ہوتا ہے اور کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

ایک اور چیز: یہ ہے کہ طالب علم میں جس قدر اساتذہ کا احترام، علم کا ادب، اہل علم کا ادب، تقویٰ اور طہارت پائی جائے گی، مستقبل میں حق تعالیٰ شانہ اس کو اتنے زیادہ نوازیں گے، یعنی فوری کامیابی: کہ یہ اول نمبر آیا، یہ دوم نمبر آیا ہے، یہ تو موقوف ہے محنت اور مجاہدے پر یا ذہانت پر، لیکن مستقبل میں اس کے علم کا نافع ہونا یا غیر نافع ہونا، امت کے لئے مفید ہونا یا غیر مفید ہونا، یہ موقوف ہے اس کی ان صلاحیتوں پر جن کو باطنی صلاحیتیں کہا جاتا ہے، یعنی تقویٰ، طہارت، تعلق مع اللہ اور ادب۔

ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں طالب علم فارغ ہوتے ہیں، خصوصاً ہمارے پاکستان میں سالانہ فارغ ہونے والوں کی تعداد دو ہزار کے لگ بھگ ہوگی مگر جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"عَنِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّمَا النَّاسُ كَاِبْلٍ مِائَةٍ، لَا تَجِدُ فِيْهَا

رَاحِلَةً. اَوْ قَالَ: لَا تَجِدُ فِيْهَا اِلَّا رَاحِلَةً."

(ترمذی ج:۲ ص:۱۱۰)

یعنی انسانوں کی مثال ایسی ہے جیسے سو اونٹوں کی قطار کہ اس میں سواری کے قابل صرف ایک ملے گا اور اب تو یہ شرح اور بھی نیچے گر گئی ہے، ہزار میں سے ایک نہیں ملے گا، پھر علم کی خاصیت یہ ہے کہ اگر یہ صالح ہو تو نفع دیتا ہے، اور اگر یہ صالح نہ ہو تو یہ نہیں کہ چلو بے فائدہ گیا، نہیں! بلکہ فساد کا موجب بنتا ہے، علم نافع نہ ہو تو مضر ہے، اور علم کے نافع ہونے کے لئے یہ شرطیں جو میں نے عرض کیں یعنی تقویٰ اور ادب، یہ مختصر تعبیر عرض کر رہا ہوں، حق تعالیٰ شانہ آپ کے اس جامعہ کو اور اس مدرسہ کو علم نافع کا مرکز بنائے اور یہاں پڑھنے والی تمام بچیوں کو حق تعالیٰ شانہ علم کی دولت اور علم کے زیور سے آراستہ فرمائے کہ ان کے وجود سے امت کو اور آنے والی نسلوں کو نفع عطا فرمائے۔

مدرسہ کا موضوع:

اب دوسری بات کہ مدرسہ کا موضوع کیا ہے؟ اس کے لئے کسی زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہے، مدرسہ کا موضوع ہے: "طالب علموں کی تربیت۔" ہماری مادر علمی دارالعلوم دیوبند، دوسرے جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں لیکن انگریز جانتا تھا کہ یہ انسانوں کی تربیت گاہ ہے، ہمارے پنجاب میں ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا، مدرسہ رشیدیہ، (اور اس کے اعداد و شمار بتلاؤں تو لمبی بات ہوجائے گی) کبھی کسی کی نظر میں جچتا نہیں ہوگا کہ قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان کے خلیفہ حافظ محمد صالحؒ نے یہ مدرسہ قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ ایک چھوٹی سی اور معمولی سی بستی میں قائم تھا، پندرہ پندرہ میل تک طالب علم روٹیاں مانگ کر کے لاتے تھے، میرے استاذ محترم جن سے میں نے قرآن مجید پڑھا، وہ وہاں کے پڑھے ہوئے تھے، وہ وہاں کے عجیب و غریب قصے بیان کیا

کرتے تھے، خیر برطانیہ کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے اس مدرسہ کا معائنہ کیا، اور وہاں جاکر واپسی میں رپورٹ درج کی کہ ہم نے چھوٹے سے ایک گاؤں میں مسلمانوں کا ایک مدرسہ دیکھا ہے جس میں اسلام کے پہلوان تیار کئے جاتے ہیں، اور اس قسم کے مدارس اگر پھیل گئے تو مسلمانوں کو اسلام سے کوئی طاقت برگشتہ نہیں کرسکتی۔

یہ ہمارے دینی مدارس، ان کے نام چاہے جو کچھ بھی ہوں، حقیقت میں یہ تربیت گاہیں ہیں، جہاں اسلام کے سپاہی تیار کئے جاتے ہیں، ابن ماجہ میں حدیث ہے:

"لَا يَزَالُ اللّٰهُ يَغْرُسُ فِيْ هٰذَا الدِّيْنِ غَرْسًا يَسْتَعْمِلُهُمْ فِيْ طَاعَتِهٖ" (ابن ماجہ ص:۳)

یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس دین میں پودے لگاتے رہیں گے۔ باغوں میں یہ ہوتا ہے کہ پرانے درخت اکھڑتے رہتے ہیں اور نئے نئے پودے لگتے رہتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ ہمیشہ اس گلشن دین میں پودے لگاتے رہیں گے، جن کو اپنی طاعت میں استعمال فرمائیں گے، ان سے کام لیں گے، "يَسْتَعْمِلُهُمْ" کے معنی ہیں ان سے کام لیں گے اپنی اطاعت کا اور اپنے دین کا۔

تو یہ دینی مدارس حقیقت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ ہیں اور یہ جتنے طلبہ یا طالبات زیر تعلیم ہیں، حقیقت میں یہ پنیری لگائی جارہی ہے، کل انشاءاللہ یہ بارآور درخت بنیں گے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی امت ان کے پھلوں سے سیراب ہوگی اور کتنی کتنی امت ان کے سایہ میں پناہ لے گی، تو یہ مدرسہ کا موضوع ہے، یعنی دین محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے انسان سازی کا کام، یعنی انسانوں کو تیار کرنا، اسی جذبے اور اسی مشن کے تحت اگر یہ دونوں فریق یعنی اساتذہ بھی اور طلبہ بھی محنت کریں گے تو انشاءاللہ یہ محنت بارآور ہوگی۔

مدارس کا مقصد:

اور اب تیسری بات کہ مدارس کے قیام کا ''مقصد'' کیا ہے؟ تو اس مقصد کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے: ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ.'' (بے شک ہم نے الذکر یعنی قرآن کریم کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔

ہمارے شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، صرف قرآن مجید کی حفاظت ہی نہیں بلکہ دین محمدی کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب قیامت تک محفوظ رہے گی۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کا کام انسانوں ہی سے لیں گے، کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں، لیکن اس دارالاسباب میں اللہ تعالیٰ حفاظت ونگہبانی کا کام بھی اپنے بندوں ہی سے لیں گے، اور میں نے ابن ماجہ کی حدیث ابھی بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ پودے لگاتے رہتے ہیں۔

تو مدارس کے قیام کا مقصد ہے دین قیم کی پاسبانی اور اس کی حفاظت، جہاں اللہ تعالیٰ نے ''الذکر'' کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے وہاں اس کے ضمن میں وہ تمام شعبے جو قرآن کریم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور دین سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی حفاظت کا بھی وعدہ فرمالیا ہے۔ گویا علم قرأۃ کی حفاظت بھی ہوگی، علم حدیث کی بھی حفاظت ہوگی، علم فقہ کی بھی حفاظت ہوگی، علم کلام کی بھی حفاظت ہوگی اور ساتھ کے ساتھ جتنے ان شعبوں میں کام کرنے والے افراد ہیں ان کی بھی حفاظت ہوگی، آپ حضرات کی حفاظت ونگہبانی بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔

تو ان مدارس دینیہ کا مقصد دین قیم کی حفاظت و پاسبانی ہے، اب یہ بھی

ایک مستقل شرح طلب چیز ہے کہ یہ پاسبانی کیسے ہوگی؟ خلاصہ یہ کہ علم بھی محفوظ رکھا جائے، اس کا عمل بھی محفوظ رکھا جائے، اس کی دعوت بھی جاری رہے اور لوگوں کو اس دین پر لانا بھی مقصود ہو، اور جس طرح جھاڑ جھنکار کھیت یا باغ میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور ان جھاڑیوں کی صفائی کر کے کھیت کی حفاظت کی جاتی ہے، اسی طرح اگر گلشن دین میں رسم و رواج یا بدعات کی جھاڑیاں پیدا ہوجائیں تو ہمارا فرض بنتا ہے کہ ان کا قلع قمع کر کے دین کے صاف چہرہ کو امت کے سامنے پیش کریں۔

یا بعض دفعہ درخت کی شاخیں بھی زیادہ لمبی ہوجاتی ہیں، ان کی کانٹ چھانٹ بھی ہوتی رہتی ہے تو جتنی بدعات دین میں جنم لیتی رہیں ان کی چھٹائی بھی ہوتی رہے، ان کی کانٹ چھانٹ بھی ہوتی رہے، ان ہمارے دینی مدارس کا ایک موضوع دنیا کے اعتبار سے خالص دین قیم کی پاسبانی ہے اور بس۔ خود دین پر عمل کرنا اور لوگوں کو دین کی دعوت دینا اور اس پر چلنے والوں کے لئے دین قیم کو صاف ستھرا کر کے پیش کرنا کہ اس میں کسی قسم کی کوئی کمی یا زیادتی نہ ہو، الحمدللہ! اس حفاظت کی برکت سے ہمارا دین آج بھی اسی طرح محفوظ ہے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اندر محفوظ تھا، آج یہ شرف حق تعالیٰ شانہ نے اس دین کو عطا فرمایا ہے اور حضرات علماءِ دین جن کو ورثۃ الانبیاء فرمایا ہے ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ کام لیا ہے۔

بہت ہی بڑی خوش قسمتی اور سعادت ہے ان لوگوں کی جن کو اللہ تعالیٰ کی اس فوج میں شامل اور بھرتی کرایا جائے۔

مدارس کی غرضِ اصلی:

اب آخری مقصد جو ہے وہ حق تعالیٰ شانہ کی رضا ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ علماء کے قلم کی روشنائی قیامت کے دن شہیدوں کے خون کے برابر تولی

جائے گی، ان کا مرتبہ کوئی کم نہیں ہے، شہید کا بہت بڑا مرتبہ ہے، شہیدوں کے بڑے عالی مقامات ہیں، لیکن جن لوگوں نے اس دین کے تعلیم و تعلّم، اس کے سیکھنے سکھانے، اس پر چلنے اور چلانے میں زندگیاں خرچ کیں، انشاءاللہ حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک ان کا مرتبہ بھی کچھ کم نہیں ہے، یہ ورثۃ الانبیاءؑ بھی انشاءاللہ انبیاءؑ کرام کے پیچھے پیچھے ہوں گے، اور یہ مرتبہ اس صورت میں حاصل ہوسکتا ہے (جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں) جبکہ خالص اللہ کی رضا مقصود ہو، نام ونمود درمیان میں نہ ہو، کوئی مادی منفعت درمیان میں نہ ہو، کوئی شہرت درمیان میں نہ ہو، بلکہ محض اور محض اللہ کی رضا کے لئے اس کام کو کیا جائے۔

حضرت مولانا بدرعالم میرٹھیؒ نے ''ترجمان السنۃ'' میں شرح مواہب سے ابونعیم کی معرفۃ الصحابۃ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازدی وفد کی گفتگو پر فرمایا:

''حُکَمَاءُ عُلَمَاءُ کَادُوْا مِنْ فِقْھِھِمْ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْبِیَاءَ.''(ترجمان السنہ ج:۱۰ ص:۵۵۸البدایہ والنہایہ ج:۵ ص:۴۹ اتحاف سادۃ المتقین ج:۹ ص:۶۴۹)

اتنے حکیم اور فقیہ لوگ ہیں کہ قریب تھا کہ اپنی فقہ کی وجہ سے نبی بن جائیں۔ یعنی اس امت کے حضرات حکماءؑ اور فقہاءؑ حضرات انبیاءؑ کرام علیہم السلام کے مشابہ ہیں، ان کے نقش قدم پر ہیں اور یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ جس کی کوئی مثال نہیں کیونکہ سب سے عالی مرتبت اور سب سے عالی منصب اس کائنات میں منصب نبوت ہے، جو حضرات ان کے سب سے زیادہ قریب ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں اتنے ہی عالی قدر ہوں گے۔

آپ سب کا مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ عالی میں قبولیت ہوجائے، یہ مقصد اخلاص سے حاصل ہوگا، پھر یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ ایک تعلیم

ہے اور ایک تربیت ہے، دونوں جدا جدا چیزیں ہیں، تعلیم کے معنی تو ہیں ان علوم کو جان لینا اور ان کو سکھا دینا، آپ جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں مستشرقین سب سے زیادہ اسلام پر کام کر رہے ہیں، کتابیں لکھ رہے ہیں، چھاپ رہے ہیں، ان کو ایڈٹ کر رہے ہیں، بقول ہمارے مولانا ابوالحسن ندویؒ کے کہ مستشرقین کا گروہ وہ بدقسمت گروہ ہے جنہوں نے علوم نبوت میں ہزاروں غوطے لگائے لیکن ہمیشہ خشک دامن نکلے، شب و روز وہ حدیث پڑھتے ہیں، قرآن کریم پر تحقیق کرتے ہیں، فقہ پر تحقیق کرتے ہیں، اسلامی موضوعات پر تحقیق کرتے ہیں، اور الگ الگ، ایسی ایسی نادر کتابیں ان کے قلم سے سامنے آرہی ہیں کہ عقل حیران ہے، آج تک ہم میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا تھا کہ فلاں لفظ صحیح بخاری میں فلاں جگہ آیا ہے، صحیح مسلم میں فلاں جگہ آیا ہے، نسائی میں فلاں جگہ، ابوداؤد میں فلاں جگہ آیا ہے، مسند احمد میں فلاں جگہ آیا ہے، مستشرقین نے یہ بھی کر دکھایا۔ "**المعجم المفهرس لالفاظ الحديث.**" آٹھ ضخیم جلدوں میں مارکیٹ میں موجود ہے۔

اسی طرح "**المعجم المفهرس لالفاظ القرآن.**" ہے، جس میں بتلایا گیا ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں کتنی جگہ آیا ہے، کن کن آیتوں میں آیا ہے۔ یہ سب کتابیں ان کی مرتب کردہ ہیں، مگر افسوس کہ اس سب کے باوجود کافر کے کافر ہی رہے، اس لئے کہ انہوں نے علم برائے معلومات حاصل کیا، انہوں نے علم برائے عمل نہیں سیکھا، مسلمانوں اور مستشرقین میں فرق یہ ہے کہ مسلمان علم برائے عمل حاصل کرتا ہے اور اس کا نام تربیت ہے، اور علم کی غرضِ اصلی یہی تربیت ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی توفیق عطا فرمائے، حضرات اساتذہ کرام سے بھی یہی درخواست ہے کہ وہ طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت پر خصوصی توجہ دیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اللہ کی نعمتوں کا استحضار!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

حافظ ابونعیمؒ نے حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے کہ:

”عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ عَلِیًّا شَیَّعَ جَنَازَةً، فَلَمَّا وُضِعَتْ فِیْ لَحْدِهَا، عَجَّ اَهْلُهَا وَبَكَوْا، فَقَالَ: مَا تَبْكُوْنَ؟ اَمَا وَاللّٰهِ! لَوْ عَایَنُوْا مَا عَایَنَ مَیِّتُهُمْ، لَاَذْهَلَتْهُمْ مُعَایَنَتَهُمْ عَنْ مَیِّتِهِمْ، وَاِنَّ لَهٗ فِیْهِمْ لَعَوْدَةً ثُمَّ عَوْدَةً، حَتّٰی لَا یَبْقٰی مِنْهُمْ (اَحَدًا)، ثُمَّ قَامَ فَقَالَ: اُوْصِیْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِتَقْوَی اللّٰهِ الَّذِیْ ضَرَبَ لَكُمُ الْاَمْثَالَ وَوَقَّتَ لَكُمُ الْاٰجَالَ، وَجَعَلَ لَكُمْ اَسْمَاعًا تَعِیْ مَا عَنَاهَا وَاَبْصَارًا لَتَجْلُوْ عَنْ غِشَاهَا، وَاَفْئِدَةً تَفْهَمُ مَا دَهَاهَا، فِیْ تَرْكِیْبِ صُوَرِهَا، وَمَا اَعْمَرَهَا، فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَخْلُقْكُمْ عَبَثًا، وَلَمْ یَضْرِبْ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا، بَلْ اَكْرَمَكُمْ بِالنِّعَمِ السَّوَابِغِ، وَاَرْفَدَكُمْ بِاَوْفَرِ الرَّوَافِدِ، وَاَحَاطَ بِكُمْ

الْاِحْصَاءَ، وَاَرْصَدَ لَكُمُ الْجَزَاءَ فِى السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ، فَاتَّقُوا اللهَ عِبَادَ اللهِ! وَجِدُّوْا فِى الطَّلَبِ، وَبَادِرُوْا بِالْعَمَلِ مُقَطِّعَ النَّهِمَاتِ، وَهَاذِمَ اللَّذَّاتِ، فَاِنَّ الدُّنْيَا لَا يَدُوْمُ نَعِيْمُهَا، وَلَا تُؤْمَنُ فَجَائِعُهَا، غُرُوْرٌ حَائِلٌ، وَشَبَحٌ فَائِلٌ، وَسِنَادٌ مَائِلٌ، يَمْضِىْ مُسْتَطْرِفًا، وَيُرْدِىْ مُسْتَرْدِفًا بِاِتْعَابِ شَهَوَاتِهَا وَخَتْلِ تَرَاضُعِهَا، اِتَّعِظُوْا عِبَادَ اللهِ بِالْعِبَرِ، وَاعْتَبِرُوْا بِالْاٰيَاتِ وَالْاَثَرِ، وَازْدَجِرُوْا بِالنُّذُرِ، وَانْتَفِعُوْا بِالْمَوَاعِظِ، فَكَاَنْ قَدْ عَلِقَتْكُمْ مَخَالِبُ الْمَنِيَّةِ، وَضَمَّكُمْ بَيْتُ التُّرَابِ، وَدَهَمَتْكُمْ مُفْظِعَاتُ الْاُمُوْرِ بِنَفْخَةِ الصُّوْرِ، وَبَعْثَرَةِ الْقُبُوْرِ، وَسِيَاقَةِ الْمَحْشَرِ، وَمَوْقِفِ الْحِسَابِ بِاِحَاطَةِ قُدْرَةِ الْجَبَّارِ، كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ يَسُوْقُهَا لِمَحْشَرِهَا، وَشَاهِدٌ يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِعَمَلِهَا، (وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا، وَوُضِعَ الْكِتَابُ، وَجِيْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ، وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ) فَارْتَجَّتْ لِذٰلِكَ الْيَوْمِ الْبِلَادُ، وَنَادَى الْمُنَادِ، وَكَانَ يَوْمُ التَّلَاقِ، وَكُشِفَ عَنْ سَاقٍ، وَكُسِفَتِ الشَّمْسُ، وَحُشِرَتِ الْوُحُوْشُ مَكَانَ مَوَاطِنِ الْحَشْرِ، وَبَدَتِ الْاَسْرَارُ، وَهَلَكَتِ الْاَشْرَارُ، وَارْتَجَّتِ الْاَفْئِدَةُ، فَنَزَلَتْ بِاَهْلِ النَّارِ مِنَ اللهِ سَطْوَةٌ مَجِيْحَةٌ، وَعُقُوْبَةٌ مُنِيْحَةٌ، وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لَهَا كَلَبٌ وَلَجَبٌ، وَقَصِيْفُ رَعْدٍ، وَتَغَيُّظٌ وَوَعِيْدٌ، تَاَجَّجَ جَحِيْمُهَا، وَغَلٰى حَمِيْمُهَا، وَتَوَقَّدَ سُمُوْمُهَا، فَلَا يُنَفَّسُ خَالِدُهَا، وَلَا تَنْقَطِعُ حَسَرَاتُهَا، وَلَا

يُقْصَمُ كُبُوْلُهَا، مَعَهُمْ مَلَائِكَةٌ يُبَشِّرُوْنَهُمْ بِنُزُلٍ مِنْ حَمِيْمٍ، وَتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ، عَنِ اللّٰهِ مَحْجُوْبُوْنَ، وَلِاَوْلِيَائِهٖ مُفَارِقُوْنَ، وَاِلَى النَّارِ مُنْطَلِقُوْنَ، عِبَادَ اللّٰهِ! اِتَّقُوا اللّٰهَ! تَقِيَّةَ مَنْ كَنَعَ فَخَنَعَ، وَوَجِلَ فَرَحِلَ، وَحُذِّرَ فَاَبْصَرَ فَازْدَجَرَ، فَاحْتَثَّ طَلَبًا، وَنَجَا هَرَبًا، وَقَدَّمَ لِلْمَعَادِ، وَاسْتَظْهَرَ بِالزَّادِ، وَكَفٰى بِاللّٰهِ مُنْتَقِمًا وَبَصِيْرًا، وَكَفٰى بِالْكِتَابِ خَصْمًا وَحَجِيْجًا، وَكَفٰى بِالْجَنَّةِ ثَوَابًا، وَكَفٰى بِالنَّارِ وَبَالًا وَعِقَابًا، وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ۔" (حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۷۷)

ترجمہ:..... "حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جنازے کے ساتھ اس کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے، جب میت کو اس کی لحد میں رکھا گیا تو اس کے متعلقین اہل وعیال چلانے اور رونے لگے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا: روتے کیوں ہو؟ اللہ کی قسم! یہ لوگ اگر دیکھ لیتے اس چیز کو جس کا معائنہ ان کی میت نے کرلیا ہے، تو ان کا معائنہ ان کو ان کی مجلس سے غافل کردیتا، اور بے شک اس کے لئے، یعنی موت کے لئے ان میں لوٹنا ہے، یعنی بار بار لوٹنا ہے، یہاں تک کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ پھر آپؓ خطبے کے لئے کھڑے ہوئے، اس میں ارشاد فرمایا: اے اللہ کے بندو! میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کی، وہ اللہ جس نے تمہارے لئے مثالیں بیان کی ہیں، تمہارے لئے میعادیں مقرر کردی ہیں، تمہارے لئے کان رکھے ہیں، تم کو کان عطا فرمائے ہیں، جو سنتے ہیں ان چیزوں کو جو ان کو مشقت پیش آنے والی

ہے، اور تمہیں آنکھیں دی ہیں، تاکہ وہ اپنے پردے کو ہٹا کر دیکھے، اور دل دیئے ہیں جو ان حوادث کو جو پیش آنے والے ہیں، سمجھیں، یہ کان، آنکھیں اور دل ایسی صورتوں میں، ایسی ترکیب میں اللہ نے رکھے ہیں جن کی صورت اللہ تعالیٰ نے خود بنائی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تم کو بیکار پیدا نہیں کیا، اور نصیحت کو تم سے ہٹایا نہیں، بلکہ تم کو عزت دی ہے کامل نعمتوں کے ساتھ، اور تمہاری مدد فرمائی ہے، تمہاری پوری پوری حاجتوں کے ساتھ، اور جو کچھ تم کرتے ہو، تمہارا پوری طرح احاطہ کرلیا ہے، اور تمہارے لئے جزا تیار کر رکھی ہے، خوشی میں بھی اور تکلیف میں بھی، بس اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، تلاش کرنے میں کوشش کرو، خواہشوں کی قطع کرنے والی چیزوں اور لذتوں کے گرادینے والی چیز کے آنے سے پہلے پہلے عمل کی طرف سبقت کرو، اس لئے کہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہتیں، اور اس کے دردناک حوادث سے کبھی آدمی بے خوف نہیں ہوسکتا، یہ ایک دھوکہ ہے جو درمیان میں آگیا ہے، اور یہ ایک سایہ ہے جو بہت کمزور ہے، اور یہ ایک سہارا ہے جو جھکا چاہتا ہے، اور گرا چاہتا ہے، تیزی سے گزر جاتا ہے، اور آدمی کو ہلاک کرکے چلی جاتی ہے، اپنے پیچھے شہوتوں کی تھکن کو چھوڑ جاتی ہے، اس لئے اللہ کے بندو! عبرتوں کے ساتھ نصیحت حاصل کرو، آیات اور آثار کے ساتھ عبرت لو، ڈرانے والی چیزوں کو سن کر ڈر جاؤ، اور نصیحت کی ہوئی باتوں سے نفع اٹھاؤ، مجھے یوں لگ رہا ہے کہ گویا موت نے اپنے پنجے تم میں گاڑ دیئے ہیں، اور مٹی کے گھر نے تم

کو سمیٹ لیا ہے، اور پریشان کرنے والے احوال تمہارے
سامنے آگئے ہیں، صور پھونکا جارہا ہے، قبریں اکھڑی جارہی
ہیں، محشر کی طرف کشاں کشاں لے جایا جارہا ہے، حساب کے
لئے تمہیں کھڑا کیا جارہا ہے، یہ قدرت جبار کا احاطہ ہے، ہر نفس
اس طرح آرہا ہے کہ ایک اس کے ساتھ ہانکنے والا ہے، جو اس
کو محشر کی طرف ہانک رہا ہے، اور ایک گواہ ہے جو اس پر گواہی
دے رہا ہے اس کے عمل کی، (زمین چمک اٹھی اپنے رب کے
نور سے اعمال نامے سامنے رکھ دیئے گئے، نبیوں کو لایا گیا،
شہیدوں کو لایا گیا، گواہوں کو لایا گیا اور لوگوں کے درمیان
انصاف کا فیصلہ کردیا جائے گا اور ان پر ذرا ظلم نہیں ہوگا)، اس
کی وجہ سے شہر کانپ گئے اور ایک منادی نے آواز دی کہ آج
ملاقات کا دن ہے، پنڈلی کھول دی گئی، سورج بے نور ہوگیا، وحشی
جانور تک جمع کردیئے گئے حشر کی جگہوں میں، اور بھید دل کے
خفیہ بھید کھل گئے، حشرات ہلاک ہوگئے، دل کانپ اٹھے اور اہل
نار کو اللہ کی جانب سے ہلاک کرنے والی پکڑ اور چیخیں نکالنے
والی سزا نازل ہوگئی، دوزخ ظاہر ہوگئی جس کی کنڈیاں ہیں، جس
کے لئے شور ہیں اور جو اس طرح کڑکڑاتی ہے جس طرح بادل
کڑکڑایا کرتے ہیں، وہ غیظ وغضب میں ہے، وعید میں ہے،
اس کی آگ بھڑک رہی ہے، اس کا گرم پانی جوش مار رہا ہے،
اور اس کی سموم یعنی گرم ہوا جلا رہی ہے، اس میں رہنے والوں کو
سانس لینا مشکل ہوگا اور اس کی حسرتیں اور واویلا کبھی ختم نہیں
ہوگا، اس کے منہ کو جو اگادی گئی ہے، اس کو کوئی توڑے گا نہیں،

ان کے ساتھ فرشتے ہوں گے جو ان کو کھولتے ہوئے پانی کی اور جہنم میں داخل ہونے کی خوشخبری دے رہے ہوں گے، یہ لوگ اللہ سے محجوب ہوں گے، اولیاءُ اللہ سے جدا ہوں گے، دوزخ کی طرف لئے جارہے ہوں گے، اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! اس طرح ڈرنا جو بہت ہی کمزور اور بہت ہی عاجز ہوگیا ہو، جو کپکپاتا اور کپکپاتے ہوئے چل پڑا ہو، اور جو ڈر گیا اس نے دیکھا ہو ڈرنے کی وجہ سے وہ خوف ناک چیزوں سے رک گیا ہو، پس اچھی چیز کی طلب میں تیز بھاگ رہا ہو، اور شر سے بچنے کے لئے نجات حاصل کرنے کے لئے دوڑ لگا رہا ہو، اس نے معاد کے لئے توشہ آگے بھیج دیا اور اس توشہ کے ذریعہ سے (نیکیوں کے توشے کے ذریعہ سے) قوت حاصل کرلی، دیکھو اللہ تعالیٰ منتقم اور بصیر ہونے کے لئے کافی ہے، اور تمہارا نامہ عمل تم سے لڑنے کے لئے اور دشمنی کرنے کے لئے بہت ہے، جنت ثواب کے لئے کافی ہے، دوزخ وبال اور عتاب کے لئے کافی ہے، اور میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں اپنے لئے اور تمہارے لئے۔‘‘

تین مضامین:

یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طویل خطبہ ہے، اور اس میں تین مضمون بیان فرمائے ہیں، ایک حشر کا، دوسرا قبر کا، اور تیسرا میدان محشر کا۔ حضرت امام جعفرؒ صاحبزادے ہیں حضرت امام باقرؒ کے، اور وہ صاحبزادے ہیں حضرت امام علی زین العابدینؒ کے، اور وہ صاحبزادے ہیں حضرت امام حسینؓ کے، اور وہ حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں، یہاں روایت جعفر بن محمدؒ کی ہے، یہ امام جعفر صادقؒ جن کی طرف

منسوب کر کے شیعہ اپنے آپ کو جعفریہ کہلاتے ہیں، تو یہ امام جعفرؒ کی روایت ہے اپنے والد سے، یعنی امام محمد سے، اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا سے، آگے پھر سند نہیں ہے، یعنی امام علی زین العابدینؒ تک یہ سلسلۂ سند پہنچا، غالباً انہوں نے اپنے والد ماجد سے سنا ہوگا۔

اگر یہ لوگ برزخ کا مشاہدہ کر لیتے؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ ایک جنازے میں تدفین کے لئے گئے، تو میت پر جب مٹی ڈالنے لگے تو جو ان کے اہل وعیال تھے وہ چلانے لگے، جیسے کہ جب جنازہ گھر سے نکالا جاتا ہے تو اس وقت کہرام مچ جاتا ہے، اب تک کم سے کم لاش آنکھوں کے سامنے تھی، جب مٹی ڈالنے لگے، قبر کو بند کرنے لگے تو لاش بھی غائب ہوگئی، اس وقت پھر کہرام مچا ہوگا، تو اس موقع پر حضرت امیر المومنینؓ نے فرمایا کہ: میاں! روتے کیوں ہو؟ چلاتے کیوں ہو؟ یہ رونا اور چلانا کیسا، ان کی میت نے یعنی ان کے مردے نے جس چیز کا مشاہدہ کیا ہے، یعنی عالم برزخ کا، اگر یہ لوگ اس چیز کا مشاہدہ کر لیتے تو پھر ان کو مردہ بھول جاتا، اپنی فکر پڑ جاتی اور وہ قصہ ویسا ہی ہو جاتا جس طرح کہ لطیفہ مشہور ہے۔

موت کا ڈر، ایک واقعہ:

ایک خاتون کی لڑکی بیمار تھی، وہ اس کے سرہانے بیٹھی دعائیں کر رہی تھی، یا اللہ! اس کو شفا دے دے، یا اس کی جگہ مجھے ہی موت آجائے، اتنے میں گھر میں کوئی کتا آیا، اس نے کسی ہنڈیا میں منہ ڈالا، منہ تو اس نے گھسالیا، لیکن پھر نکلا نہیں، اسی ہنڈیا سمیت وہ بھاگ رہا تھا، وہ ادھر کو نکلا تو اس نے سمجھا کہ یہی عزرائیل ہیں، تو اسی طرح اس کو دیکھ کر وہ خاتون کہتی ہے کہ: عزرائیل میاں! وہ بیمار لڑکی ادھر پڑی ہے، یعنی میری طرف نہ آئے۔ واقعی جب آدمی کی اپنی جان پر بنتی ہے، پھر دوسرا یاد نہیں رہتا۔

قبر کا نقشہ دیکھتے تو مردہ بھول جاتے:

امیر المؤمنینؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کی ہولناکیاں اور قبر کے نقشے ان کے سامنے آجاتے تو ان کو اپنا مردہ بھول جاتا، اور پھر فرماتے ہیں کہ یہ موت تو بار بار تمہارے گھر کا پہرہ دے گی، بار بار آئے گی، یہاں تک کہ ایک آدمی کو بھی نہیں چھوڑے گی، جتنے گھر میں آدمی ہیں موت سب کو ایک ایک کر کے لے کر جائے گی۔

مثالیں اور میعادیں:

یہ تو وہاں ارشاد فرمایا، اس کے بعد واپس ہوئے تو حضرت امیر المؤمنینؓ نے خطبہ دیا، اور وہ بڑا طویل خطبہ ہے، فرمایا کہ دیکھو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کی، جس اللہ نے تمہارے لئے مثالیں بیان کردی ہیں، نیک لوگوں کی مثالیں بھی بیان کردی ہیں، اور برے لوگوں کی بھی۔ فرعون کی بھی مثال بیان کردی، موسیٰ علیہ السلام کی بھی مثال بیان کردی، اشرار کی بھی، ابرار کی بھی، ہر ایک کی مثال بیان کردی، سخاوت کرنے والوں کی بھی مثال بیان کردی، بخیلوں کی بھی مثال بیان کردی، ماں باپ کے نافرمان کی بھی مثال بیان کردی، اور فرمانبرداروں کی بھی مثال بیان کردی، تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کے لئے اللہ نے اپنے پاک کلام میں مثالیں نہ بیان کردی ہوں، اور اسی طرح تمہارے لئے میعادیں بھی مقرر کردی ہیں۔

ہر آدمی کا پروانہ:

ہر ایک آدمی کی قسمت کا پروانہ اور اس کے گنے ہوئے دن، اس کی گردن میں لٹکا کر کے بھیجے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے:

"وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ." (بنی اسرائیل:۱۳)

ترجمہ:...... "ہر ایک کی قسمت کا پروانہ ہم نے اس کی گردن میں

لٹکا دیا ہے۔"

اپنا سبق دہراتا ہوں:

یہ پٹا تمہاری گردن میں پڑا ہوا ہے، تمہیں نظر نہ آئے اور تم نہ پڑھ سکو تو دوسری بات ہے، بھئی! میں اپنا سبق پکایا کرتا ہوں، تم کہو گے کہ وہی پرانی باتیں دہراتا ہے، جیسے حافظ جی سبق دہراتا رہتا ہے، اپنا پارہ پکانے کے لئے، میں بھی اپنی باتیں اپنے ذہن میں پختہ کرنے کے لئے دہراتا رہتا ہوں، تمہارے کام آجائے تو تم بھی اس کو استعمال کرلو، نہ کام آئے تو میرے پاس چھوڑ کر چلے جاؤ، مجھے تو اپنا سبق پکانا ہے، آپ کو نصیحت نہیں کرنی، استاد کے سامنے طالب علم آموختہ دہراتا ہے، پکاتا ہے، تو میں تو اپنا سبق تمہیں سناتا رہتا ہوں تاکہ میں بھول نہ جاؤں۔

حضرت ام حبیبہؓ کی دعا:

میں نے آپ حضرات کو حدیث شریف سنائی تھی کہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دعا کر رہی تھیں:

"اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِزَوْجِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبِاَبِیْ اَبِیْ سُفْیَانَ وَبِاَخِیْ مُعَاوِیَۃَ. فَقَالَ لَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّکِ سَأَلْتِ اللّٰہَ لِآجَالٍ مَضْرُوْبَۃٍ وَاٰثَارٍ مَوْطُوْئَۃٍ وَاَرْزَاقٍ مَقْسُوْمَۃٍ لَا یُعَجِّلُ شَیْئًا مِنْھَا قَبْلَ حِلِّہٖ وَلَا یُؤَخِّرُ مِنْھَا شَیْئًا بَعْدَ حِلِّہٖ وَلَوْ سَأَلْتِ اللّٰہَ اَنْ یُّعَافِیَکِ مِنْ عَذَابٍ فِی النَّارِ وَعَذَابٍ فِی الْقَبْرِ لَکَانَ خَیْرًا لَّکِ." (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۳۸)

ترجمہ:......"یا اللہ! مجھے میرے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے، میرے والد ابوسفیانؓ کے ذریعے سے

اور میرے بھائی معاویہؓ کے ذریعہ سے نفع دیجئے، (مطلب یہ کہ یہ زندہ رہیں، اللہ ان کی زندگی لمبی کرے، اور ان کا سایہ دراز فرمائے اور میرے سر پر قائم رکھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز مانگ رہی ہے، اور ان میعادوں کے بارے میں سوال کر رہی ہے جن کی تعیین کی جاچکی ہے، اور ان رزقوں کے بارے میں مانگ رہی ہے جن کو تقسیم کر کے دیا جاچکا ہے، اور ان سانسوں کے بارے میں سوال کر رہی ہے جن کو گن کر شمار کرلیا گیا ہے (کہ اتنے سانس ہیں فلاں صاحب کے)، اللہ تعالیٰ ان اجال اور انفاس کو نہ مؤخر کریں گے نہ مقدم کریں گے، اگر تو نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ تجھے دوزخ سے پناہ عطا فرمائیں اور قبر کے عذاب سے پناہ عطا فرمائیں تو یہ افضل ہوتا اور بہتر ہوتا۔''

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مانگنے کی چیز تو یہ تھی مگر تو کچھ اور مانگ رہی ہے! تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے میعادیں مقرر کردی ہیں۔

انعاماتِ الٰہیہ کا استحضار:

اس کے بعد فرمایا: تمہیں کان دیئے ہیں، آنکھیں دی ہیں، دل دیئے ہیں، کان دیئے ہیں تا کہ کانوں میں جو بات پڑتی ہے، اس کو تم ذرا سمجھ لو۔

کان گانے سننے کے لئے ہیں؟

کیا تم سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کان اس لئے دیئے ہیں تا کہ تم گانے سنو؟ سن لو، سنتے ہو تو سن لو، ایک بچی نے مجھے خط لکھا کہ میں گانے کے بغیر رہ نہیں سکتی، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے، بچپن سے ایسی عادت پڑگئی، بس حضرت! رہنے دیجئے اس کو

بچپن سے ایسی عادت پڑگئی گانے سننے کی، گویا گانے گھٹی میں ڈال دیئے گئے ہیں، گانے سننے سے تمہاری طبیعت بدمزہ نہیں ہوتی؟ تم کو اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ دل میں ظلمت آرہی ہے، تم کو خیال نہیں آتا کہ ہمارے کانوں کے ذریعہ سے اندر کیا انڈیلا جارہا ہے؟

آنکھوں کی نعمت:

فرمایا اور تم کو نظریں دی ہیں، آنکھیں دی ہیں، تاکہ تم اس کے پردے کو ہٹاؤ اور عبرت کی نظر سے دیکھو۔

آنکھیں اس لئے دی ہیں تاکہ تم ان آنکھوں سے نظر عبرت کے ساتھ دیکھو، اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے دل عطا فرمائے ہیں تاکہ تم ان حوادث اور مسائل کو سمجھو جو تمہیں پیش آنے والے ہیں

انسان اور جانور کا فرق:

تم میں اور جانور میں یہی فرق ہے کہ تم مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے اس کا تحفظ کیا کرتے ہو، اور جانور بے چارہ جو سامنے آتا ہے کھالیتا ہے، آگے کی اس کو فکر نہیں، تم تدبر اور تدبیر کیا کرتے ہو، تدبر کے معنی ہیں انجام کو سوچنا اور تدبیر کے معنی ہیں: انجام کے لئے کوئی سامان کرنا کہ یہ چیز پیش آنے والی ہے، اس کا کیا بندوبست کیا جائے؟ اس کو تدبیر کہتے ہیں، کسی چیز پر غور وفکر کرنا تدبر کہلاتا ہے، اپنے انجام کو سوچنا تدبر کہلاتا ہے، اور اس انجام کی بھلائی کے اسباب مہیا کرنے کی فکر کرنا تدبیر کہلاتا ہے، انسان کو حق تعالیٰ شانہ نے تدبر بھی دیا ہے اور تدبیر بھی دی ہے، حیوانات کو یہ چیز نہیں دی، اور یہ تدبر اور تدبیر دلوں کا کام ہے، اور یہ دماغ اس کی مشینری دل ہے۔

حکماء کی غلط فہمی:

حکما بے چارے یہاں ٹھوکریں کھاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ غور وفکر کا مرکز انسان کا دماغ ہے، وہ بھی ٹھیک کہتے ہوں گے، لیکن مرکز یہ نہیں ہے، ہاں البتہ یہ سوچنے کی مرکزی مشین ہے، تو گویا دل کے ذریعہ سے اس سوچنے کی مشین کا بٹن دبایا جاتا ہے، اگر دل میں تقویٰ ہو تو دماغ تقویٰ کی بات سوچے گا، اور اگر دل میں خباثت اور نجاست ہو تو قلب میں لوگوں کی ایذا رسانی کی تدبیریں گردش کریں گی، قلب میں نیکی اور پارسائی ہو تو دماغ اس کا بندوبست سوچے گا، اور دل میں خدا کا خوف نہ ہو تو پھر دماغ اس کے مطابق تدبیریں کرے گا، تو حکم تو چلتا ہے دل کا، چاہت اور ناچاہت تو دل کا کام ہے، نیکی اور بدی دل کا کام ہے، اسی طرح خباثت یا طہارت یہ قلب کی صفت ہے، دماغ تو اس کی مشین ہے، جس طرف دل کہے گا اسی طرح کرے گا، جو حاکم کہے گا ماتحت اس کی تعمیل کریں گے۔

دل کی نعمت:

تو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دل بخشے ہیں تاکہ آئندہ جو حوادث پیش آنے والے ہیں ان کی فکر کرو، اس لئے تم لوگ یوں نہ سمجھو کہ اللہ نے تمہیں پیدا کرکے مہمل چھوڑ دیا ہے، تم سے کوئی حساب وکتاب نہیں لے گا، اور یہ بھی نہ سمجھو کہ چونکہ تم نے کانوں میں ڈاٹ دے لئے ہیں، آنکھیں بند کرلی ہیں او .لوں کو اللہ کی نصیحت سے پھیر لیا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی تم سے نصیحت پھیرلیں گے، نہیں! اللہ تعالیٰ اپنی عنایت اور نصیحت کرنے کا اپنا فضل تمہاری طرف متوجہ رکھیں گے، تم سنو تب بھی، نہ سنو تب بھی، تم عبرت حاصل کرو تب بھی اور عبرت کی آنکھیں بند کرلو تب بھی اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے نصیحت کرتے رہیں گے۔

احساناتِ الٰہی اور اعمال کی جزا وسزا:

بہرکیف! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کامل ترین نعمتیں تم کو عطا فرمائی ہیں، اور چھوٹی بڑی تمام حاجتیں تم کو دیں، تمہاری زندگی کے لئے تم کو جو سامان چاہئے وہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا، اب تم بھی تو کچھ کرو گے نا! کتنی نعمتیں تم نے اڑائیں وہ اللہ کے علم میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو احسانات تمہارے ساتھ کئے وہ اللہ کے علم میں ہیں، اورتم جو اس کے مقابلے میں اچھے اور برے اعمال بجالاتے ہو وہ بھی اللہ کے علم میں ہیں، اور یہ بات خوب یاد رکھو کہ نیک اعمال ہوں یا برے اعمال ہوں، وہ تم نے خوشی میں کئے ہوں یا تنگی میں کئے ہوں، صحت میں کئے ہوں یا بیماری میں کئے ہوں، بہرحال ان اعمال کی اور ان اعمال کے مناسب جو جزا وسزا ہے وہ دیں گے۔ اللہ کے بندو! تلاش میں محنت کرو اور وہ چیز جو تمام خواہشات کے گھروندے کو چکنا چور کردیتی ہے اور جو تمام لذتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے، یعنی موت، اس کے آنے سے پہلے پہلے عمل کرلو، ورنہ بازی ہار جاؤ گے۔

لہو ولعب:

آج کل تو پوری قوم لگی ہوئی ہے کھیل کے میدان کو دیکھنے کے لئے، مجھے ایک نوجوان نے لکھا کہ ٹی وی دیکھنا گناہ ہے یہ تو ٹھیک ہے چونکہ میں کھیل دیکھنے کا شوقین ہوں، کھیل کا بہت شوق ہے، تو میں کبھی کبھی ٹی وی پر میچ دیکھ لیتا ہوں، ماشاءَ اللہ! فلاں، فلاں کے مقابلے میں ہار گیا، فلاں، فلاں کے مقابلے میں جیت گیا، اتنی بات ہوتی ہے اور کیا ہوتا ہے؟ اس سے زیادہ بھی کچھ ہے؟ ابھی دسمبر میں جیت گئے تھے تو پھولے نہیں سماتے تھے کہ پاکستان جیت گیا، کیا بات ہے اور ابھی ہار رہے ہیں تو جوتے پڑ رہے ہیں، کیا بات ہے، بس اسی پر بس کرگئے، اس ہار اور جیت کو تم نے ہار اور جیت سمجھ لیا، ہار اور جیت کا میدان تو آگے آنے والا ہے، میرا بھائی! ہار اور

جیت کا میدان آگے آنے والا ہے، قرآن کریم نے جس کو: "یَوْمُ التَّغَابُن" فرمایا ہے دراصل ہار جیت کا دن اور ہار جیت کا میدان تو میدانِ محشر ہے تو محنت کرو، کوشش کرو، ابھی تم میں صحت ہے، قوت ہے موت کے آنے سے پہلے پہلے اعمال کرلو، اس لئے کہ جس دنیا میں تمہارا دل اٹک گیا ہے، اس کی نعمت دائم نہیں رہتی، اور کیا معلوم یہاں کون سا حادثہ کس وقت پیش آجائے؟ اس بارے میں کوئی اطمینان نہیں ہے۔

دھوکے کا پردہ:

ایک دھوکے کا پردہ ہے جو تمہارے درمیان میں لٹکا دیا ہے، ایک بہت کمزور سا سایہ ہے جو ڈھلا چاہتا ہے، سامنے کوئی بہت ہی گہری وادی ہو، جیسے کوئی سامنے کھائی ہو، کھڈا ہو بہت گہرا، اور درمیان میں پردہ لٹکا دیا گیا اور تم جھول رہے ہو اس پردے کے ساتھ نادان ہو، تمہیں معلوم نہیں ہے کہ آگے کیا ہے؟ اس کو فرما رہے ہیں اور یہ سائے میں بیٹھے ہو آرام سے، اور سایہ بھی بے چارہ بڑا کمزور، بعض درخت ہوتے ہیں ان کا سایہ بہت گھنا ہوتا ہے اور بعض ہوتے ہیں جن کا سایہ اتنا گھنا نہیں ہوتا لیکن خیر پھر بھی غنیمت ہے، لیکن وہ سایہ ڈھل جائے گا، پھر وہ آنکھ جھپکنے میں گزر جاتا ہے، اور اپنے پیچھے بہت سی ہلاکتیں چھوڑ جاتا ہے، بہرکیف! یہ تو فرمایا کہ یہ تو دنیا کا نقشہ ہے، لہٰذا یہاں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی آیات و حالات سے عبرت پکڑو اور اللہ تعالیٰ نے یہاں جو عبرت کے نمونے رکھ دیئے ہیں ان کو دیکھ کر باز آجاؤ۔

موت کے بعد کا نقشہ:

اس کے بعد پھر نقشہ بیان فرمایا ہے، آگے تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں آگے کیا پیش آنے والا ہے؟ قبر کے اندر تو جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ آنے والا ہے لیکن قبروں کے بعد صور پھونک دیا جائے گا، قبریں اکھاڑ دی جائیں گی، محشر کی طرف سب لوگوں کو ہانک ہانک کر لے جایا جائے گا اور حساب کے کٹہرے میں لوگوں کو کھڑا کر دیا

جائے گا، حساب لینے والا وہ ہوگا جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں ہوگی۔

طویل سفر کا توشہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ: "یَا اَبَا ذَرٍ! خُذِ الزَّادَ فَاِنَّ السَّفَرَ طَوِیْلٌ." یعنی اے ابوذر! توشہ ساتھ لے کر جانا سفر بڑا لمبا ہے۔ صبح کھاتے ہو شام کی فکر کرتے ہو اور وہ جو قبر میں پڑے ہوئے ہیں ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ سب یہ قیامت تک تو وہیں رہیں گے اور قیامت کے بعد اٹھائے جائیں گے، جب نفخہ ثانیہ ہوگا، وہ پچاس ہزار سال کا دن ہوگا، اس کے لئے بھی کچھ سامان کی ضرورت ہے کہ نہیں؟ توشہ لے کر جانا سفر بڑا لمبا ہے، "وَخَفِّفِ الْحَمْلَ، فَاِنَّ الْعَقَبَةَ كَئُوْدٌ." اپنا بوجھ ذرا ہلکا رکھنا، اس لئے کہ گھاٹی بڑی دشوار ہے، اس پر چڑھنا بڑا مشکل ہے

کھرا عمل:

"وَاَخْلِصُ الْعَمَلَ فَاِنَّ النَّاقِدَ بَصِیْرٌ." اور اپنا عمل ذرا کھرا لے کر جانا، عمل تمہاری پونجی ہے، سکہ کھوٹا نہیں ہونا چاہئے کھرا ہونا چاہئے اس لئے کہ پرکھنے والا بڑا باریک بین ہے، رات کی تاریکی میں کھوٹا سکہ تو چلاسکتے ہو، جعلی نوٹ چلاسکتے ہو، لیکن جو اس سے واقف ہے جس کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا اس کے سامنے نہ کھوٹہ سکہ چلاسکتے ہو نہ جعلی نوٹ چلاسکتے ہو۔

بارگاہِ الٰہی کی پیشی:

اسی کو فرمارہے ہیں کہ پھر تمہیں حساب وکتاب کے لئے کھڑا کیا جائے گا، اور تم اس شان سے لائے جاؤ گے کہ: "وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ." (ق:۲۳) اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا جو ڈنڈے کے ساتھ ہانک رہا ہوگا، جیسے گائے بھینسوں کو ہانکا جاتا ہے۔

عدالتِ الٰہی کے گواہ:

ساتھ ایک گواہی دینے والا ہوگا یہ دونوں گواہی دیں گے، ایک ہانکنے والا گواہ، ایک دوسرا گواہ۔ اور حضرات علماً فرماتے ہیں کہ یہ دو گواہ دائیں اور بائیں والے ہیں جن کو کراماً کاتبین کہتے ہیں، تمہارے نامہ اعمال کا کاتب کہے گا: "هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیْدٌ." (ق:۲۳) یہ اس کا دفتر ہے جو میرے پاس تیار رکھا ہے، انکار کرے گا تو گواہی دیں گے، جب اس پر بھی انکار کرے گا، کہے گا کہ جھوٹ بولتے ہیں، غلط بولتے ہیں، میں نے یہ کام نہیں کیا۔

چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ:

"عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: کُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِکَ، فَقَالَ: هَلْ تَدْرُوْنَ مِمَّا اَضْحَکُ؟ قَالَ: قُلْنَا: اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ! قَالَ: مِنْ مُخَاطَبَةِ الْعَبْدِ رَبَّهٗ یَقُوْلُ: یَا رَبِّ! اَلَمْ تُجِرْنِیْ مِنَ الظُّلْمِ؟ قَالَ: یَقُوْلُ: بَلٰی! قَالَ: فَیَقُوْلُ: فَاِنِّیْ لَا اُجِیْزُ عَلٰی نَفْسِیْ اِلَّا شَاهِدًا مِّنِّیْ ...... الخ." (مشکوٰۃ ص:۴۸۵)

ترجمہ:...... "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں بیٹھے تھے، آپؐ مسکرائے اور فرمایا تم کیوں نہیں پوچھتے کہ میں کیوں مسکرایا؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ارشاد فرمایئے! فرمایا: بندہ قیامت کے دن کہے گا کہ یا اللہ! کیا یہ بات نہیں ہے کہ آپ نے مجھ کو ظلم سے امن دیا ہے، یعنی تجھ پر ظلم نہیں ہوگا، (بالکل بے پرواہ رہو، اگر تم کسی چیز سے نڈر رہنا چاہتے ہو تو پھر

صرف ایک نڈر ہونے کی چیز ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں کسی پر ظلم
نہیں ہوگا، بالکل بے خوف ہوجاؤ، مطمئن ہوجاؤ، یہ یہاں کی
پولیس نہیں ہے کہ بھائی جرم کرے اور باپ کو پکڑ لیں، یا
دوسرے بھائی کو پکڑ لے، بیٹا جرم کرے تو باپ کو پکڑ لے، باپ
کرے تو بیٹے کو پکڑ لیا جائے، شوہر کرے تو بیوی کو پریشان کیا
جائے، یہ رذالت اور کمینگی کی حد ہے کہ جس مجرم نے جرم کیا
ہے اس کو چھوڑ کر اس کے بال بچوں کو، دوسرے اہل وعیال اور
متعلقین کو پریشان کیا جائے کہ بتاؤ کہاں ہیں؟) اللہ تعالیٰ
فرمائیں گے کہ بالکل ٹھیک ہے، میرا وعدہ ہے کہ تجھ پر ظلم نہیں
ہوگا، تو وہ کہے گا کہ اگر آپ کا وعدہ ہے کہ ظلم نہیں ہوگا تو میں ان
میں سے کسی کی گواہی کو تسلیم نہیں کرتا۔''

انسانی اعضاء کی گواہی:

کن کی؟ فرشتوں کی گواہی کو میں تسلیم نہیں کرتا، احمق یہ سمجھے گا کہ شاید اس سے میری جان چھوٹ جائے گی، فرمایا: بہت خوب! بالکل ٹھیک ہے، وہ جو سورہ یٰسین میں فرمایا:

''اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ
وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ.'' (یٰسین:۶۵)

یعنی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے بالکل ٹھیک ہے، منہ پر مہر لگادی جائے گی، ہاتھ گواہی دیں گے کہ ہم نے یہ یہ کیا تھا، اور پاؤں گواہی دیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب تو ٹھیک ہے، اب تو کوئی اور گواہی نہیں دے رہا، اب تو تم خود ہی اپنے اوپر گواہی دے رہے ہو، کسی کی شہادت ہم تمہارے حق میں قبول نہیں کرتے، لیکن تم

اپنے ہاتھ اور پاؤں کی شہادت تو تم مانو گے کہ نہیں؟ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا:

"وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا، قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ." (حم السجدہ:۲۱)

ترجمہ:....."وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم میرے خلاف کیوں گواہی دیتی ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں بلوادیا ہے اس نے جس نے ہر چیز کو بلوادیا ہے، جس نے ہر چیز کو گویائی عطا فرمائی ہے۔"

جو زبان کو بلواسکتا ہے وہ ہاتھ کو بھی بلواسکتا ہے، وہ چمڑی کو بھی بلواسکتا ہے، جب تمہارے وہ اعضا جنہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا وہ بول کے بتائیں گے پھر کیا رہے گا؟ اب کچھ پردہ ڈھکا ہوا تھا، مگر جب اس بندہ نے جو کچھ کیا اور کراماً کاتبین نے لکھا کہ اس نے زنا کیا ہے، یہ تو اس نے مانا نہیں، اب اگر اس کی شرمگاہ بول کر بتائے پھر تو کچھ شرم آئے گی، اس کی آنکھیں یہ بول کر بتائیں کہ میرے ساتھ اس نے یہ کیا، اگر کراماً کاتبین کی گوہی کو نہیں مانو گے، یہ اللہ تعالیٰ کے معصوم فرشتے جو تمہارے نامہ عمل لکھنے پر مقرر ہیں، اور وہ دیوان اور دفتر تمہارا پھیلا دیا جائے گا، اس کو نہیں مانو گے تو پھر اپنی گواہی تو مانو گے۔

میدانِ حشر کا نقشہ:

حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان محشر کا نقشہ کھینچتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"مَا مِنْكُم مِّنْ رَجُلٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهٗ رَبُّهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ تُرْجُمَانٌ، ثُمَّ يَنْظُرُ اَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى شَيْئًا اِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهٗ، ثُمَّ يَنْظُرُ اَشْاَمَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى شَيْئًا اِلَّا

شَيْئًا قَدَّمَهُ، ثُمَّ يَنْظُرُ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ. قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّقِيَ وَجْهَهُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۶۴)

ترجمہ:...... "بندہ قیامت کے دن اپنے رب سے کلام کرے گا، بندہ اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، وہ بندہ دائیں جانب دیکھے گا تو اس کے عمل پھیلے ہوئے ہوں گے، بائیں جانب دیکھے گا تو اس کے اعمال پھیلے ہوئے ہوں گے، آگے کو دیکھے گا تو آگ سامنے ہوگی، (گویا چاروں طرف دیکھے گا، پیچھے تو دیکھ نہیں سکتا، اور ہر طرف اس کے اعمال پھیلے ہوئے ہوں گے، کوئی ایک آدھ ورقہ تھوڑا ہی ہے، ہم نے پوری زندگی میں کراماً کاتبین کے کتنے کاغذ سیاہ کروائے ہیں، یہ نقشہ بیان کرکے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی استطاعت رکھتا ہے، چاہے کھجور کی ہی ایک پھانک ہی دینی پڑے تو وہ ایسا کرے، (آدھا حصہ کھجور کا اس کو بھی معمولی چیز نہ سمجھو، یہ بھی دوزخ سے بچانے والی چیز ہے)۔"

غرضیکہ یہ تمہارے اعمال کا نقشہ ہے، تو اور کیا کہیں آگے پورے کوائف ذکر فرمائے، سورج بے نور ہوجائے گا، چوپائے تک جمع کردیئے جائیں گے، دل کے بھید کھل کر سامنے آجائیں گے، دل کانپ رہے ہوں گے، چہرے اداس ہوں گے، کہیں چھپنے کی جگہ نہیں، کہیں پناہ کی جگہ نہیں، کوئی سایہ نہیں، کوئی پینے کو پانی نہیں، یہ میدان محشر ہے، اگر یہ ساری چیزیں برحق ہیں، تو تم کس غفلت میں بھولے ہوئے ہو اور

تمہیں یہاں کی زندگی نے کیوں فریب دے رکھا ہے، کیوں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔

دوزخ کا نقشہ:

پھر اللہ تعالیٰ فضل فرمائے، اللہ تعالیٰ بچائے دوزخ سے، دوزخ میں کنڈیاں ہیں جن میں آدمی پھنس جائے تو نکل نہ سکے، جیسے کانٹا ڈالا جاتا ہے دریا میں مچھلیوں کو پھانسنے کے لئے، مچھلیاں اس کانٹے کو نگل تو لیتی ہیں، پھر اگل نہیں سکتیں، اس کے لئے کنڈیاں ہوں گی اور شور مچا رہی ہوں گی، چلا رہی ہوں گی، دھاڑیں مار رہی ہوں گی، اتنا شور کہ اس شور سے آدمی کے ہوش اڑ جائیں گے اور ایسی کڑک جیسے بجلی کی کڑک ہوتی ہے، ایسی لپٹ کہ آدمی کو جھلسا دے گی، یہ جہنم میں داخل ہونے سے پہلے کا نقشہ ہے، خدا محفوظ فرمائے، اللہ تعالیٰ بچائے، ایک لحہ کے لئے بھی دوزخ میں اللہ پاک نہ بھیجے، بہرکیف غفلت کی زندگی نہ گزارو، اپنی آخرت کی تیاری کرو، یہ موت، موت کے بعد قبر کی زندگی، قبر کے بعد پھر حشر اور اس کے بعد دوزخ، یہ ہولناکیاں اور فتنہ سامانیوں سے بچنے کے لئے اللہ سے ڈرو اور نیک اعمال کا ذخیرہ تیار کرو، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین